حدیثِ نبوی

اور

دورِ حاضر کے فتنے

تالیف:

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ تعالےٰ

تخریج وتشریح:

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب

حدیث نبوی
اور
دورِ حاضر کے فتنے

تالیف :

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ

تخریج وتشریح :

حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خاں صاحب

(مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

نیو تاج آفس 3095 سرسید احمد روڈ دریا گنج۔ نئی دہلی ۲

نام کتاب : حدیث نبوی اور دور حاضر کے فتنے

تالیف : حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ

تخریج وتشریح : حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خاں صاحب

ناشر : نیو تاج آفس، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲

تعداد : گیارہ سو

اشاعت اول : ۲۰۰۴ء

پرنٹرز : ایچ ایس آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

قیمت :

ڈسٹریبیوٹر

الهدایه پبلیشرز

شاپ نمبر 3/3 نمبر-۱ اسٹریٹ، سپنگس روڈ کراس، بنگلور، کرناٹک

ملنے کا پتہ

همدرد بکڈپو

سٹی مارکیٹ، بنگلور، کرناٹک

AL-HIDAYAH PUBLISHERS

Shop No. 313, No.1 Street,

Seppings Road Cross, Bangalore

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست کتاب

تقریظ

محدث کبیر حضرت علامہ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

دامت برکاتہم (استاذ حدیث دار العلوم دیو بند)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم :

فتن، ملاحم اور علاماتِ قیامت کی روایات نہایت اہم ہیں۔ ان کا خاص مقصد ملت کو زندگی کے نشیب و فراز سے واقف کرنا ہے، تاکہ وہ اپنی زندگی میں فتنوں کا شکار ہو کر متاعِ زندگی لٹا نہ دے۔ فتنے طرح طرح کے ہیں، سب سے بڑا فتنہ آدمی کا اندرونی فتنہ ہے کہ اس کا دل خراب ہو جائے، اور عبادات میں حلاوت محسوس نہ ہو، پھر خارجی فتن ہیں، جیسے گھر میں فتنہ، اولاد میں فتنہ، مالی فتنہ، معاشرتی فتنہ، ملی فتنہ، ملکی فتنہ اور آفاقی فتن، ان سب فتنوں سے واقفیت ضروری ہے تاکہ آدمی محتاط زندگی گزارے۔

ہمارے بزرگ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ نے اس موضوع پر ایک قیمتی کتاب لکھی تھی، مگر وہ خدمت کی محتاج تھی، احادیث کی مفصل تخریج کی ضرورت تھی اور بہت سی باتیں تشریح طلب بھی تھیں، اللہ جزائے خیر عطا فرمائیں جناب مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب زید مجدھم کو انہوں نے یہ خدمت کما حقہ انجام دیدی ہے۔

اب ”حدیث نبوی اور دورِ حاضر کے فتنے“ ایک کامل و مکمل کتاب بن گئی ہے، اور امید ہے اس سے امت کو بہت زیادہ نفع پہنچے گا، میں نے کتاب مختلف جگہ سے دیکھی ہے، ماشاء اللہ اچھی محنت کی ہے، اللہ اس سعیِ جمیل کو قبول فرمائیں اور کتاب کو امت کے لئے نافع بنائیں اور ماتن اور شارح دونوں کے لئے رفع درجات کا ذریعہ بنائیں۔ (آمین)

کتبہ:

۱۰ محرم ۱۴۲۵ھ

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

خادم دار العلوم دیو بند

تقریظ

محدث کبیر حضرت علامہ نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم
(استاذ حدیث دار العلوم، دیو بند)

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں، اور قیامت تک اب کوئی دوسرا نیا نبی آنے والا نہیں ہے، اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت باقی رہے گی جو دین کو اس کی اصلی شکل وصورت پر قائم رکھے گی، آپ ﷺ کا دور آخری دور ہے جس میں پہلے دور کی بنسبت زیادہ تغیرات اور فتنوں کا ظہور و وقوع ہوگا، آپ ﷺ نے آنے والے ان تمام بڑے بڑے فتنوں کی نشان دہی فرمائی تا کہ امت فتنوں سے بچنے کی تدبیریں کرتی رہے اور اس سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتی رہے، ان فتنوں کی نشاندہی کرنے کے مقاصد اور فوائد کو خود نبی کریم علیہ السلام نے بیان فرمادیا ہے،

اور اس اہم موضوع پر مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں انہوں نے پیش آنے والے فتنوں کو بیان کیا، اور نبی کریم علیہ السلام کے ان فتنوں کو بیان کرنے کے وجوہات کو بھی ذکر کردیا ہے، فتنوں سے حفاظت کے لئے یہ کتاب بے حد مفید و کارآمد ہے، اس کتاب کے مستند ہونے کے لئے مولانا موصوف کا نام مصنف کی حیثیت سے کافی ہے۔

پھر مولانا مفتی محمد شعیب اللہ صاحب (مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور) نے ان احادیث کی تخریج وتشریح کی خدمت انجام دیکر اس کتاب کی افادیت کو اور زیادہ، سہل اور آسان بنادیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کتاب کو قبولیت سے نوازے اور اس کتاب کو تمام شرور وفتن سے امت کے لئے حفاظت کا ذریعہ بنائے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

۱۷ محرم ۱۴۲۵ھ بروز منگل　　نعمت اللہ عفرلہ (خادم التدریس، دار العلوم، دیو بند)

تقدیم

از: حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتهم

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين و خاتم النبيين محمد بن عبد الله الامين، وعلى آله الطاهرين وصحبه الغر الميامين، وعلى من تبعهم باحسان الى يوم الدين۔

حضرت رسول مقبول ﷺ جن کو ارحم الراحمین نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا، اور ساری کائنات کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ انجام دینے کی ذمہ داری سونپی؛ اور نظام عالم کو محفوظ رکھنے اور اسکو ہر قسم کے خلل اور بے ربطی سے بچانے کے لئے، تاکہ وہ فتنہ وفساد کی آماجگاہ نہ بن جائے، قوانین عطا فرمائے اور مکمل دستور دیا؛ آپ کی یہ غایتِ شفقت اور امت پر غایت درجہ کرم ہے کہ آپ نے ہر اس چیز سے روک دیا جو امت کے کسی فرد کو کسی درجے میں بھی نقصان پہنچانے والی ہو، حتی کہ جسمانی طور پر بھی تکلیف واذیت کا اندیشہ محسوس کیا، تو اس سے بھی آپ نے باز رہنے کی تلقین فرمائی اور دھار دار چیز مجمع میں لیکر چلنے سے منع فرمایا، غرض کہ ہر وہ چیز جس سے خود کو یا دوسروں کو ادنی جسمانی اذیت پہنچے، اس سے آپ ﷺ نے منع فرمادیا۔

جو نبی ایسا شفیق، ایسا ہمدرد، ایسا رہنما اور ہادی اور ایسا امت کا خیال رکھنے والا ہو اور اس کے لئے گھلنے، پگھلنے والا ہو، وہ کیسے امت کو ایسے خطرات اور فتنوں سے آگاہ نہ کریگا جو اس کے دین و ایمان پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور اس کے عقیدہ کا سودا کر سکتے ہیں؟ یہی نہیں کہ آپ نے ان تمام فتنوں سے خبردار کیا ہے، بلکہ تمام چھوٹے بڑے فتنوں کی جو قیامت تک پیش آنے والے ہیں،

نشاندہی بھی فرمادی ہے، یہ نہایت درجہ رحم وکرم کی بات ہے کہ آپ نے پہلے سے خبردار کردیا کہ جو بچنا چاہے، وہ بآسانی بچ سکے، اور سامان حفاظت کرسکے ۔ نیز آپ ﷺ نے اس سے حفاظت کے لئے کیا کرنا چاہئے: اس کے بھی واضح اشارے فرمادئے ہیں، مثلاً "دجال اکبر" کا فتنہ جس سے ہر نبی نے اپنی امت کو خبردار کیا ہے، اس کا علاج جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت سے بتایا، اور دجالی فتنوں — جو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہیں گے — سے بچنے کے لئے سورۂ کہف کی تلاوت کے ساتھ اس کی آیات کا تدبر بھی نہایت ہی مفید ومؤثر قرار دیا گیا، (اس کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ کی کتاب: "معرکۂ ایمان ومادیت" کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا)۔

چونکہ یہ دور فتنوں کا دور ہے، ہر طرف سے فتنے امنڈتے چلے آرہے ہیں، ضرورت تھی کہ عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے اور عام مجمعوں میں سنانے کے لئے ایک ایسی کتاب مرتب کی جاتی، جس سے ان فتنوں کا پردہ فاش ہوجاتا، اور بچنے والے کے لئے راہ کھل جاتی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ محب گرامی مولانا مفتی شعیب اللہ صاحب نے، حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب [عصر حاضر حدیث نبوی کے آئینہ میں] — جو عصر حاضر کا ایک جیتا جاگتا مرقع ہے — کا اس کام کے لئے انتخاب فرمایا اور اس کی [**حدیث نبوی اور دور حاضر کے فتنے**] کے نام سے ایسی جامع اور عام فہم انداز میں تشریح فرمادی جو چشم کشا، بصیرت افروز اور رہنما کتاب بن گئی ہے، اس کے ساتھ زمانہ کا خیال کرتے ہوئے انہوں نے اس کی احادیث پر روایتی حیثیت سے بھی مکمل کلام کیا ہے تاکہ اس راہ سے بھی کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

اللہ تعالےٰ مولانا کے اس کام کو قبول فرمائے، فتنوں سے بچنے کا ذریعہ بنائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

فقط:

۵/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

محمد رابع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ کتاب

از شارح

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید المرسلین اما بعد:

فتنوں کا دور:

اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور فتنوں اور آزمائشوں کا دور ہے اور فتنے بھی مختلف رنگ وروپ، مختلف طرز وانداز، مختلف نتائج وعواقب لیکر آتے جارہے ہیں، ہر دن ہی نہیں بلکہ ہر آن ایک نیا فتنہ سامنے آتا ہے اور کوئی نہ کوئی گل کھلاتا ہے، خارجی فتنے بھی ہیں اور داخلی بھی، چھوٹے فتنے بھی ہیں اور بڑے بھی، چھوٹوں پر فتنے بھی ہیں اور بڑوں پر بھی، جانی ومالی فتنے بھی ہیں اور ایمانی وروحانی بھی، اور ان فتنوں کی وجہ سے جہاں ہماری اقتصادیات ومعاشیات متاثر ہوتی ہیں وہیں ہمارے ایمان واعمال کے لئے بھی خطرات لاحق ہیں، بلکہ بعض فتنوں کا تعلق براہِ راست ہمارے ایمان واعمال سے ہوتا ہے۔

احادیث فتن:

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل ان تمام پیش آنے والے فتنوں کا ذکر فرما کر امت کو ان سے آگاہی بخشی، تاکہ ان میں سے اختیاری فتنوں سے امت بچنے کی کوشش کرے، چنانچہ آپ علیہ السلام نے امت میں پیدا ہونے والے فتنوں پر مستقل طور پر کلام فرمایا ہے اور بہت سی احادیث میں ان پر روشنی ڈالی ہے اور حضرات محدثین

نے ان احادیث کو مستقل ابواب کے تحت ذکر کیا ہے اور بعض حضرات نے ان احادیثِ فتن پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جیسے ابوعمر الدانی نے السنن الواردۃ فی الفتن اور نعیم بن حماد نے کتاب الفتن اور ابن الجوزیؒ نے ''اشراط الساعۃ'' اور ابوبکر جابر الجزائریؒ نے ''اللقطات فی بعض ماظهر للساعة من علامات'' اور محمد بن رسول البرزنجی نے ''الاشاعة لاشراط الساعة'' وغیرہ اور بعض نے بعض خاص خاص فتنوں اور علاماتِ قیامت پر کلام کیا ہے اور کتابیں لکھی ہیں، جیسے دجال کے فتنے پر متعدد حضرات نے قلم اٹھایا اور بعض نے مہدیٔ منتظر کے بارے میں لکھا ہے اور بعض نے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام پر تصنیف کی ہے اور چونکہ فتن بھی دراصل علامات قیامت کا ایک حصہ ہیں، اس لئے علامات قیامت کے تحت ان فتن کا ذکر آجاتا ہے، اس طرح اشراط الساعة وعلامات الساعة پر لکھی گئی کتب لامحالہ فتن کی احادیث پر مشتمل ہونگی۔

حدیث میں فتن پر کلام کی حکمتیں:

حضرت نبی کریم علیہ السلام نے اس قدر تفصیل کے ساتھ فتن پر کلام اس لئے فرمایا ہے کہ :

(۱) بعض فتنوں کے جاننے سے ان سے حفاظت کا سامان کیا جاسکتا ہے، کیونکہ بہت سے فتنے وہ بھی ہیں جو بندوں کے اختیار سے متعلق ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ فحش وتفحش کی زیادتی ہوجائیگی، (دیکھو حدیث:۸) اور ظاہر ہے کہ یہ اختیاری کام ہے اور جو کام اختیاری ہو اس میں فعل وترک کی دونوں جہتیں اختیاری ہوتیں ہیں، ایسا نہیں کہ اس کا کرنا تو اختیاری ہو اور چھوڑنا اور ترک کرنا غیر اختیاری ہو، لہٰذا اس قسم کے فتنوں کا جاننا، ان سے حفاظت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

(۲) بعض فتنے غیر اختیاری ہیں، جیسے دجال کا آنا وغیرہ، ان کے بتلانے کا مقصد یہ ہے

8597

کہ ان کے شر سے آدمی واقف ہو جائے اور ان سے بچنا اس کے لئے آسان ہو جائے، ظاہر ہے کہ دجال کے آنے کا فتنہ ہمارے اختیار میں نہیں اور نہ یہ اختیار میں ہے کہ اس کو کوئی روک دے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے فتنے سے پیدا ہونے والے شر سے حفاظت کا سامان کیا جاے اس لئے علامہ سفارینیؒ نے فرمایا کہ ہر عالم پر ضروری ہے کہ وہ دجال کے سلسلہ کی احادیث کو بچوں مردوں، عورتوں سب کے درمیان پھیلائے خصوصا ہمارے زمانے میں جس میں فتنوں کی بھر مار اور ابتلاؤں کی کثرت ہے اور سنت و شریعت کے راستے مٹ گئے ہیں۔

(لوامع الانہار:۱۰۶/۲)

مطلب یہ کہ اس قسم کے فتنوں سے امت کے ہر ہر فرد کو واقف کرانا چاہئے، تا کہ وہ ان سے نمٹنے اور ان سے محفوظ رہنے کی سبیلیں تلاش کر لیں اور دجال کے شر و فتنے سے حفاظت کے لئے حدیث میں سورۂ کہف کی ابتدائی تین یا دس آیات کی تلاوت کو مفید بتایا گیا ہے۔

(ترمذی:۲۸۱۱، مسلم:۱۳۴۲)

(۳) بعض فتنوں کے بارے میں خود حدیثِ نبوی نے وضاحت کردی ہے کہ ان سے بچنے اور محفوظ رہنے کا طریقہ یہ ہے، جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا، ایک وجہ فتنوں پر کلام کرنے کی یہ بھی ہے۔

(۴) اور بعض فتنوں کے بارے میں اللہ کے نبی ﷺ نے یہ بتادیا کہ ان سے دور رہو، یا ان کو نہ لو، جیسے فرمایا کہ دریائے فرات سوکھ جائے گا اور اس میں سونے کا خزانہ ظاہر ہوگا، تم اس سے کچھ نہ لینا۔

(بخاری:۶۵۸۶، مسلم:۵۱۵۲)

ظاہر ہے کہ اس فتنے کا سد باب اس طرح تو ہو نہیں سکتا تھا کہ فرات کا پانی نہ سوکھے یا سونے کا خزانہ ظاہر نہ ہو، البتہ یہ امکان واختیار میں تھا کہ اس سونے سے کچھ نہ حاصل کیا جائے۔

(۵) ایک وجہ ان فتنوں سے آگاہ کرنے کی یہ بھی ہے کہ اہل علم واہل صلاح امت میں ان اختیاری فتنوں کے درآنے سے امت کو متنبہ کرتے رہیں اور اصلاح احوال کی کوشش کی جائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ اللہ کے نبی علیہ السلام سے شر وفتنوں کے بارے میں سوالات کیا کرتے تھے، جب کہ دیگر صحابہ آپ علیہ السلام سے خیر کی باتیں پوچھتے تھے تاکہ شر ان کو نہ پہونچے۔

(بخاری:۳۳۳۸، مسلم:۳۴۳۴)

معلوم ہوا کہ فتنوں سے آگہی امت میں فتنوں کے درآنے سے روکنے کا سبب ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے سن کر ہم تک پہونچایا اور ہم ان کو پڑھکر سنکر ان سے بچنے کا سامان پیدا کر سکتے ہیں۔

(٦) اور سب سے بڑی وجہ ان فتنوں کے بیان کرنے کی یہ ہے کہ یہ فتنے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، علامات قیامت میں سے ہیں، ان کے بیان کرنے سے یہ علم ہوگا کہ قیامت قریب سے قریب تر ہوتی جارہی ہے اور جس قدر ان فتنوں کی کثرت ہوگی، اسی قدر قیامت کی قربت کی طرف اشارہ ملتا رہیگا، اس سے آدمی کو قیامت وآخرت کے دن کے لئے تیاری اور ایمان واعمال میں چستی اور قلب میں نیکی واطاعت کیلئے بیداری کا جذبہ پیدا ہوگا، علامہ ابن حجر نے اسی کو لکھا ہے کہ:

الحكمة فی تقدم الاشراط ایقاظ الغافلين وحثهم على التوبة والاستعداد۔ (فتح الباری:۱۱/۳۵۰)

(یعنی علامات قیامت کے مقدم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غفلت زدہ لوگوں کو بیدار کیا جائے اوران کوتوبہ اور آخرت کے لئے تیاری پرابھارا جائے) تو جس طرح خود علامات کا ظاہر ہونا، توبہ وتیاری وبیداری کا سبب ہے، اسی طرح ان علامات کا جاننا بھی اس کے لئے مفید ہوتا ہے۔

ایک عوامی شبہ کا جواب:

غرض یہ کہ مختلف وجوہات سے اللہ کے نبی علیہ السلام نے براہِ شفقت ومہربانی امت کوان فتنوں سے آگاہ فرمایا۔ ہماری اس تقریر سے وہ عوامی شبہ دور ہوگیا، جس کو بعض لوگ پیش کیا کرتے ہیں کہ جب ان فتنوں کا آنا اور ظاہر ہونا حق ہے اور ضرور ہونا ہے، تو ان کو بتانے کا کیا فائدہ؟ اور ہم کیسے بچ سکتے ہیں؟ اس کا جواب اوپر کی تفصیل سے بحمد اللہ اچھی طرح واضح ہو گیا اور اس کی مختلف حکمتیں اور وجوہات سامنے آگئیں۔

احادیثِ فتن پر جاہلانہ تبصرے:

نیز یہاں ان لوگوں کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو ان فتنوں کا ذکر سن کر ان کا مذاق واستہزاء کرتے ہیں۔ بعض لوگ دجال کا ذکر سن کر اس فتنہ کو بعید از عقل کہتے اور اس حقیقت کا مذاق اُڑاتے ہیں، اسی طرح اور امور کے بارے میں بے تکے جملے کہتے اور جاہلانہ تبصرے کرتے ہیں، یہ انتہائی خطرے اور خدشے کی بات ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ فتنے احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوں تو ان کا مذاق اور استہزاء یا انکار دراصل ان احادیث کا استہزاء اور انکار ہوگا جن کی بنیاد پر ان فتن کو تسلیم کیا جاتا ہے

شبیر احمد میرٹھی کا تعاقب:

ابھی قریب میں میرے سامنے ایک کتاب آئی ہے، جس کا نام ہے ''احادیثِ دجال کا تحقیقی مطالعہ''، اس کے مصنف کا نام ہے ''شبیر احمد ازہر میرٹھی'' اور کتاب کی پشت پر مصنف کا تعارف کراتے ہوئے ان کو محدث اور مفسر لکھا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کیا اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے شرفِ تلمذ پایا اور ندوۃ العلماء سمیت مختلف بڑے مدارس میں ایک عرصہ تک بخاری کا درس دیا ہے، مگر ایسا لگتا ہے کہ ان حضرات اکابر اور ان مستند اداروں سے ان صاحب کو صحیح نسبت اور صحیح تلمذ حاصل نہیں۔

ان کی اس پوری کتاب کا مقصد دجال سے متعلق احادیث کا تحقیق کے نام پر انکار و تردید ہے اور اس کے کاتب نے اس کتاب میں صاف لکھا ہے کہ اس سلسلہ کی تمام روایات، کذاب راویوں کی گھڑی ہوئی ہیں (ص:۹)

پھر اس پوری کتاب میں اس سلسلہ میں آئی ہوئی روایات کو بلا کسی دلیل کے، محض اٹکل سے اس طرح رد کیا ہے، جیسے کسی معمولی آدمی کی بات کو جاہل لوگ آپس میں بحث کے دوران رد کرتے ہیں، یہاں مثال کے طور پر ایک دو باتیں نقل کرنا مناسب ہوگا۔

ایک جگہ پر دجال کے بارے میں مسلم کی ایک حدیث جس کو ابو الوداک نے حضرت ابو سعید خدری ﷛ سے روایت کیا ہے، نقل کر کے لکھا کہ یہ گپ شپ ابو الوداک کی ہانکی ہوئی ہے، اس شخص نے ابو سعید خدری ﷛ پھر خود رسول اللہ ﷺ پر افتراء پردازی کر کے کیا فائدہ اُٹھایا۔ (ص:۱۳)

یہ انداز کلام جس قدر اپنے اندر سوقیانہ پن رکھتا ہے، اس کا اندازہ کچھ مشکل نہیں۔ پھر یہ ابو الوداک جن پر اس مصنف نے یہ افتراء پردازی کی ہے کہ ان کو جھوٹا قرار دے دیا، یہ جمہور علماء

کے نزدیک ثقہ اور قابلِ اعتبار محدث ہیں، ان کو صرف امام نسائی نے لیس بالقوی کہا ہے اور کسی نے ان کو کذاب یا وضاع نہیں کہا ہے۔ (دیکھو: تہذیب التہذیب: ٦٠/٢) اب ذرا دیکھئے کیا اسی بڑ اور ہانک کا نام تحقیق ہے؟

ایک اور مثال لیجئے، ان مصنف صاحب نے ایک اور جگہ بخاری مسلم کے حوالہ سے حضرت ابوسعید خدری ﷺ کی ایک حدیث نقل کی اور اس کے بعد کہا کہ یہ ابوسعید، خدری صحابی نہیں، بلکہ مشہور کذاب یحیٰی بن ابی حیہ ابوجناب کوفی ہے۔ پھر اس کے بعد اپنے اس فاسد خیال کی جو دلیل دی ہے، وہ تو اور دلچسپ اور ''مارے گھٹنا، پھوٹے آنکھ'' کا مصداق ہے، وہ یہ کہ ابن ماجہ میں حضرت ابوامامہ باہلی ﷺ سے ایک حدیث دجال کے بارے میں آئی ہے، اس میں ضمناً ایک قول ابوسعید نامی کذاب شخص کا نقل کیا گیا ہے، اس لئے بخاری اور مسلم کی حدیث میں ابوسعید سے جو روایت ہے، اس سے یہی ابوسعید کذاب مراد ہے نہ کہ حضرت ابوسعید خدری صحابیٔ رسول۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اسی کا نام تحقیق ہے اور اسی کو دلیل کہتے ہیں، تو پھر صاف یہی کیوں نہ کہہ دیا کہ چونکہ ابن ماجہ میں ایک جگہ ابوسعید کذاب کا ذکر آیا ہے، اس لئے جہاں بھی ابوسعید کا ذکر آیا ہے، اس سے یہی ابوسعید کذاب مراد ہے، اور ابوسعید خدری صحابی کی کوئی حدیث ہی نہیں ہے؟ فیاللعجب!

ان دو مثالوں سے شبیر احمد ازہر میرٹھی کی حدیث دانی کا اندازہ اچھی طرح ہو جاتا ہے کہ وہ محض اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کا نام علم اور حدیث دانی رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح پوری کتاب میں محض اپنے اوہام وخیالات سے صحیح احادیث کو ٹھکرایا ہے اور بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ

حدیث کے ثقہ اور قابلِ اعتبار راویوں کو کذاب، دجال اور وضاع قرار دیا ہے اور ان جلیل الشان محدثین اور ائمہ کرام کو عقل سے بے بہرہ و جاہل اور اس سے بڑھکر اللہ سے بے خوف اور نڈر کہا ہے، اس طرح دین کے ایک مسلمہ عقیدہ کو غلط اور یہود کا دیا ہوا عقیدہ کہہ کر امت میں فتنہ ڈالنے کی کوشش کی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کا وجود، خود ایک فتنہ ہوتا ہے، اور ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

میرا مقصد اس جگہ اس کے ذکر سے یہ ہے کہ احادیثِ فتن کے سلسلہ میں جو لوگ انکار اور اعراض کی روش پر چل رہے ہیں، یہ دراصل خطرات کے راستہ پر چل رہے ہیں، اس لئے اس قسم کے لوگوں کے بجائے جمہور اہل علم اور سواد اعظم کے پیچھے چلنا چاہئے۔

احادیث فتن سے عبرت:

غرض یہ کہ آج اس کی ضرورت ہے کہ ہم بغور احادیثِ فتن کا مطالعہ کریں اور ان میں سے جو فتنے اختیاری ہیں ان کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور جو غیر اختیاری ہیں، ان کے شر سے خود کو اور دوسروں کو محفوظ رکھنے کی تدبیر کریں اور ہر صورت میں آخرت و قیامت کا استحضار کر کے توبہ وانابت، طاعت وعبادت، زہد وقناعت، تقویٰ وطہارت کی طرف پیش قدمی کریں۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں:

زیرِ نظر کتاب [حدیثِ نبوی اور دورِ حاضر کے قیامت خیز فتنے] بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں احادیثِ فتن کی تحقیق اور تشریح ہے، اور یہ کتاب دراصل شرح ہے ''عصر حاضر حدیث نبوی کے آئینہ میں'' کی، جسکو مشہور ومعروف عالمِ دین، حضرت اقدس مولانا مفتی یوسف صاحب لدھیانوی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا تھا، مولانا موصوف نے اپنی اس کتاب ''عصر

حاضر'' میں (۹۲) احادیث وآثار اوران کا بامحاورہ ترجمہ مع عناوین رقم فرمایا تھا، اوران ساری احادیث کا تعلق موجودہ دور کے فتنوں سے ہے، جسکو پڑھنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کیا ہے؟ ایک ''ٹیلی ویژن ہے، جس میں موجودہ دور کی منظر کشی اس طرح کی گئی ہے کہ سرِ موکوئی انحراف نہیں ہے اور محض خیالی نہیں بلکہ واقعی وحقیقی منظر کشی ہے۔ میرے عزیز گرامی قدر مولانا شکیل احمد صاحب رشادی قاسمی مدرس مدرسہ کاشف الہدٰی مدراسی نے دوسال قبل جب یہ کتاب ''عصر حاضر'' بطور ہدیہ مجھے دی، جس کو خود انہوں نے ہی چھپایا بھی تھا، تو میں نے بالاستیعاب اس کا اسی وقت مطالعہ کیا اور اسی دوران میرے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس کی شرح لکھی جائے۔

شرح کی ضرورت:

کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ بعض مقامات پر احادیث میں اشارات وکنایات کی زبان استعمال فرمائی گئی ہے، جس سے قاری مقصدِ کلام کو پوری طرح سمجھ نہیں پاتا اور محسوس کرتا ہے کہ اس کی توضیح کی ضرورت ہے، بعض جگہ بلکہ اکثر مقامات پر احادیث میں اجمال واختصار سے کام لیا گیا ہے، جن کی تفصیل وتشریح کے بغیر عام لوگ کما حقہ ان کے مطالب تک رسائی نہیں پاسکتے۔ نیز بعض جگہ جس فتنہ کا ذکر ہے، اس کے مالہ وماعلیہ کے بارے میں عام لوگ واقف نہیں ہوتے، اس لئے ایسی جگہوں پر اس فتنہ کے مالہ وماعلیہ کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوا، تاکہ علیٰ وجہ البصیرت استفادہ کیا جاسکے، بعض جگہ بعض احادیث پر تعارض کا یا اور کسی طرح کا اشکال واعتراض بھی پیدا ہوتا تھا، جس کے جواب کی ضرورت تھی، نیز مصنف علام نے اکثر جگہ احادیث کی تخریج اصل مآخذ کے بجائے کتب تفاسیر یا ثانوی درجہ کے مآخذ سے کی ہے اور اس میں بھی (غالبا اختصار

کے پیشِ نظر) مکمل حوالجات کا اہتمام نہیں کیا ہے اور نہ حدیث کا درجہ بتایا ہے۔ان وجوہات اور ان کے مثل دیگر وجوہات کی بنا پر داعیہ پیدا ہوا کہ اس کتاب کی مبسوط شرح لکھوں۔

شرح میں میرا طریقۂ کار :

چنانچہ اس کام کا آغاز کیا گیا اور اس میں درجِ ذیل امور کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

(۱) احادیث کی مکمل تخریج کی گئی ہے۔اور اس کے لئے میرے پاس موجود اُمہاتِ کتب حدیث اور کتبِ تخریج حدیث کے علاوہ احادیث پر آئی ہوئی، سی۔ڈی (C-D) سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے، جیسے المكتبة الالفية للسنة النبوية ، الكتب التسعة ، المكتبة الفقهية اور مكتبة التفسير و علوم القرآن ۔ البتہ اصل بنیاد کتابوں پر رکھی گئی ہے اور احادیث کی تلاش و جستجو میں سہولت کی خاطر اور اپنی تحقیق کی تائید و تقویت کے لئے سی۔ڈی، سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

(۲) احادیث کی صحت و ضعف پر بھی کلام کیا گیا ہے، تاکہ حدیث کا درجہ بھی معلوم ہو، اس کے لئے اکثر جگہ علماء محدثین نے جو لکھا ہے، تلاش و جستجو کر کے اس کو نقل کیا گیا ہے، بعض جگہ کسی کا کلام نہ مل سکا تو فن اسماء الرجال و اصول حدیث کے مطابق اس پر میں نے خود روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

(۳) حدیث کا ترجمہ وہی برقرار رکھا گیا ہے، جو حضرت مصنف علام نے کیا تھا، ہم نے اس میں کوئی ردو بدل نہیں کیا ہے، البتہ ایک دو جگہ مصنف کے ترجمہ پر اشکال ہوا تو شرح میں اس پر کلام کیا ہے۔

(۴) ہر حدیث کے تحت حدیث میں آئے ہوئے ایک یا ایک سے زائد مضمون کو الگ

الگ عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے، ہمارے حضرت مصنفؒ نے ایک حدیث سے ایک ہی عنوان اخذ کیا تھا جبکہ بہت سی احادیث میں متعدد مضامین بھی بیان کئے گئے ہیں، اس لئے ہم نے حدیث نمبر دیکر اس کے تحت آئے ہوئے مضامین کو الگ الگ عنوانات کے تحت لکھ دیا ہے۔

(۵) حدیث کی شرح مکمل طور پر کی گئی ہے، مگر لفظی ونحوی تحقیقات کے بجائے نفس مفہوم کی توضیح وتشریح کا راستہ اختیار کیا گیا ہے اور مذکورہ فتنوں کی نشاندہی وان کے انطباق کا اہتمام کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ عبرت ونصیحت حاصل کرنے پر ابھارا گیا ہے اور شرح حدیث میں قرآن وحدیث کے ذریعہ شرح کو مقدم رکھا گیا ہے اور اس کے لئے متعلقہ احادیث کی تحقیق کا بھی خاصا اہتمام کیا گیا ہے اور اس کے بعد صحابہ وائمہ حدیث کی تشریح کو اختیار کیا گیا ہے اور اس کے لئے شروحات حدیث سے مراجعت کا ہر جگہ لحاظ کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں جن شروحات سے زیادہ استفادہ کیا گیا، ان میں علامہ ابن حجرؒ کی فتح الباری، علامہ نوویؒ کی شرح مسلم، علامہ ابن عبدالبر کی تمہید، علامہ عبدالرؤف المناویؒ کی فیض القدیر شرح جامع الصغیر، ملا علی قاریؒ کی مرقات المفاتیح، علامہ ابن رجبؒ کی جامع العلوم والحکم، علامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ کی بذل المجہود، علامہ زرقانیؒ کی شرح موطا، علامہ عظیم آبادیؒ کی عون المعبود، علامہ مبارکپوریؒ کی تحفۃ الاحوذی، وغیرہ کتب ہیں، جن کا حوالہ اپنی جگہ دے دیا گیا ہے۔ اور جہاں کسی سے بھی کوئی بات نہ مل سکی تو اپنی فہم ناقص سے جو سمجھ سکا، اس کو پیش کیا ہے، ان کان صوابا فمن الله وان کان خطأ فمنی ومن الشیطان اگر کسی کو ایسی جگہ میری غلطی ملے تو براہِ کرم مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

امتنان و تشکرو دعاء:

آخر میں بطورِ امتنان وتشکر یہ عرض کرنا بھی مناسب ہے کہ اس شرح کی تیاری میں متعدد حضرات نے میرے ساتھ پورا پورا تعاون فرمایا، اولاً: مولانا مفتی ابرار الحق صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ (مدرس جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم۔ بنگلور) کا مجھے بڑا تعاون ملا، کیونکہ بندہ کو چند سالوں سے گردن اور ہاتھ کے درد کی شکایت ہے، جس کی وجہ سے مسلسل لکھنا اور ہاتھ سنبھال کر لکھنا، انتہائی مشکل ہے، جب اس کتاب کے لکھنے کا خیال وداعیہ ہوا، تو بار بار درد کا مسئلہ ہمت توڑ رہا تھا، آخر یہ سمجھ میں آیا کہ ہاتھ پر زیادہ زور ڈالے بغیر سرسری انداز پر کچی تحریر کردیا کروں اور مولانا ابرار الحق صاحب اس کو دوسری کاپیوں میں صاف کردیا کریں، اللہ جزائے خیر دے مولانا کو کہ انہوں نے میرے ساتھ مسلسل محنت کی اور میری کچی تحریر کو کاپیوں میں صاف کیا، اس طرح ایک اہم اور بہت بڑا مسئلہ حل ہوا۔ میں دل کی گہرائیوں سے مولانا کا مشکور ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کا ان کو بھرپور صلہ عطا فرمائے۔ ثانیاً: مولوی محمد ایوب کشمیری قاسمی سلمہ (سابق مدرس جامعہ مسیح العلوم) نے نظرِ ثانی کرتے ہوئے میری کچی تحریر اور مولانا ابرار الحق صاحب کی پکی تحریر کا مکمل موازنہ ومقابلہ کیا، نیز ضرورت پر حوالجات کی مراجعت وتصحیح کا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا، اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزائے خیر سے نوازے۔ ثالثاً: عزیزان گرامی قدر مولوی محمد زبیر احمد سلمہ ومولوی محمد رفیع اللہ سلمہ (معلمان جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم) نے کمپوز شدہ مواد کا اصل کاپیوں سے مقابلہ وتصحیح کرکے اس کتاب کو اس لائق بنایا کہ وہ طباعت کے لئے حوالہ کی جا سکے۔ طالبِ علمانہ زندگی کی مصروفیات کے ساتھ مستقل طور پر اس کام کے لئے وقت نکالنا اور خوش اسلوبی وخوش دلی کے ساتھ اس کو انجام دینا، قابلِ تعریف جدوجہد ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ

اللہ تعالیٰ میرے ان عزیزوں کے علم وعمل میں برکت واضافہ عطا فرمائے اور مزید علمی ودینی خدمات کی توفیق سے نوازے۔

اس کتاب کا اصل مسودہ آج سے دس ماہ قبل ۳؍شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ کو ختم ہوا تھا اور آج ۶؍جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ مطابق ۵؍اگست ۲۰۰۳ء کو اس کا مقدمہ لکھا جارہا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے، کہ اس نے مجھ حقیر کو اس اہم علمی خدمت کے لئے توفیق بخشی، جبکہ میں قطعاً اس لائق نہ تھا، دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس شرح کے ذریعہ امت کو بھرپور نفع پہنچائے جس طرح اصل کتاب سے اس نے نفع پہنچایا ہے، اور اپنے نزدیک درجۂ قبولیت سے نوازے۔ (آمین ثم آمین)

فقط:

۶؍جمادی الاخری؍۱۴۲۴ ہجری — محمد شعیب اللہ خان

۵؍اگست؍۲۰۰۳ عیسوی — (مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرہ حضرت مولانا یوسف لدھانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

(نوٹ: یہاں "عصرِ حاضر: حدیث نبوی کے آئینہ میں" کے مصنف حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ کے مختصر حالات درج کیے جا رہے ہیں)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھانویؒ ۱۹۳۲ء میں مشرقی پنجاب کے مشہور شہر لدھیانہ کے ضلع میں واقع "عیسی پور" نامی بستی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد الحاج چودھری اللہ بخش تھے، جو زمیندار بھی تھے اور دیندار بھی، اور اپنی دینداری کی وجہ سے ملاّ کے نام سے مشہور تھے، آپ کی والدہ محترمہ آپ کی شیر خوارگی کے زمانہ ہی میں انتقال کر گئیں، آپ نے قرآن پاک کی تعلیم قاری ولی محمد صاحب سے حاصل کی اور ۱۳ برس کی عمر میں لدھانہ میں "مدرسہ محمودیہ اللہ والا" میں داخلہ لیا، پھر "جامعہ انوریہ" میں تعلیم حاصل کی، پھر ملتان میں "جامعہ رحمانیہ" اور بھاول نگر میں "جامعہ قاسم العلوم" میں بھی زیرِ تعلیم رہے اور علوم اسلامیہ کی تکمیل "جامعہ خیر لمدارس، ملتان" سے کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، علامہ محمد شریف کاشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ملتانویؒ، جیسی باکمال شخصیات ہیں۔

آپ نے فراغت کے بعد مختلف مدارس میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ ظاہرِ علوم کی تکمیل کے ساتھ آپ نے باطنی علوم کی تحصیل کی غرض سے اولا حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ خلیفہ حضرت مولانا تھانویؒ سے وابستہ ہو گئے اور آپ کی وفات کے بعد شیخ العرب والعجم حضرت

مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور آپ طرف سے خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے پھر حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی علیہ الرحمۃ سے بھی آپ کو خلافت حاصل ہوئی۔

آپ نے بہت سی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں جن میں سے بعض مرکۃ الآراء ہیں (۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل (نو جلدیں) (۲) اختلاف امت اور صراطِ مستقیم (تین جلدیں) (۳) دنیا کی حقیقت (۴) آنحضرت ﷺ کے فرمودات (شرح ترمذی، ۳ جلدیں) (۵) تحفۂ قادیانیت، ۳ جلدیں (۶) مسائل یوسفی، وغیرہ، مایۂ ناز کتابیں ہیں۔

آپ کو قدرت نے درس وتدریس، وعظ وخطابت، تصنیف وتالیف، وغیرہ شعبہ جات میں پوری قدرت عطاء فرمائی تھی اور آپ شروع ہی سے ان تمام ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے دعوت وتبلیغ، احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ مختلف باطل فرقوں کے خلاف آپ کی زبان اور قلم تلوار بن کر نبرد آزمائی کرتے رہے، بالخصوص قادیانیت کے خلاف آپ کے قلم سے اللہ تعالیٰ نے وہ خدمت لی جو ایک پوری جماعت اور اکیڈمی کی خدمت کے برابر ہے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خصوصیات کے ساتھ جو سب سے بڑی خصوصیات سے نوازا تھا وہ آپ کا دین پر مر مٹنے کا جذبہ ہے۔ آپ کی وفات چند نا معلوم دشمنوں کے حملہ سے ہوئی اور آپ کے دیرینہ جذبہ کے مطابق اللہ نے آپ کو شہادت کی موت سے سرفراز فرمایا۔ فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث ﴿۱﴾

﴿عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا :قَالَتْ :قِيْلَ(وَفِيْ رِوَايَةٍ قُلْتُ) اَنَهْلِكُ وَ فِيْنَاالصَّالِحُوْنَ ؟قَالَ: نَعَمْ اِذَا كَثُرَالْخَبَثُ ﴾

ترجمہ : ام المومنین حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا، یارسول اللہ ! کیا ہم ایسی حالت میں بھی ہلاک ہو سکتے ہیں جب کہ ہمارے درمیان نیک لوگ موجود ہوں گے؟ فرمایا ہاں ! جب (گناہوں کی) گندگی زیادہ ہو جائیگی۔

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث :

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں برقم : (۳۰۹۷)، مسلم نے برقم : (۵۱۲۸)، ترمذی نے سنن میں برقم: (۲۱۱۳)، ابن ماجہ نے سنن میں برقم: (۳۹۴۳)، احمد نے اپنے مسند میں برقم: (۲۶۱۴۵)، ابن حبان نے اپنی صحیح میں (۳۴/۲)، اور بیہقی نے شعب الایمان (۹۸/٦)، میں روایت کیا ہے، اور حدیث صحیح ہے جیسا کہ امام بخاری وامام مسلم کی تخریج سے ظاہر ہے۔ یہاں ہمارے مصنفؒ نے جو حدیث نقل کی ہے وہ دراصل ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے، جو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، پوری حدیث یہ ہے کہ حضرت

زینب ﷞ فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ میرے پاس گھبرائے ہوئے تشریف لائے فرمارہے تھے کہ ﴿لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ﴾ (سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں) خرابی ہے عرب کیلئے اس شر کی وجہ سے جو قریب ہو چکا ہے، آج یاجوج وماجوج کی دیوار میں سے اتنا کھل چکا ہے، یہ کہکر آپ ﷺ نے (سوراخ کی مقدار بتانے کیلئے) اپنی دو انگلیوں سے یعنی انگوٹھے اور اس سے ملی ہوئی انگلی سے حلقہ بنایا (اور دکھایا)۔ اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کیا ہم ہلاک کردیئے جاسکتے ہیں، جبکہ ہم میں صالحین اور نیک لوگ موجود ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! جب خبائث زیادہ ہو جائیں (تو ایسا ہو سکتا ہے) کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ساروں کو ہلاک کردے۔

حدیث میں متعدد قابل غور باتیں:

(۱) ایک بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ خوف زدہ اور گھبرائے ہوئے حضرت زینب ﷞ کے ہاں تشریف لائے۔ یہ خوف اس شر اور فتنے کے ملاحظہ سے پیدا ہوا جو آپ ﷺ کو دکھایا یا بتایا گیا تھا۔

(۲) دوسرے یہ کہا گیا کہ آپ [لااله الا الله] فرمارہے تھے، یہ تعجب وحیرت کے اظہار کیلئے تھا۔

(۳) [وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ] یعنی عرب کیلئے ویل وخرابی ہے، اس شر سے جو قریب ہو چکا۔ یہ آپ ﷺ نے لوگوں کو اس شر سے آگاہ کرنے اور ان کو متوجہ کرنے

کیلئے فرمایا تھا کہ وہ اس شر سے بے خبر و بے پرواہ نہ ہوں اور ہلاک نہ ہو جائیں اور عرب کی تخصیص اس لئے کی کہ اس وقت اسلام عربوں ہی میں زیادہ تر رائج اور پھیلا ہوا تھا، ورنہ اصل تو تمام اہلِ اسلام کو متوجہ کرنا مقصود ہے۔

یا جوج وماجوج کا فتنہ:

(۴) ''فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ مِثْلَ هٰذِهٖ الخ ''

(آج یاجوج وماجوج کی دیوار کا اتنا حصہ کھل گیا) یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے انگوٹھے اور اس سے ملی ہوئی شہادت کی انگلی سے حلقہ بنا کر دکھایا کہ اتنا کھل گیا ہے۔ یاجوج و ماجوج کے بارے میں کافی اختلاف ہے کہ یہ کون اور کیسے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یاجوج وماجوج انسانوں ہی میں سے ایک کافر قوم ہے اور بہت سے علماء نے ان کو ترکوں میں شمار کیا ہے، حضرت ذوالقرنین علیہ الرّحمہ نے ان کو ایک جگہ دو پہاڑوں کے درمیان لوہے اور سیسہ کی دیوار بنا کر بند کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ: ﴿فَمَا اسْطَاعُوْا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا﴾ (سورۂ کہف: ۹۷-۹۸)

(ترجمہ: یہ (یاجوج وماجوج) اس کی طاقت نہیں رکھتے کہ اس پر چڑھ جائیں اور نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں کہ اب میں سراخ کر دیں، یہ میرے رب کی رحمت سے (میں نے ایسی دیوار بنادی) ہے، جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اس کو پارہ پارہ کر دے گا)

یہ قوم یاجوج وماجوج انتہائی شریر اور فسادی مزاج رکھتی ہے اور احادیث میں ہے کہ یہ

جب آئے گی تو ساری دنیا میں پھیل جائے گی اور شر و فساد پھیلائے گی، اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے وقت ہوگا، اور یہ قوم ایک سمندر پر سے گذرے گی اور اس کا سارا پانی پی جائے گی (مسلم:)

زیر بحث حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شر سے آگاہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ ان کی اس دیوار میں ایک سوراخ ہو گیا ہے، جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سوراخ کو مزید کشادہ و وسیع کر کے اس سے نکل آئیں گے اور ان کا نکلنا قریب ہو چکا ہے۔

❁ہلاکت کا خطرہ کب ؟:

قَالَتْ زَيْنَبُ الخ، اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے (جو نبی کریم ﷺ کی وہ زوجہ ہیں جن کا نکاح حضور ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر کیا) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم اس وقت بھی ہلاک کر دیئے جا سکتے ہیں جبکہ ہم میں صالح اور نیک لوگ ہوں؟

یہ سوال حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس لئے کیا کہ جب حضور ﷺ نے یاجوج وماجوج کے فتنہ اور ان کی طرف سے پیش آنے والے شر و فساد کا ذکر کیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے خیال فرمایا کہ ابھی تو اتنے صحابہ ہیں اور بہت سے نیک صالح و متقی و مقرب لوگ زندہ ہیں اور خود اللہ کے نبی ﷺ زندہ ہیں، تو اس فتنہ سے ڈر و خوف کی کیا وجہ؟ کیا ان نیک لوگوں کے ہوتے ہوئے ہم ہلاک ہو جائیں گے؟ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہاں! ایسا ہو سکتا ہے جبکہ خبث زیادہ ہو جائے۔ ''خَبَث'' خاء اور باء کے فتحہ کے ساتھ ہے، اس کے معنی ہیں فسق وفجور اور برائی یعنی کفر و شرک اور معصیت زیادہ ہو جائے۔

اور بعض نے " خُبْث " خاء پر پیش اور باء پر جزم کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی ہیں بے حیائی، دونوں کا مآل ومقصود ایک ہے (مرقات: ۱۰/۷۸)

غرض یہ کہ نیک لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی برائی اور فسق وفجور زیادہ ہوجائے تو ایسا ہوسکتا ہے کہ بُروں کے ساتھ ان صالحین ومتقین کو بھی ہلاک کردیا جائے. چنانچہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں :

{مقصود یہ ہے کہ جب (مثلاً) آگ کسی جگہ پڑتی ہے اور بھڑک اٹھتی ہے تو وہ خشک وتر دونوں کو کھا جاتی ہے اور ناپاک وپاک سب پر حاوی ہوجاتی ہے اور مومن ومنافق اور مخالف وموافق میں کوئی فرق نہیں کرتی}۔

(مرقات: ۱۰/۷۸)

ہاں جب قیامت میں اٹھایا جائے گا تو اچھوں کو ان کے اچھے اعمال کے موافق اور بُروں کو ان کے بُرے اعمال کے موافق جزاء وسزاء ہوگی۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک جماعت کعبہ کو ڈھانے کیلئے نکلے گی جب وہ ایک میدان میں ہونگے تو وہاں کے سب لوگوں کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سب کو کس طرح دھنسا دیا جائے گا، جب کہ ان میں بُرے بھی ہونگے اور وہ بھی جو ان میں سے نہیں ہیں؟ (یعنی اچھے لوگ بھی ہوں گے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب کو دھنسا دیا جائے گا پھر ان کی نیتوں کے مطابق ان کو اٹھایا جائیگا۔

(بخاری: ۱۹۷۵ واللفظ لہ، ومسلم: ۵۱۳۱)

عبرت ونصیحت:

معلوم ہوا کہ دنیا میں اچھے لوگ اگر برائی کو دور نہ کریں گے اور بروں اور برائیوں کی کثرت ہو جائے گی تو عذاب میں سب گرفتار ہوں گے۔ یہ بڑا فتنہ اور مصیبت ہے، اس مضمون پر قرآن کی ایک آیت بھی شہادت دیتی ہے:

﴿ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ (سورۂ انفال: ۲۵)

(ترجمہ: اور بچتے رہو اس فساد سے جو تم میں سے خاص ظالموں ہی پر نہیں آئے گا اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے)

ایک آیت کی تفسیر:

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

[اور جس طرح تم پر اپنی اصلاح کے متعلق طاعت واجب ہے اسی طرح یہ بھی طاعتِ واجبہ میں داخل ہے کہ بقدرِ وسعت دوسروں کی اصلاح میں بطریقِ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بالید یا باللسان ترکِ اختلاط یا نفرت بالقلب جو کہ آخری درجہ ہے، کوشش کرو ورنہ در صورتِ مداہنت ان منکرات کا وبال جیسا مرتکبین منکرات پر واقع ہوگا، ایسا ہی کسی درجہ میں ان مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا، جب یہ بات ہے تو تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں (بلکہ ان لوگوں کو دیکھ کر جنہوں نے مداہنت کی ہے وہ بھی اس میں شریک ہوں گے اور اس سے بچنا یہی ہے کہ مداہنت

مت کرو) اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں (ان کی سزاء سے خوف کر کے مداہنت سے بچو)۔ (بیان القرآن)

غرض یہ کہ اہلِ دین و اہلِ صلاح کی ذمہ داری ہے کہ دین وصلاح کو غالب رکھیں اور بے دینی اور فساد کو مغلوب کرنے کیلئے جد و جہد کرتے رہیں۔ اگر ان لوگوں نے یہ کام چھوڑ دیا اور فساد اور بے دینی کو غلبہ ہو گیا تو اس کی وجہ سے سب کو عذاب میں گرفتار کر لیا جائے گا۔

حدیث ﴿۲﴾

﴿سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْاَمِيْنُ وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبَضَةُ، قِيلَ وَمَا الرُّوَيْبَضَةُ؟ قَالَ: اَلرَّجُلُ التَّافِهُ يَتَكَلَّمُ فِيْ اَمْرِ الْعَامَّةِ﴾

(ترجمہ: لوگوں پر بہت سال ایسے آئیں گے جن میں دھوکا ہی دھوکا ہوگا، اس وقت جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا، بددیانت کو امانت دار تصور کیا جائے گا اور امانت دار کو بددیانت اور رویبضہ (گرے پڑے نااہل لوگ) قوم کی طرف سے نمائندگی کریں گے۔ عرض کیا گیا ''رُوَيْبَضَة'' سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ نااہل اور بے قیمت آدمی جو عام لوگوں کے اہم معاملات میں رائے زنی کرے۔

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس حدیث کو امام احمد نے حضرت ابوہریرہ ﷺ سے برقم: (۷۵۷۱) و (۸۱۰۵) اور حضرت انس سے ﷺ برقم: (۱۲۸۲۰) اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ ﷺ سے برقم: (۴۰۲۶) روایت کیا ہے اور ان کے لفظوں میں معمولی سا اختلاف ہے، اوپر ابن ماجہ کے الفاظ ہیں اور امام احمدؒ کی روایت میں ''سنون خداعة'' کے لفظ آئے ہیں اور انس بن مالک ﷺ سے امام احمد کی روایت میں'' ان امام الدّجال سنين خداعة ''(دجال سے پہلے خداع سال آئیں گے) کے لفظ ہیں اور ایک روایت میں ''قبل الساعة سنون خداعة'' کے الفاظ آئے ہیں، اسی طرح ''رُوَيْبَضَة '' کی تفسیر میں امام احمد کی روایت میں'' السفيه يتكلم فی امر العامة'' اور ایک روایت میں'' الفويسق ''فرمایا گیا ہے، یعنی رویبضہ وہ بے وقوف یا فاسق آدمی ہے جو عام لوگوں کے معاملات میں گفتگو کرتا ہے۔ ابن حجرؒ نے حضرت انس ﷺ کی حدیث کو بحوالہ احمد و بزار و ابو یعلی درج کر کے اس کی سند کو جید کہا ہے۔

(فتح الباری: ۱۳/۸۴)

مکر وفریب کا دور دورہ:

اس حدیث میں چند امور بیان کیے گئے ہیں:

(۱) سَيَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ ، (یعنی لوگوں پر چند سال ایسے

آئیں گے جو خداعات ہیں) خداعات لفظ خداع سے مبالغہ کا صیغہ ہے اور خداع کے معنی دھوکہ دینے کے ہیں اور سنوات خداعات کے معنی ہوئے بہت دھوکہ دینے والے سال۔ اس کی شرح میں بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بارش تو خوب ہوگی جس سے پیداوار میں کثرت کی امید بندھے گی مگر جب وقت آئے گا تو کچھ بھی پیداوار نہ ہوگی اور قحط پڑ جائے گا۔ یہی ان سالوں کا دھوکہ ہوگا۔ (انجاح الحاجۃ: ۲۹۲ ولسان العرب: ۶۶/۸)

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ خداعات کا لفظ خدع الریق سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت بولتے ہیں جب منہ کا تھوک خشک ہو کر بدبو ہونے لگے اور سنوات خداعات کا مطلب یہ ہے کہ بارش کی کمی کی وجہ سے کھیتیاں اور باغات اور ندی نالے سب خشک ہو جائیں گے۔

احقر کہتا ہے کہ ”سنوات خداعات“ کو لغوی معنی پر محمول کرتے ہوئے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایسے سال آئیں گے جن میں دھوکہ اور فریب زیادہ ہو جائے گا مکر و دجل کی گرم بازاری ہوگی اور سچ و جھوٹ، کفر و ایمان اور حق و باطل میں امتیاز دشوار ہو جائیگا اور یہ تشریح حدیث میں آئے ہوئے اور جملوں سے مطابق و موافق بھی ہو جائیگی، جیسا کہ آگے آرہا ہے، اور سال کو خداع و دھوکہ باز کہنا مجازاً ہے، مراد اہل زمانہ ہیں کہ اس زمانہ کے لوگ دھوکہ اور فریب کے عادی بلکہ ماہر ہو جائیں گے، جیسا کہ آج بھی یہ کیفیت مشاہد و محسوس ہو رہی ہے پہلے دھوکہ بازی کو دھوکہ بازوں اور مکاروں کی جماعت میں دیکھا جاتا تھا۔ اور اب ان میں بھی دیکھا جارہا ہے جو اہلِ دین و اہلِ دیانت کہلاتے ہیں حتی کہ اہلِ علم میں علماء سوء کا گروہ دین میں غیر دین اور سنت میں بدعت کی ملاوٹ کر رہا ہے جس سے ایک خالی الذہن متلاشئ حق کو تلاشِ حق کی راہ میں

رکاوٹ پیش آتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کیلئے ہمیشہ علماء حق کے ایک گروہ کو علماء سوء کی جاری کردہ و پیدا کردہ بدعات وخرافات اور تحریفات وتاویلات کی نقاب کشائی اور ان کی اصلیت وحقیقت کو ظاہر کرنے کیلئے تیار رکھتے ہیں اور وہ دلائل و براہین کی روشنی میں ان کا قلع قمع کرتے رہتے ہیں، تاہم انجانے لوگوں کیلئے علماء سوء کی تحریفات وتاویلات اور دین میں ایجادات واحداثات حیراں وسرگرداں کردیتے ہیں۔

سچ اور جھوٹ میں امتیاز مشکل ہو جائے گا:

(۲) ''يُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ وَيُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ''

(یعنی اس زمانہ میں سچے آدمی کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا)۔

مطلب یہ ہے کہ سچ وجھوٹ میں اور سچے اور جھوٹے میں امتیاز مشکل ہوجائے گا جس کی وجہ سے لوگ سچے کے بارے میں شک کرنے لگیں گے اور اس کو بھی جھوٹا سمجھ لیں گے اور اس کا اعتبار نہ کریں گے اور جھوٹے لوگوں کا امتیاز نہ ہوسکنے کی وجہ سے ان پر اعتماد کرلیں گے اور ان کو دھوکہ سے سچا خیال کر بیٹھیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جھوٹے لوگ ایسی چکنی چپڑی باتیں اور فریب اور دھوکہ بازی سے کام لیں گے کہ لوگ ان کو سچا سمجھیں گے اور ان پر اعتماد کرلیں گے اور جب ان پر اعتماد کرلیں گے تو نتیجۃً سچوں کو جھوٹا اور ناقابل اعتبار سمجھیں گے۔

اس حالت کا بہت کچھ اندازہ ہمارے زمانہ میں بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ آج بھی سچ اور جھوٹ میں امتیاز مشکل ہوگیا ہے اور جھوٹے اور مکار لوگ مختلف ذرائع اور تدابیر سے اپنے جھوٹ کی نشرواشاعت اور اسکو ماننے کی ترغیب ودعوت دے رہے ہیں اور سچے لوگ، لوگوں کی نظر میں

ناقابلِ اعتماد اور مشکوک بنے ہوئے ہیں، اس کی زندہ اور تازہ مثال امریکہ اور افغانستان کی حکمران جماعت طالبان ہے، اسی طرح ہندوستان میں بی جے پی، وشواہندو پریشد وغیرہ اور مسلمان واہلِ مدارس بھی اس کی واضح مثال ہیں، امریکہ نے تمام ذرائعِ ابلاغ کو کام میں لاکر ایک صالح حکومت کو دہشت گرد قرار دیا اور دنیا والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر، اس جھوٹ کو باور کراتا رہا اور خود ہزاروں ہزار بے خطا اور معصوم انسانوں پر ظلم ڈھا کر دہشت گردی کا کھیل کھیلتا رہا مگر اپنی اصلی دہشت گردی کو اس نے امن وشانتی اور انسانیت نواز کارنامہ قرار دیا اور اس کا یہ جھوٹ سب نے مان لیا اور یصدق فیہا الکاذب اور یکذب فیہا الصادق کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوگیا۔ اسی طرح بی جے پی اور وشواہندو پریشد وغیرہ، آئے دن مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں اور اس سے قبل بابری مسجد کو شہید کر کے اپنی دہشت گردی کا کھلا اور ننگا ناچ دکھا چکے ہیں مگر ان کو دہشت گرد کہنے کے بجائے اسلامی مدارس کو دہشت گردی کے اڈّے اور اہل مدارس کو دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے فیا للعجب!

امین کو خائن اور خائن کو امین سمجھا جائے گا:

(۳) ”ویخون فیہا الامین ویؤتمن فیہا الخائن“

(اس زمانہ میں امانت دار کو خائن اور خائن کو امانت دار سمجھ لیا جائے گا) اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ جھوٹ اور مکر وفریب اس قدر بڑھ جائے گا کہ امانت دار کون ہے اور خائن کون ہے؟ اس میں امتیاز مشکل ہو جائے گا اور لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جائیں گے اور امانت دار کو بھی شک کی وجہ سے خائن سمجھ لیں گے اور خائن کو اس کی دھوکہ کی باتوں سے متاثر ہو کر امین سمجھ لیں گے۔ یہ

صورت حال بھی آج معاشرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے دو باتیں بیان فرمائی: ایک تو میں نے دیکھ لی، دوسری کا انتظار ہے، آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں میں رکھ دی گئی ہے، پھر انہوں نے قرآن وسنت کو سیکھا۔ پھر حضور ﷺ نے امانت کے اٹھ جانے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ آدمی سوئے گا اور امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی تو اس کا اثر صرف ایک دھبّہ کی طرح رہ جائے گا، پھر آدمی سوئے گا اور باقی حصہ بھی اٹھالیا جائے گا اور اس کا اثر صرف ایسا رہ جائے گا جیسے تو اپنے پاؤں پر چنگاری گرا بیٹھے اور دیکھنے پر آبلہ نظر آئے، لیکن اس کے اندر کوئی چیز نہ ہو، صبح ہونے پر لوگ خرید وفروخت کریں گے تو انہیں ایک بھی امانت دار نہیں ملے گا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ فلاں قبیلے میں فلاں شخص امانت دار ہے۔

(بخاری: ٦٥٥٩، ترمذی: ۲۱۰۵، ابن ماجہ: ۴۰۴۳، احمد: ۲۲۱۷۱)

نااہلوں کا تسلط:

(۳) "رویبضة" ربض سے ہے اور رابضہ کی تصغیر ہے اور ربض کے معنی عاجز ہونے کے ہیں اور رویبضة کے معنی ہیں عالی امور کے حاصل کرنے سے عاجز، یعنی نکما اور ناقابل انسان، اور ایک روایت میں حضور ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ "الرجل التافه" یعنی کم عقل آدمی جو عام لوگوں کے معاملات میں رائے زنی کرتا ہو اور ایک حدیث میں "الفویسق" سے اسکی تفسیر آئی ہے یعنی فاسق وگنہگار جو معاملات ملّیہ میں رائے زنی کرے۔ اس میں اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں قیامت کے قریب مسلمانوں کے ملی امور، جاہل و فاسق

لوگوں کے ہاتھ میں چلے جائیں گے اور وہ اپنی جہالت وفسق وفجور کی وجہ سے غلط اور غیر دانشمند انہ فیصلے کریں گے اور ملت کو تباہ و برباد کریں گے اور آج یہ بات بھی کھلی آنکھوں دیکھی جارہی ہے کہ ہر بڑے چھوٹے ملی و دینی ادارے پر فساق وفجار اور جاہلوں کا قبضہ ہے اور علماء وصلحاء ان کے تابع ومحکوم ہیں اور اس کی وجہ سے ملت تباہی کی طرف بڑھتی جارہی ہے۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔

حدیث ﴿۳﴾

﴿سَیَاْتِیْ عَلٰی اُمَّتِیْ زَمَانٌ یَکْثُرُ فِیْهِ الْقُرَّاءُ وَیَقِلُّ فِیْهِ الْفُقَهَاءُ وَیُقْبَضُ الْعِلْمُ وَیَکْثُرُ الْهَرْجُ، ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ زَمَانٌ یَقْرَءُ الْقُرْآنَ رِجَالٌ مِّنْ اُمَّتِیْ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیَهُمْ، ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ زَمَانٌ یُجَادِلُ الْمُشْرِكُ بِاللّٰهِ الْمُؤْمِنَ فِیْ مِثْلِ مَایَقُوْلُ﴾

(ترجمہ: میری امت پر ایک زمانہ آئے گا جس میں ''قاری'' بہت ہوں گے مگر ''فقیہ'' کم، علم کا قحط ہو جائے گا اور فتنہ وفساد کی کثرت۔ پھر اس کے بعد ایک اور زمانہ آئے گا جس میں میری امت کے ایسے لوگ بھی قرآن پڑھیں گے جن کے حلق سے نیچے قرآن نہیں اترے گا (دل قرآن کے فہم اور عقیدت واحترام سے کورے ہوں گے) پھر اس کے بعد ایک اور زمانہ آئے گا جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والا، مومن سے دعویٰ توحید میں حجت بازی کرے گا۔)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط: (۳۴۹/۳) اور دیلمی نے مسند الفردوس: (۴۴۸/۵) میں روایت کیا ہے اور صاحبِ کنز العمال نے برقم: (۳۸۴۵۵) اس کو درج کیا ہے اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد: (۱۸۷/۱) میں فرمایا کہ اس کی سند میں ابن لھیعۃ ایک راوی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن لہیعہ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، بعض نے ان کی توثیق کی ہے اور بعض نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، امام احمد نے فرمایا ہے کہ مصر میں کثرتِ حدیث، ضبطِ حدیث اور اتقانِ حدیث میں ابن لہیعہ کے جیسا کون ہے؟ اسی طرح احمد بن صالح اور ابن وھب وغیرہ نے ان کی تعریف کی ہے۔ (تہذیب التھذیب: ۳۷۵/۵--۳۷۶)۔ اس لئے ان کی حدیث کم از کم حسن ہوگی۔

قرّاء کی کثرت، فقہاء کی قلت:

یہ حدیث بھی متعدد منکرات اور ہولناک امور کی طرف نشاندہی کر رہی ہے:

(۱) ’’یکثر فیه القرّاء ویقل فیه الفقهاء‘‘ (قاری زیادہ ہوں گے اور فقیہ کم ہو جائیں گے) یہ دراصل ایک روحانی روگ کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ کہ قرآنِ پاک کے نزول کا مقصدِ اصلی اس پر عمل کرنا ہے تا کہ انسان اللہ کے نزدیک سرخ رو ہو اور عمل کیلئے ضروری ہے کہ قرآنِ پاک کو سمجھا جائے مگر لوگ صرف اپنی شہرت اور عند الناس مقبولیت کی خاطر قرآنِ پاک

کے علم وفہم تحصیل اوراس پر عمل کے بجائے قرآنِ پاک کو بنا بنا کر پڑھیں گے اوراس کا مظاہرہ کریں گے۔تو قرآن کا مقصد اصلی ہی پیش نظر نہ ہوگا اور یہ قاری اس کو دنیا کی فانی دولت یا عزّت کا ذریعہ بنالیں گے،اس لئے قرآن کی تلاوت وقرأت کے فن کے ساتھ ساتھ،قرآنِ پاک کے اصلی مقصد(فہم وعمل)کی طرف بھی توجہ دینا چاہئے مگر یاد رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن کو بلا سمجھے پڑھنے سے فائدہ نہ ہوگا اور ثواب نہ ملے گا۔قرآن کو پڑھنے کا ثواب ہر حال میں ملے گا،یہاں قرأت سے روکنا مقصد نہیں بلکہ قاریوں کو قرآن فہمی کی طرف توجہ دلانا مقصد ہے،خوب سمجھ لیا جائے۔

علم اٹھا لیا جائے گا:

(۲) یقبض العلم :(علم اٹھالیا جائے گا)ایک حدیث میں ہے کہ علم اس طرح نہیں اٹھایا جائے گا کہ وہ دلوں سے نکال لیا جائے بلکہ اہل علم اٹھتے چلے جائیں گے،حتّٰی کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو امیر بنالیں گے اوران سے مسائل پوچھیں گے اور یہ جاہل لوگ بغیر علم کے فتوی دیں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(ریاض الصالحین :۵۲۸)

اور ظاہر ہے کہ اہل علم اٹھتے چلے جائیں اور دوسرے لوگ علم کی طرف مشغول ومتوجہ نہ ہوں،تو یہی ہوگا کہ علم کا قحط ہو جائے گا اور جہل کا دور دورہ ہوگا اور لوگ جاہلوں کو علماء کا منصب دیکران سے فتوے لیں گے اور گمراہی میں پڑجائیں گے۔

قتل کی گرم بازاری:

(۳) ویکثر الھرج : (ہرج بہت ہو جائے گا) ہرج کی تفسیر خود نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث میں قتل سے آئی ہے (بخاری:۸۳، مسلم:۴۸۲۷) نیز طبرانی میں خود اسی حدیث میں ہے کہ صحابہ نے ہرج کا مطلب معلوم کیا تو آپ نے قتل سے اس کی تفسیر کی ہے۔

(معجم اوسط ،طبرانی:۳۴۹۴)

اور لغت میں 'ھرج' کے معنی فتنہ وفساد کے ہیں اور قتل وغارت گری بھی فتنہ وفساد ہی ہے بلکہ اس کی اعلیٰ فرد ہے، اس لئے اس سے قتل مراد لیا گیا ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ آخری دور میں قتل وغارت گری کا بازار خوب گرم ہو جائے گا حتی کہ ایک حدیث میں فرمایا کہ قاتل کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور نہ مقتول کو پتہ ہوگا کہ وہ کس پاداش میں قتل کیا گیا ہے۔

(مسلم شریف :ومشکوۃ :۴۶۲)

بے عمل قاری۔

(۴) "یقرأ القرآن رجالٌ من اُمتی الخ" (ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ میری امت میں سے بعض لوگ قرآن پڑھیں گے مگر وہ انکے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا)

اس حدیث میں قرآنِ پاک کو غذا سے اور ان پڑھنے والوں کو ایسے بیماروں سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی بہتر سے بہتر غذا کو بھی اپنی بیماری کی وجہ سے حلق سے نیچے نہیں اتار سکتے اور منہ میں لیکر قے کر دیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ روحانی بیماری (ریاء کاری ونفاق) میں مبتلا ہوں گے اور ریاء کیلئے یا دنیوی دولت کیلئے قرآن پڑھیں گے، مگر وہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا

اور ظاہر ہے کہ یہ قرآن کو اپنے حلق کے نیچے نہیں اتاریں گے، تو ان کو قرآن سے کیا فائدہ ہوگا؟ جیسے غذا کو تھوک دینے والے کو غذا سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا اسی طرح ان کو قرآن سے فائدہ نہ ہوگا۔ اس حدیث میں دنیادار قاریوں اور علماء کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

کفار کے حوصلے بلند ہوجائیں گے:

(۵) یجادل المشرك الخ (مشرک مومن سے توحید کے بارے میں جھگڑے گا) یعنی شرک وکفر کے علمبرداروں کی جرأت بڑھ جائے گی اور اہلِ ایمان بزدلی کا شکار ہوں گے جس کی وجہ سے ایک مشرک، مومن سے حجت بازی کرنے لگے گا۔ طبرانی ودیلمی میں مشرک کے ساتھ منافق کا بھی ذکر ہے، علامہ مناویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ منافق ومشرک، مومن سے جھگڑا کریں گے اور اس کو مغلوب کریں گے اور اس کا مقابلہ اسی جیسی دلیل سے کریں گے، لیکن کافر کی حجت کمزور وباطل ہوگی، اور مؤمن کی حجت ودلیل غالب وواضح ہوگی۔

(فیض القدیر: ۴/ ۱۱۷)

مگر یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفار ومشرکین کا مسلمانوں سے حجت بازی ومقابلہ کرنا تو ہر دور میں رہا ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کے دورِ مبارک میں بھی یہ بات رہی ہے، پھر حضور ﷺ نے اس کو آخری زمانہ میں پیدا ہونے والی حالت کہہ کر کیسے پیش فرمایا؟ خود قرآن میں ہے کہ کفار لوگ بغیر علم کے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ اور یہ بات نزولِ قرآن کے زمانہ میں ہی مشاہد تھی۔ لہٰذا حدیث مذکور میں آئندہ زمانہ میں پیدا ہونے والی بات کے طور پر جو اس کو بیان کیا ہے، یہ کیسے صحیح ہوگا؟

احقر کے خیال ناقص میں آتا ہے کہ حدیث میں جو کفار کا مؤمن سے مجادلہ مذکور ہے اس سے کوئی خاص قسم کا جھگڑا اور مقابلہ مراد ہونا چاہئے۔ جو حضور ﷺ کے دور میں نہیں تھا اور آخری دور میں پیدا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

حدیث (۴)

﴿سَيَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يُخَيَّرُ الرَّجُلُ بَيْنَ الْعَجْزِ وَالْفُجُوْرِ فَمَنْ اَدْرَكَ ذَالِكَ الزَّمَانَ فَلْيَخْتَرِ الْعَجْزَ عَلَى الْفُجُوْرِ﴾

(ترجمہ: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں آدمی کو مجبور کیا جائے گا کہ یا تو احمق (ملّا) کہلائے یا بدکاری کو اختیار کرے، پس جو شخص یہ زمانہ پائے اسے چاہئے کہ بدکاری اختیار کرنے کے بجائے ''نکّو'' کہلانے کو پسند کرے۔)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس حدیث کو امام احمد نے اپنے مسند میں دو طریقوں سے روایت کیا ہے، ایک حضرت وکیع سے برقم: (۹۳۹۱)، دوسرے امام عبد الرزاق سے برقم: (۷۳۱۷) اور ان دونوں طریقوں میں ایک شیخ ہیں جن کا نام مذکور نہیں، یعنی یہ راوی مجہول ہے اور اس کے علاوہ ان دونوں سندوں کے تمام رجال ثقات اثبات ہیں۔ اور امام حاکم نے اس کو روایت کر کے صحیح کہا

ہے اور اس شیخ کا نام سعید ابن ابی جبیرہ بتایا ہے (مستدرک: ۴/۴۸۴) اور امام بیہقی نے الزھد الکبیر: (۲/۱۲۹) میں روایت کیا اور اس مجہول شخص کا نام ابوعمر بتایا ہے، نیز اس کو نعیم نے الفتن: (۱/۱۹۱) میں اور امام ھناد نے کتاب الزھد: (۲/۶۰۶) میں روایت کیا ہے۔

بدکاری:

یہ حدیث بھی قیامت کی ایک علامت کی نشاندہی کررہی ہے، وہ یہ کہ ایسا زمانہ آئے گا جس میں لوگوں کے درمیان فسق وفجور اور بے ایمانی و بے حیائی کی بہتات ہوگی اور لوگوں کے دلوں سے ان برائیوں کی برائی بھی نکل جائے گی بلکہ برائی کو اچھا اور باعثِ فخر سمجھا جائے گا اور جو لوگ برائی میں ملوث اور بے حیائی میں آگے ہوں گے ان کو اچھی نظر سے دیکھا جائے گا اور حالاتِ زمانہ کی رعایت کرنے والے اور ماڈرن و معقول انسان سمجھا جائے گا اور اس کے بالمقابل جو لوگ فحش و بے حیائی اور فسق وفجور اور گندگیوں اور خبائث سے دور رہیں گے، ان کے بارے میں عام رائے یہ ہوگی کہ یہ لوگ بے وقوف ہیں، فرسودہ نظریات وعقائد کے پابند ہیں، نرے ملا ہیں، زمانہ کے تقاضوں سے بے خبر ہیں، دنیا کے حالات سے ناواقف ہیں۔ ایسے زمانہ میں آدمی کے لئے دو ہی اختیار ہوں گے یا تو سب کی طرح بے حیاء و بے ایمان بن جائے اور دنیا والوں کی شاباشی و مبارکبادی قبول کرے یا اللہ کے حکم کے مطابق ایمان وعمل اور تقوی وطہارت کی زندگی گذارے۔ مگر اس صورت میں لوگ اس کو یہی طعنہ دیں گے کہ بے وقوف اور نکما ہے، مسجد کا ملا ہے، زمانہ سے بے خبر ہے۔ اسے یہ سارے طعنے برداشت کرکے اپنے کو دین پر قائم رکھنا چاہئے۔ اسی کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ زمانہ پائے اس کو چاہئے کہ وہ بدکاری اختیار کرنے

کے بجائے رِنگو کہلانا پسند کرے۔

حدیث ﴿۵﴾

﴿لَتُنْقَوُنَّ كَمَا يُنْقَى التَّمْرُ مِنْ اَغْفَالِهِ فَلَيَذْهَبَنَّ خِيَارُكُمْ وَلَيَبْقَيَنَّ شِرَارُكُمْ ،فَمُوْتُوْا اِنِ اسْتَطَعْتُمْ﴾

(ترجمہ: تمہیں اس طرح چھانٹ دیا جائے گا جس طرح اچھی کھجوریں رڈی کھجوروں سے چھانٹ لی جاتی ہیں، چنانچہ تمہارے اچھے لوگ اٹھتے جائیں گے اور بدترین باقی رہتے جائیں گے۔اس وقت (غم سے گھٹ کر) تم سے مرا جا سکتا ہے تو مرجانا۔)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس حدیث کو ابن ماجہ نے سنن، کتاب الفتن، باب شدۃ الزمان میں برقم: (۴۰۲۸) اور حاکم نے مستدرک: (۳۵۱/۴و۴۸۰و۴۸۱) میں متعدد طرق سے روایت کیا ہے اور صحیح الاسناد کہا ہے اور طبرانی نے معجم اوسط: (۹۳:۵/) میں اور دیلمی نے مسند الفردوس: (۴۳۷/۳) میں الفاظ کے تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور امام ابو عمرو الدانی نے السنن الواردۃ فی الفتن: (۵۸۰/۳) میں اس کو روایت کیا ہے۔

انسانیت کی تلچھٹ:

اس حدیث میں بھی قیامت کی ایک علامت کا ذکر ہے، وہ یہ کہ دنیا سے اچھے اور نیک لوگ اٹھتے چلے جائیں گے اور شریر و بد طینت لوگ باقی رہ جائیں گے اور ظاہر ہے کہ جب اچھے لوگ نہ رہیں گے تو دنیا میں اچھائی کہاں ہوگی؟ اور جب صرف برے لوگ یہاں باقی رہ جائیں گے تو دنیا شر و فساد کی آماجگاہ بن جائے گی۔ اس طرح دنیا سے نیکی و بھلائی، خیر و سعادت، شرافت و نجابت، ختم ہو کر شر و فساد، نزاع و جھگڑا، ضلالت و گمراہی، بغض و عداوت، رذالت و حماقت باقی رہ جائیں گے۔

اور جو یہ فرمایا کہ "تم کو اس طرح چھانٹ لیا جائے گا جس طرح اچھی کھجوروں کو رڈی کھجوروں سے چھانٹ لیا جاتا ہے" یہ بطور تمثیل فرمایا ہے کہ جس طرح کھجوروں میں سے مالک اچھی اچھی کھجوروں کو چن لیتا اور رڈی کو پھینک دیتا ہے، اسی طرح نیکوں کو اللہ تعالیٰ چن لیگا اور اپنے یہاں بلا لے گا اور بُرے لوگوں کو چھوڑ دے گا کہ دنیا کی خباثتوں میں پڑے رہیں۔

فموتوا ان استطعتم: (اس وقت تم غم سے گھٹ کر مر سکتے ہو تو مر جانا) اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس دور میں خود کشی جائز ہو جائے گی، کیوں کہ خود کشی اسلام میں ممنوع و حرام ہے، اس پر وعید شدید بھی آئی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے آپ کو کسی دھار دار چیز سے قتل کیا اس کی یہ دھار دار چیز (قیامت میں) اس کے ساتھ ہی ہوگی جس سے وہ جہنم کی آگ میں اپنے پیٹ میں بھونکتا رہے گا، اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہے گا، اور جو آدمی زہر پی کر خود کشی کر لیا تو وہ جہنم میں بھی

ہمیشہ ہمیشہ یہ پیتا رہے گا، اور جو پہاڑ پر سے اپنے کو گرا کر خودکشی کرلیا تو وہ جہنم میں بھی ہمیشہ ہمیشہ اپنے کو پہاڑ پر سے گراتا رہے گا۔

(بخاری:۵۳۳۳، مسلم :۱۵۸، ترمذی:۱۹٦٦، نسائی:۱۹۳۹، احمد:۷۱۳٦)

اس طرح کی متعدد احادیث کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ خودکشی کرنا حرام ہے اور اس پر جہنم میں سخت سزا ہوگی اور اس کو حلال سمجھ کر کرے گا تو وہ کافر ہوگا اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اگر حلال سمجھ کر نہیں کیا تو ایک طویل مدت کے بعد رہائی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خودکشی اسلام میں جرم عظیم ہے۔ لہٰذا اس زیر بحث حدیث میں ''مر جاؤ'' سے مراد خودکشی کی دعوت نہیں ہے بلکہ دراصل اس وقت کی صورت حال کی شدت اور نزاعات وفسادات کی کثرت اور شرور وفتن کی زیادتی کی عکاسی مقصود ہے کہ اس دور میں مر جانے کی گنجائش ہوتی تو مرا جاسکتا، مگر چونکہ اسلام میں اسکی گنجائش نہیں، لہٰذا خودکشی نہیں کر سکتے۔

خود کش دستوں کا حکم :

یہاں ایک سوال خود کش دستوں وافراد کے متعلق پیدا ہوتا ہے، جو دشمنانِ اسلام کی چالبازیوں ومکاریوں اور اسلام دشمن کوششوں وسازشوں سے تنگ آکر اور کوئی دوسری راہ نہ پاکر اپنے آپ کو قربان کرتے ہوئے اسلام دشمن عناصر کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا اس طرح کی خودکشی جس کا مقصد اسلام دشمن عناصر کی مکاریوں چالبازیوں کے جال کو توڑنا ہو، جائز ہے؟

احقر کا خیال ہے کہ یہ اس حرام خودکشی کے حکم میں داخل نہیں کیونکہ اُس خودکشی کا مقصد دنیا

کا غم والم ہے اور اس خودکشی کا مقصد اسلام دشمن طاقتوں کی مکاریوں کے جال کو توڑنا ہے، جس طرح ایک مجاہد میدانِ جنگ میں اپنے آپ کو ختم کر لینے کیلئے تیار ہو کر جاتا ہے اور اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی ایک قسم کی جنگی ٹیکنک کہی جاسکتی ہے، اس لئے کہ آج اسلام دشمن عناصر اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے میدانِ جنگ میں آکر مقابلہ نہیں کرتے بلکہ ٹینکوں اور میزائیل اور بموں سے ان کی بستیوں کو تباہ و ویران کرتے ہیں، جیسے ابھی افغانستان میں ہوا، اب اسکا مقابلہ اس طرح نہ کیا جائے تو دوسری بظاہر کوئی تدبیر نہیں ہے، لہٰذا اس کو حرام خودکشی قرار دینا مشکل ہے۔ (واللہ اعلم)

حدیث ﴿۹﴾

﴿لَيْتَ شَعْرِيْ كَيْفَ أُمَّتِيْ بَعْدِيْ حِيْنَ تَتَبَخْتَرُ رِجَالُهُمْ وَتَمْرَحُ نِسَاءُهُمْ وَلَيْتَ شَعْرِيْ حِيْنَ يَصِيْرُوْنَ صِنْفَيْنِ، صِنْفًا نَاصِبِيْ نُحُوْرِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَصِنْفًا عَمًا لَا لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾

(ترجمہ : کاش میں جان لیتا کہ میرے بعد میری امت کا کیا حال ہوگا (اور ان کو کیا کچھ دیکھنا پڑے گا) جب ان کے مرد اکڑ کر چلا کریں گے اور ان کی عورتیں (سر بازار) اتراتی پھریں گی۔ اور کاش میں جان لیتا جب میری امت کی دو قسمیں ہو جائیں گی، ایک قسم تو وہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں سینہ سپر ہوں گے اور ایک قسم وہ ہوگی جو غیر اللہ ہی کے لئے سب کچھ کریں گے۔)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس حدیث کو ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ایک صحابی (عن رجل من الصحابۃ) سے روایت کیا ہے، جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں برقم: (۷۵۴۳) اور علامہ علی متقیؒ نے کنز العمال میں برقم: (۳۸۴۶۴) اس روایت کو ان کے حوالہ سے درج کیا ہے۔ علامہ المناوی نے فیض القدیر: ۵/۳۵۰ میں اس حدیث کی شرح کی ہے اور اس پر سکوت فرمایا ہے۔ اور میں اس حدیث کی سند پر مطلع نہ ہوسکا۔

مردوں میں تکبر:

مذکورہ حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے اندر پیدا ہونے والے بگاڑ کا ذکر کیا ہے۔

(۱) مردوں میں اکڑ کر چلنے کی بیماری پیدا ہوجائے گی۔ چنانچہ آج یہ بات کثرت سے دیکھی جاسکتی ہے، ہر آدمی غرور و تکبر میں چور ہے، اور اسی وجہ سے ان کا لباس و پوشاک بھی تکبرانہ اور چال وچلن بھی تکبرانہ، بات چیت بھی تکبرانہ، غرض ہر ادا و حرکت میں یہی غرور و تکبر جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اسلاف کی سادگی اور بے تکلفی اور تواضع و انکساری سب رخصت ہوگئی، جاہل سے جاہل اور فقیر سے فقیر آدمی بھی اپنے آپ کو بڑا اور سب سے بڑا سمجھتا ہے اور اسکا مظاہرہ کرتا ہے۔

عورتوں کا اِترانا:

(۲) عورتوں میں اترا کراور ناز ونخروں سے چلنے کی بیماری ہوگی، جیسا کہ یہ بھی آج مشاہد ہے کہ عورتیں بناؤ سنگار اور فیشن پرستی میں اس قدر آگے نکل چکی ہیں کہ ان کو سوائے اس کے کوئی کام ہی نہیں اور اس فیشن اور بناؤ سنگار کے ساتھ وہ بازاروں اور مختلف مجمعوں میں گھومتی پھرتی اور اتراتی ہوئی چلتی ہیں، اور غیروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں حالانکہ ایک حدیث میں ایسی عورت کو آپ علیہ السلام نے زنا کار قرار دیا ہے جو عطر لگا کر مجمع پر سے گذرے۔

(ترمذی: ۲۷۱۰، دارمی: ۲۵۳۲)

یہ اس لئے کہ اس سے غیروں کی نظر اس کی طرف ہوگی اور بُرائی کا دروازہ کھلے گا۔ غرض یہ بھی علاماتِ قیامت میں سے ہے کہ عورتیں فیشن پرستی کا شکار ہوں اور اتراتی ہوئی بازاروں اور سڑکوں پر پھریں اور بے حیائی کا مظاہرہ کریں، اور یہ سب کچھ آج کھلی آنکھوں نظر آرہا ہے۔

اخلاص کا فقدان:

(۳) امت میں ایک طبقہ تو ہمیشہ دینِ حق پر قائم ہوگا، اور اللہ کے راستے میں سینہ سپر ہوگا، مگر آخری دور میں ایک بڑی جماعت وطبقہ ایسا ہوگا جو ہر کام غیر اللہ ہی کیلئے کرے گا، دینی تعلیم بھی، نماز وامامت بھی، دینی تحریک بھی، سب کے سب کام ہوں گے مگر مقصد دنیا کا مال ومتاع، اور دنیوی وجاہت ومنصب ہوگا۔ اس کا بھی بہت کچھ اندازہ اس زمانہ میں ہورہا ہے۔ مساجد کی تعمیر، مدارس کی تعمیر اور دینی تعلیم اور مختلف دینی قیادتیں دنیا کے مال ومتاع کی بنیاد پر قائم وجاری ہیں، اس لئے ان میں آپسی اختلاف ونزاع اور ایک دوسرے کی عیب گیری ونکتہ چینی بھی انتہا درجہ کی ہوتی ہے جبکہ ہر ایک اپنا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعتِ دین ہی بتاتا ہے مگر

صرف طریق وتدبیر کے اختلاف کو اصل مقصد کے اختلاف کی طرح سمجھ کر آپسی اختلاف وفساد کو ہوا دینے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں اور بعض جماعتیں اور قیادتیں ایسی بھی ہیں جو اپنے سوا سب کو غلط اور مجرم قرار دیکر ان کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہیں جیسے کسی کافر و مرتد یا فاسق معلن سے ہونا چاہئے۔

یہ ساری باتیں دراصل اس لئے ہیں کہ مقصد دین ہوتا ہی نہیں، صرف لیبل دین کا ہوتا ہے اور اندر دنیوی مقاصد و اسرار چھپے ہوتے ہیں۔ ایک جگہ چند نوجوانوں نے ہر نماز سے قبل گشت کر کے لوگوں کو مسجد کی طرف لانا شروع کیا تو ایک دوسری جماعت کے افراد نے (جن کو دعویٰ ہے کہ ان کی زندگی کا نصب العین و مقصدِ اعظم ''دعوت وتبلیغ'' ہے) یہ کام کیا کہ مسجد کی طرف آنے والے لوگوں کو یہ کہکر مسجد سے روکا کہ ان کے کہنے پر تم مسجد نہ آؤ۔

غور کیجئے کہ جب ایک جماعت کا مقصد بھی دین ہو اور دوسرے لوگ بھی دین کا ہی کام کریں تو پھر ان کو ایک دوسرے کے معاون اور رفیق ہونا چاہئے تھا، اور یہاں رفیق ہونے کے بجائے ایک دوسرے کے فریق ہو رہے ہیں، جس کا
واضح مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کم از کم ایک جماعت کا مقصد دین نہیں ہے. آج یہ صورتِ حال کثرت کے ساتھ دیکھنے میں آرہی ہے جس کی پیشین گوئی حضور ﷺ نے پہلے ہی فرمادی تھی۔

حدیث ﴿۷﴾

﴿مِنْ اِقْتِرَابِ السَّاعَةِ اَنْ يُرٰى الْهِلَالُ قَبَلًا فَيُقَالُ لِلَيْلَتَيْنِ وَاَنْ تُتَّخَذَ الْمَسَاجِدُ طُرُقًا وَاَنْ يَظْهَرَ مَوْتُ الْفُجَاءَةِ﴾

(ترجمہ: قربِ قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ چاند پہلے دیکھ لیا جائے گا اور (پہلی تاریخ کے چاند کو) کہا جائے گا کہ یہ دوسری تاریخ کا ہے اور مسجدوں کو گزرگاہ بنالیا جائے گا اور "ناگہانی موت" عام ہو جائے گی۔)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

یہ حدیث متعدد محدثین نے مختلف اور کم وبیش الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ دیکھو: الاحادیث المختارۃ:(۳۰۵/۶)طبرانی فی الاوسط (۱۴۷/۹:) وفی الصغیر:(۲۶۰/۲) وابوعمرو الدانی فی السنن الوارۃ فی الفتن:(۷۹۱/۴)وابن ابی شیبہ مرسلاً عن الشعبی:(۵۰۳/۷)۔اس حدیث پر بعض محدثین نے ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے، مگر علامہ مقدسی نے الاحادیث المختارہ میں اسکی بعض سندوں کو حسن قرار دیا ہے، اور کشف الخفاء میں ہے کہ متعدد احادیث ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔(کشف الخفاء:۲۲۸/۲)

چاند کا معمول سے بڑا دکھائی دینا:

اس حدیث میں علاماتِ قیامت میں سے تین کا ذکر فرمایا گیا ہے:

(۱) ایک یہ ہے کہ چاند جونہی اپنے وقت پر طلوع ہو، صاف طور پر دکھائی دے اور اس کے واضح اور بڑے ہونے کی وجہ سے طلب وجستجو کی ضرورت نہ پڑے اور اس کو دیکھ کر یوں کہا جائے کہ یہ تو دو دن کا چاند ہے۔ یہاں حدیث میں ''قَبَلًا'' جو آیا ہے یہ ق اور ب دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اسکا وہی مطلب بیان کیا گیا ہے جو اوپر عرض کیا گیا۔ چنانچہ لسان العرب اور فیض القدیر میں اس حدیث کی تشریح یوں کی ہے:

ای یری ساعة مایطلع لعظمه و وضوحه من غیر ان یتطلّب وهو بفتح القاف والباء (لسان العرب: ۵۳۸/۱۱، فیض القدیر: ۶/ ۱۰)

اس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے قریب چاند پہلی ہی تاریخ کو اتنا موٹا اور بڑا ہوگا کہ لوگ اسکو دو دن کا خیال کریں گے، چنانچہ بعض احادیث میں اس طرح فرمایا گیا ہے کہ ﴿من اقتراب السّاعةِ انتفاخ الاهلة﴾ اور بعض میں اشراط الساعۃ ہے، یعنی قیامت کے قریب ہونے کی ایک علامت چاند کا پھولا ہوا ہونا ہے۔ (طبرانی فی المعجم الصغیر: ۱۱۵/۲، والکبیر: ۱۹۸/۱۰، والاوسط: ۶۵/۴، والدانی فی السنن الواردۃ فی الفتن: ۷۹۱/۴)

مساجد کا دنیوی مقاصد کیلئے استعمال:

(۲) دوسری بات یہ فرمائی کہ مساجد کو راستہ بنالیا جائے، یعنی مساجد جو محض اللہ کی عبادت اور دین کی اشاعت کا مرکز ہیں، لوگ ان کو صرف چلنے پھرنے اور آنے جانے کا راستہ بنالیں گے۔

اور یہ لوگ مساجد کو نماز و ذکر و تلاوت یا تعلیم دین کے لئے نہیں آئیں گے بلکہ صرف اسکو اپنی ضروریات کیلئے راستہ بنالیں گے جیسا کہ بہت سے لوگ مساجد میں صرف پیشاب پائخانہ اور اپنی حاجت پوری کرنے کیلئے آتے ہیں اور بیت الخلاء سے نکل کر سیدھے مسجد کے باہر چلے جاتے ہیں۔غرض یہ کہ مساجد کو ان کے اصلی کام سے نکال کر دنیوی کاموں کیلئے استعمال کرنا۔ قیامت کی علامت ہے۔

۞ناگہانی موت (ہارٹ فیل)

(۳) تیسری بات یہ فرمائی کہ قیامت کے قریب اچانک موت کے حادثے کثرت سے ظاہر ہوں گے،اور اچانک موت سے حضور ﷺ نے پناہ بھی مانگی ہے۔چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات قسم کی موت سے پناہ مانگی ہے،ان میں سے ایک اچانک موت بھی ہے۔(احمد:۲۰۴/۴)

اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں گدھے کی طرح مرنا پسند نہیں کرتا۔(یعنی اچانک مرنا)(مسند الشاشی: ۳۵۸/۱)

اور اس کے مکروہ ہونے کی وجہ بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ اچانک موت ہوتی ہے تو آدمی وصیت کرنے سے محروم رہ جاتا ہے اور آخرت کیلئے توبہ اور دیگر اعمال صالحہ کے ذریعہ تیاری کرنے سے رہ جاتا ہے،اس لئے حضور علیہ السلام نے اس سے پناہ مانگی ہے ۔

(فتح الباری :۲۵٤/۳)

لیکن مؤمن جو تیار ہی رہتا ہے،اس کیلئے اچانک موت کوئی بری چیز نہیں ہاں جو فاسق

وفاجر ہو اس کے حق میں یہ بری چیز ہے، کیونکہ اچانک موت ہونے سے وہ توبہ واستغفار بھی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کے رسول علیہ السلام سے اچانک موت کے بارے میں سوال کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچانک موت مؤمن کیلئے راحت ہے اور فاجر کیلئے افسوس ناک پکڑ ہے۔ (سنن بیهقی :۵/۲۲۳)

اس حدیث میں قیامت کے قریب پیش آنے والے احوال میں جو اچانک موت کا ذکر ہے، یہ بات آج کھلے طور پر دیکھی جاسکتی ہے بلکہ آج اکثر اموات ایسی ہی ہورہی ہیں کہ آدمی بیٹھا ہے، کھڑا ہے، کام میں مشغول ہے، اور اچانک موت کا لقمہ بن جاتا ہے، اللہ ایسی موت سے پناہ عطا فرمائے جس سے آدمی ضروری وصیت اور نیک کام اور توبہ واستغفار کی بھی مہلت نہ پائے۔ (آمین)

حدیث (۸)

﴿مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ الْفُحْشُ وَالتَّفَحُّشُ وَقَطِيْعَةُ الرَّحِمِ وَتَخْوِيْنُ الْاَمِيْنِ وَائْتِمَانُ الْخَائِنِ﴾

(ترجمہ : قیامت کی خاص علامات میں سے ہے (۱) بدکاری (۲) بدزبانی (۳) قطعِ رحمی (کا عام ہوجانا) (۴) امانت دار کو خیانت کار اور خائن کو امانت دار قرار دینا۔)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص وحضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حاکم نے مستدرک: (۱/۱۴۷) میں ''سوء المجاورة'' (برے پڑوس) کے اضافہ کے ساتھ روایت کیا اور بزار نے اپنے مسند: (۶/۴۱۰) میں اور ابن المبارک نے الزھد: (۱/۵۶۱) میں اور معمر نے اپنی جامع: (۱۱/۴۰۵) میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف: (۷/۵۰۱) میں اختصار سے ''سوء الخلق'' کے اضافہ کے ساتھ اور احمد نے مسند: (۲۲/۱۹۹) میں روایت کیا ہے۔

ان سب نے حضرت عبداللہ بن عمرو ﷛ سے روایت کیا ہے اور طبرانی نے اوسط: (۲/۹۳) میں ''پڑوس'' کے ذکر کے بغیر اور مقدسی نے الاحادیث المختارة: (۶/۱۸۳) میں حضرت انس ﷛ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے مستدرک: (۴/۵۹۰) میں، دیلمی نے فردوس: (۴/۳۷۰) میں، ابن حبان نے صحیح: (۱۵/۲۵۸) میں اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء: (۴/۳۰۷) میں اور طبرانی نے معجم اوسط (۴/۱۲۱) میں حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قیامت قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ فحش وبخل ظاہر نہ ہو جائے اور امین کو خائن اور خائن کو امین نہ سمجھا جائے اور وعول ھلاک ہو اور تحوت غالب ہو، صحابہ نے عرض کیا کہ وعول اور تحوت کیا ہے یا رسول

اللہ ﷺ؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وعول، لوگوں میں سے عزت دار اور اونچے درجہ کے لوگ ہیں اور تحوت وہ جو لوگوں کے قدموں تلے رہیں اور ان کو کوئی جانتا نہ ہو۔ (قال الهيثمی رجاله رجال الصحيح غير محمد وهو ثقة، مجمع الزوائد: ۷/ ۲۳۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو علامہ ہیثمی نے نقل کر کے فرمایا کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں اور بعض میں اختلاف ہے۔ (مجمع الزوائد: ۷/۲۸۴) اور حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ اس کا کچھ حصہ (صحیح بخاری) میں ہے اور اس کو طبرانی نے اوسط مین روایت کیا ہے اور اس کی سند میں محمد بن سلیمان بن والبہ ہے۔ میں ان کو نہیں جانتا اور باقی راوی ثقہ ہیں، اور بزّار کی سند کے بارے میں فرمایا کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن مغراء ہیں، جنکی ابوزرعہ اور ایک جماعت نے توثیق کی ہے اور علی بن المدینی نے ان کو ضعیف کہا ہے، باقی راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۷/۳۲۷) اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (مستدرک: ۱/۱۴۷)

فحش وتفحش :

اس حدیث میں وارد آخری دو جملوں کی شرح حدیث نمبر ۲ کے تحت دیکھی جائے اور بقیہ جملوں کی شرح یہ ہے:

اس حدیث میں قیامت کی ایک علامت یہ بیان کی ہے کہ فحش اور تفحش پھیل جائے گا۔ فحش کے معنی ہیں، زیادتی اور حد سے تجاوز کرنا، پھر یہ بدزبانی و بدکلامی اور گالی گلوج کیلئے استعمال ہونے لگا، اور تفحش بھی اسی لفظ سے بنا ہے اور عام طور پر اس سے بے حیائی مراد لی جاتی ہے۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا کہ قاضی عیاض نے فرمایا کہ فحش کی اصل زیادتی اور حد سے نکلنا ہے، طبری نے کہا کہ فاحش، بدزباں کو کہتے ہیں اور ابن عرفہ نے کہا کہ فواحش کے معنی اہل عرب کے نزدیک قبائح کے ہیں اور متفحش سے کبھی بے حیائی کا کام کرنے والا مراد ہوتا ہے۔ (شرح مسلم) اور فیض القدیر میں مناوی نے فرمایا کہ فاحش وہ ہے جس کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ نامناسب کلام کا عادی ہو اور جو اپنی زبان پر قابو نہ رکھتا ہو۔ اور متفحش وہ ہے جو فحش کا مظاہرہ کرے (یعنی فطرت تو ایسی نہیں، مگر ایسا بن جائے)۔ (فیض القدیر: ۲/۲۸۵)

خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے قریب بدزبانی و بدکلامی اور بے حیائی کی کثرت ہوگی، زبان سے بھی بے حیائی کی باتیں کھلے عام صادر ہوں گی اور لوگ اسکو معیوب نہ سمجھیں گے اور بے حیائی کے کام بھی کھلے طور پر ہوں گے اور لوگ کوئی شرم وحیاء محسوس نہ کریں گے۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ ولدالزنا کی کثرت ہوجائے گی حتی کہ آدمی بیچ راستہ میں عورت پر چڑھ جائے گا تو ان لوگوں میں سے سب سے بہتر اور اچھا آدمی یوں کہے گا کہ اے کاش کتنا اچھا ہوتا کہ تم راستہ سے ذرا ہٹ کر یہ کام کر لیتے۔

(مستدرک: ۴/۳۸۶، طبرانی فی الاوسط: ۵/۱۲۶، مجمع الزوائد: ۷/۳۲۵، وقال فیہ سیف بن مسکین وھو ضعیف)

آج جو بے حیائی اور فواحش کا منظر خصوصاً شہروں میں نظر آتا ہے، وہ اسی پیشین گوئی کا مصداق ہے، بازاروں اور سڑکوں اور بس اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں اور بسوں اور ریلوں اور ہوائی جہازوں میں، مردوں اور عورتوں کا مجرمانہ اختلاط اور بے حیائی کا مظاہرہ جس طرح ہورہا

ہے، کون انکار کرسکتا ہے کہ وہ اسی کی تصدیق ہے۔ اور یہ بے حیائی اور بدزبانی یعنی فحش گوئی روز بروز ترقی کرتی جارہی ہے۔ نوجوان لڑکوں میں فحش گوئی اس قدر عام ہورہی ہے کہ اسکو نقل کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی، بعض اوقات بسوں میں یا کہیں سفر کے موقعہ پر ہوٹل وغیرہ میں نوجوان لڑکوں کی فحش گفتگو کان میں پڑتی ہے تو ہماری آنکھیں اور گردن شرم کے مارے جُھک جاتے ہیں۔

غرض یہ کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے جو پیشین گوئی فرمائی ہے وہ پوری طرح ظاہر ہورہی ہے، اور آگے نہ معلوم مزید کیا کیا ہوگا۔

قطع رحمی : دوسری چیز علاماتِ قیامت میں سے قطع رحمی بیان کی گئی ہے۔ یعنی رشتوں کا توڑ لینا، حالانکہ رشتہ کے توڑنے پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں، اور قرآنِ پاک میں بھی اس کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رشتہ داری عرش سے لٹک کر کہہ رہی ہے: جس نے مجھے جوڑا اللہ اسکو جوڑے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ اسکو توڑے گا۔ (مسلم:٢٥٥٦، ابن ابی شیبہ :٥/ ٢١٧، فردوس الدیلمی :٢/ ٢٨٦) ایک حدیث میں ہے کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

(بخاری:٥٥٢٥، مسلم:٤٦٣٧، مواردالظمان:١/٣٣٥، ترمذی:١٨٣٢، جامع معمر:١١/ ١٧٤، طبرانی فی الاوسط:٣٢/٤، احمد:١٤/٣، حمیدی:١/٢٥٤، ابوداؤد:١٤٤٥)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس قوم میں قاطع رحم ہو، ان پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔

(الادب المفرد:١/ ٣٦، نوادر الاصول: ٣/ ٢٣٩، دیلمی :٥/٧٥)

غرض یہ کہ قطع رحمی اور رشتہ توڑنا اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے اور اس پر وعید آئی ہے، مگر آج دیکھا جاسکتا ہے کہ رشتہ داری، رسہ کشی کا نام ہوگیا ہے، آپسی اختلافات اور نزاعات اس قدر کثرت سے پیش آرہے ہیں کہ عدالت گاہوں میں ان کی سماعت دس دس سال سے بھی زائد عرصہ میں ہوتی ہے، اور یہ حال ہے کہ رشتہ دار، رشتہ دار کو پہچانتا بھی نہیں، اور پہچانتے ہیں تو ایذاء وتکلیف رسانی اور لڑائی اور فساد کے سواء رشتہ داری کا کچھ حاصل ہی نہیں۔ یہ صورتِ حال انتہائی خطرناک ہے۔

﴿۞﴾ **بدخلقی**: جیسا کہ اوپر تخریج حدیث میں ذکر کیا گیا، اس حدیث کی بعض روایات میں بدخلقی یعنی بداخلاقی کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں بداخلاقی زیادہ ہوجائے گی اور آج یہ بات بھی کثرت سے پیش آرہی ہے۔

﴿۞﴾ **براپڑوسی**: (یعنی بُرا پڑوسی) بعض روایات میں اسکا بھی ذکر ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ آپس میں پڑوس کے لوگ ایک دوسرے کیلئے بُرے اور بدخلق ہوجائیں گے، حالانکہ پڑوسی کو دوسرے کیلئے اچھا اور فائدہ مند ہونا چاہئے۔ اسلام میں پڑوسی کا بہت بڑا حق بتایا گیا ہے یہاں تک کے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام مجھکو پڑوسی کے بارے میں برابر وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ پڑوسی کو میراث میں بھی حصہ دار قرار دیدیا جائے گا

(بخاری: ۵۵۵۵، صحیح ابن حبان: ۲۶۵/۲، موارد الظمآن: ۳۵۸/۱، ترمذی: ۱۸۶۵، بیہقی: ۲۷۵/۶، ابو داؤد: ۴۴۸۴، ابن ماجہ: ۳۶۶۳، بزار: ۳۷۱/۶، طبرانی فی الاوسط: ۲۰۲/۱، احمد: ۵۵۷۷، حمیدی: ۲۷۰/۲، مسند اسحاق: ۱۹۰/۱)۔

مگر آج اس کے برعکس پڑوسیوں کو تکلیف دینا، ان کے حق کو پامال کرنا، ان سے بدسلوکی

کرنا، ایک رواج ہوگیا ہے، اور آپس میں لڑائی اور جھگڑے عام ہوگئے ہیں، گویا قیامت کی یہ نشانی بھی آج پائی جارہی ہے۔

وعول وتحوت : حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے اس حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ وعول ہلاک ہوں گے اور تحوت غالب ہوں گے اور خود وعول وتحوت کی تفسیر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ وعول، شریف اور اچھے لوگ اور تحوت، رذیل وذلیل لوگ ہیں، مطلب یہ ہے کہ آخری دور میں شریف لوگ مرجائیں گے اور ذلیل اور رذیل اور نکمے لوگ غالب اور ہر چیز پر قابض ہوجائیں گے، اور بخاری نے کتاب الکنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ تحوت وعول پر غالب ہوجائیں گے۔ (الکنی: ۱/۵۹، نیز طبرانی فی الاوسط: ۱/۲۲۸)

غرض یہ کہ قیامت کے قریب ایک تو اچھے لوگوں کو اٹھا لیا جائے گا اور وہ مرجائیں گے، جیسا کہ حدیث نمبر ۵ میں گذرا اور بُرے لوگ رہ جائیں گے اور وہ باقی اچھوں پر غالب ہوجائیں گے۔ یہ صورتِ حال بھی آج واضح طور پر دکھائی دیتی ہے کہ نیک لوگ کم رہ گئے اور ان کی آواز پر فاسق وفاجر لوگوں کی آواز غالب ہوگئی ہے، علماء، صلحاء، اہل دین، واہل مدارس، سب پر فاسقوں فاجروں اور نکمّے لوگوں کا تسلط ہے، مساجد میں دیکھئے اسکے ذمہ دار بھی بے دین وغلط کار، مدارس پر بھی ایسے ہی لوگ حاوی، دینی تحریکوں اور انجمنوں پر بھی انہی کا تسلط اور رہی سیاست تو اس پر ہر جگہ ایسے ہی نکمّے اور بدبخت لوگوں کا قبضہ ہے اور اہل دین کی کوئی آواز سنی نہیں جاتی، حتی کہ اسلامی مملکت کے نام سے جن ممالک کا وجود ہے، وہاں اسلام اور اہل اسلام

نہایت مظلومانہ حالت میں ہیں، دکھاوے کیلئے کچھ امورِ دینیہ کا مظاہرہ تو وہاں ہے، مگر حقیقت کے لحاظ سے اسلام واہل دین کی کچھ نہیں چلتی اور عربی ممالک کی صورتِ حال اس سلسلہ میں زیادہ تشویش ناک ہے اور وہاں مغربی ذہن فروغ پا رہا ہے اور اہلِ مغرب نے ان پر اپنا تسلط قائم کرلیا ہے، اسی کی پیشین گوئی کرتے ہوئے علامتِ قیامت میں اسکا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث ﴿۹﴾

﴿لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يُكَذَّبُ فِيهِ الصَّادِقُ وَيُصَدَّقُ فِيهِ الْكَاذِبُ وَيُخَوَّنُ الْاَمِيْنُ وَيُؤْتَمَنُ الْخَائِنُ وَيَشْهَدُ الْمَرْءُ وَلَمْ يُسْتَشْهَدْ وَيَحْلِفُ وَاِنْ لَّمْ يُسْتَحْلَفْ وَيَكُوْنُ اَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ ابْنُ لُكَعٍ لَايُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

(ترجمہ: لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ سچوں کو جھوٹا اور جھوٹوں کو سچا کہا جائے گا اور خیانت پیشہ لوگوں کو امانت دار اور امانت دار لوگوں کو خیانت پیشہ بتلایا جائے گا۔ بغیر طلب کئے لوگ گواہیاں دیں گے اور بغیر حلف اٹھوائے حلف اٹھائیں گے اور کمینے باپ دادا کی اولاد دنیاوی اعتبار سے سب سے زیادہ خوش نصیب بن جائیں گے، جن کا نہ اللہ پر ایمان ہوگا نہ رسول پر۔)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس حدیث کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے طبرانی نے اپنے معجمِ اوسط: (۲۸۲/۸) میں اور معجم کبیر:

(۳۱۴/۲۳) میں اور بخاری نے اپنی تاریخ کبیر: (۲۷۸/۸) میں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد: (۲۸۴/۷) میں روایت کیا ہے اور امام طحاویؒ نے اسکو آخری جملہ "یکون اسعد الناس بالدنیا "الخ کے بغیر معانی الآثار: (۲۳۶/۲) میں روایت کیا ہے ۔

اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی عبداللہ بن صالح کاتب اللیث ہیں، ان کے بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں، ابن معین، ابوالاسود، سعید بن عفیر، ابوزرعہ وغیرہ محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور اکثر علماء نے ان کو ضعیف کہا ہے (دیکھو: تہذیب التہذیب: ۲۵۵۳۵ تا ۲۵۹) اس سے معلوم ہوا کہ ان کی حدیث حسن ہوگی۔ چنانچہ ابوزرعہ نے ان کو حسن الحدیث قرار دیا ہے (کمافی التہذیب)۔

❁ جھوٹی گواھیوں کا دور دورہ:

اس حدیث کے پہلے چار جملوں یعنی" یکذب فیه الصادق ویصدق فیه الکاذب ویخون الامین ویؤتمن الخائن " کی تشریح، دوسری حدیث کے تحت گذر چکی ہے، وہاں دیکھا جائے، اسکے بعد اس حدیث میں مزید تین علامات وفتن کا ذکر ہے۔

ویشهد المرء ولم یستشهد: (یعنی آدمی بغیر گواہی چاہے خود گواہی دیگا) ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا زمانہ سب سے بہتر ہے، پھر اس کے بعد کا، پھر اس کے بعد کا زمانہ بہتر ہے، پھر ایک قوم آئے گی جو اپنی شرافت کی ڈینگیں مارے گی اور موٹے ہونے کو پسند کرے گی اور طلب کرنے سے پہلے گواہی دے گی۔ (ترمذی: ۲۲۲۵) اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ پھر جھوٹ پھیل جائے گا، حتی کہ آدمی بلا طلب گواہی دے گا اور قسم

کھائے گا۔ (ابن ماجہ: ۲۳۵۴، طحاوی: ۲/۲۳۶، احمد: ۲:۱۷۱، باالفاظِ مختلفہ)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم وقاضی کی عدالت ودربار میں اپنے ناجائز مطالبات اور باطل دعوؤں کو منوانے اور ثابت کرنے کیلئے لوگ جھوٹے گواہوں کو کرایہ پر لے جائیں گے اور بغیر قاضی وحاکم کی طلب کے جھوٹی گواہی دینے والے گواہی دیں گے اور باطل دعوؤں کو منوائیں گے۔ اس تشریح سے وہ تعارض ختم ہوگیا جو ایک دوسری حدیث اور اس حدیث میں بظاہر معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿خير الشهداء الذي يأتي بشهادة قبل ان يسألها﴾

(ترمذی: ۲۲۱۹، مسلم: ۳۲۴۴، ابوداؤد: ۳۱۲۲، ابن ماجہ: ۲۳۵۵، احمد: ۱۶۴۲۵، مالک: ۱۲۰۷، طحاوی: ۲/۲۴۷)

[ترجمہ: یعنی بہترین گواہ وہ ہے جو سوال سے پہلے حقِ شہادت ادا کردے]

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلب سے پہلے شہادت وگواہی دینا اچھا کام ہے اور اوپر کی حدیث سے اس کا برا اور علاماتِ قیامت میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے. مگر ہماری تشریح سے یہ تعارض رفع ہوگیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اوپر کی حدیث جھوٹی گواہی کے بارے میں ہے اور یہ حدیث سچی گواہی کے بارے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب شہادت دینے کا موقعہ ہو تو سچی بات کی گواہی دیدے اور اس میں بخل نہ کرے۔

امام ترمذی نے اہل علم کے حوالے سے ان دونوں احادیث کی یہی تشریح فرمائی ہے (دیکھو ترمذی: ۲/۵۶) اور امام طحاوی نے بھی یہی فرمایا ہے (شرح معانی الآثار: ۲/۲۲۶) اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں طویل کلام کیا ہے، اہلِ علم حضرات کے لئے ہم

یہاں ان کا کلام نقل کرتے ہیں، حاشیہ پر اس کو ملاحظہ فرمائیں۔(۱)☆

اس سے جھوٹی گواہی اور کرایہ کی گواہی کا حرام ہونا ثابت ہوا۔اور بعض احادیث میں جھوٹی گواہی کو اکبرالکبائر، یعنی بڑے گناہوں میں سے بھی بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

(بخاری:۲۴۵۹،مسلم:۱۲۷،ترمذی:۱۱۲۸،نسائی:۳۹۴۵،احمد:۱۱۸۸۶)

اور آج کل انتخابات کے موقع پر جو پیسوں کی بنیاد پر ووٹ ڈالا جاتا ہے یہ بھی اس حدیث کا واضح مصداق ہے کیونکہ ووٹ بھی ایک گواہی ہے، امیدوار کے حق میں کہ یہ آدمی قابلِ وثوق

☆**حاشیہ :**

(۱)ان دو احادیث کی تطبیق میں علامہ نوویؒ نے جو لکھا ہے وہ یہاں اہل علم کیلئے عربی میں نقل کیا جاتا ہے۔

[خير الشهداء من ياتي بالشهادة قبل ان يسالها : قال النووى: وفى المراد بهذا الحديث تاويلان اصحهما واشهر هما تاويل مالك واصحاب الشافعى, انه محمول على من عنده شهادة لانسان بحق ولا يعلم ذلك الا نسان انه شاهد فياتى اليه فيخبره بانه شاهد له والثانى انه محمول على شهادة الحسبة وذلك فى غير حقوق الأدميين المختصة بهم فمما تقبل فيه شهادة الحسبة الطلاق والعتق والوقف والو صا يا العامة والحد ودونحو ذلك فمن علم شيا من هذا النوع وجب عليه رفعه الى القاضى واعلا مه به والشهادة، قال الله تعالى ﴿ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ﴾ - وكذا فى النوع الاول يلزم من عنده شهادة الانسان لا يعلمها ان يعلمه اياها امانة له عنده وحكى تاويل ثالث انه محمول على المجازو المبالغة فى اداء ===

اور دیانت دار اور قوم وملت کیلئے سچا خادم ہونیکی صلاحیت رکھتا ہے. اگر نا قابل کے حق میں ووٹ دیا گیا تو یہ جھوٹی گواہی ہے۔ اور آج سیاسی عہدوں پر زیادہ تر نا قابل اور بد بخت لوگ ہی آتے ہیں، ان کے حق میں گواہی جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور آج امت اور قوم کی جو تباہی ورسوائی دیکھنے میں آرہی ہے، یہ دراصل انہیں سیاسی کھلاڑیوں کے سیاسی کھیل کا نتیجہ ہے. جن کو ووٹ دے دے کر لوگ جتاتے ہیں اور وہ جیتنے کے بعد قوم وملت کی رسوائی کا سب سے بڑا سبب بنتے ہیں. (ووٹ کی شرعی حیثیت پر احقر کا مفصل مضمون ہے جس میں اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے) اسی طرح جھوٹی سرٹیفیکٹ وسند بھی اسی زمرہ میں شامل ہے۔ اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں اور سرکاری وغیر سرکاری دفاتر میں اس کی بڑی کثرت ہے کہ لوگ روپے خرچ کر کے جھوٹی سرٹیفیکٹ بناتے اور عہدوں ومنصبوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔

الشهادة بعد طلبها لا قبله كمايقال الجواد يعطى قبل السوال اى يعطى سريعاً عقب السوال من غير توقف . قال العلماء وليس فى هذا الحديث مناقضة للحديث الآخر فى ذم من يأتى بالشهادة قبل ان يستشهد فى قوله صلى الله عليه وسلم: يشهدون ولا يستشهدون،و قد تأول العلماء هذا تاويلات اصحها تاويل اصحابنا انه محمول على من معه شهادة لآدمي عالم بها فياتى فيشهد بها قبل ان تطلب منه . والثانى انه محمول على شاهد الزور فيشهد بما لا اصل له ولم يستشهد والثالث انه محمول على من ينتصب شاهدا وليس هومن اهل الشهادة. والرابع انه محمول على من يشهد لقوم بالجنة اوالنار من غيرتوقف وهذا ضعيف -والله اعلم.(شرح مسلم للنووى : ٢/ ٧٧) .

یادرکھنا چاہئے کہ یہ سب باتیں قیامت کی علامات میں سے ہیں، جن کا ظہور کھلی آنکھوں ہورہا ہے۔

جھوٹی قسم:

(۲) ویحلف ولم یستحلف :(لوگ قسم کھائیں گے جبکہ ان سے قسم کا مطالبہ نہیں ہوگا) یعنی بغیر طلب قسمیں کھائیں گے، اس سے یا تو جھوٹی قسم کھانا مراد ہے کہ لوگ روپے پیسے لے کر جھوٹی قسمیں کھائیں گے (طحاوی:۲/۲۲٦) یا یہ مراد ہے کہ بات بات پر بلاوجہ قسم کھائیں گے. امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی مکروہ ہے کہ زیادہ قسمیں کھائی جائیں۔ (طحاوی:۲/۲٦۷)

معلوم ہوا کہ بعض لوگ جو بلاوجہ قسمیں کھاتے ہیں یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے۔

دنیا پر ذلیل لوگوں کا تسلط :

(۳)"ویکون اسعد الناس بالدنیا لکع بن لکع ،لایومن بالله ورسوله" (یعنی آخری زمانہ میں دنیا کے لحاظ سے سب سے زیادہ خوش عیش وہ آدمی ہوگا جو بے ایمان ذلیل ونکما ہوگا اور ذلیل ونکمے کی اولاد ہوگا) یعنی اسکا نکما پن خاندانی ہوگا۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ ذلیل بن ذلیل کے قبضہ میں دنیا نہ ہوجائے۔ (احمد:۲/۹۷۲) اور ایک دوسری حدیث میں اس طرح فرمایا گیا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ ذلیل بن ذلیل دنیا کے لحاظ سے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوش عیش نہ ہوجائے۔(احمد:۲۲۲۱٤، ترمذی: ۲۱۳۵)

اور ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: ﴿لاتنقضی

الدنیا حتی تکون عند لکع بن لکع﴾

(صحیح ابن حبان:۱۵/۱۱۶)

ایک حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ روایت کیے گئے ہیں:

﴿ لا تقوم الساعة حتی یغلب علی الدنیا لکع بن لکع﴾

(طبرانی فی الاوسط:۳/۲۵۷،الزھد للامام احمد:۱/۹۷)

اس قسم کی متعدد احادیث ہیں۔ان کا مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں سب سے زیادہ مال ودولت والا اور دنیوی عیش وعشرت والا اور اعلیٰ منصب والا اور دنیوی امور میں حکم چلانے والا،وہ آدمی ہوگا جو ذلیل ورذیل اور نکما ہوگا اور اس کا باپ بھی ذلیل ونکما ہوگا۔(تحفۃ الاحوذی:۶/۳۷۵)

علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے جامع العلوم والحکم میں ان کی تشریح میں فرمایا کہ ان ساری احادیث کا مضمون جو قیامت کی علامات میں ذکر کیے گئے ہیں،ایک بات کی طرف لوٹتا ہے کہ کام اور معاملات نااہل لوگوں کے سپرد کیے جائیں گے جیسا کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا جبکہ کسی نے آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھا تھا کہ: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ جب معاملات اور ذمہ داریاں غیر اہل لوگوں کے سپرد کی جانے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو) کیونکہ جب ننگے بدن، ننگے پیر، بکریوں کے چرانے والے جو کہ اہلِ جہل وجفاء ہیں لوگوں کے سردار اور اہلِ دولت واموال بن جائیں گے حتی کہ عمارات بنا کر اس پر فخر کریں گے تو اس سے دین ودنیا کا نظام فاسد ہو جائے گا.کیونکہ اگر لوگوں کے سردار وہ ہو جائیں گے جو فقیر ومحتاج تھے اور وہ لوگوں پر حاکم بن جائیں گے۔خواہ ان کی یہ حکومت عام ہو

یا بعض چیزوں پر خاص ہو، تو وہ لوگوں کو ان کے حقوق ادا نہ کر سکیں گے بلکہ اپنے لئے اس مال کو مخصوص کر لیں گے جس سے انہوں نے یہ تسلط حاصل کیا ہے. اور اگر اس کے ساتھ ساتھ وہ جاہل بھی ہوں اور بے مروت بھی ہوں تو ان سے دین بھی فاسد ہو جائے گا کیونکہ ان (جیسوں) کو لوگوں کی دینی اصلاح وتربیت کی فکر نہ ہوگی اور نہ ان کی تعلیم کی فکر ہوگی بلکہ اُن کی فکر و لگن تو مال کی تحصیل اور اسکو بڑھانے میں ہوگی اور وہ اس کی پرواہ نہ کریں گے کہ کونسی چیز سے لوگوں کا دین فاسد ہو رہا ہے اور نہ اس کی پرواہ کریں گے کہ کن کن حاجتمندوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔

(جامع العلوم والحکم: ٤١/١)

آج دنیا کی صورتِ حال پر نظر ڈالئے تو اس حدیث میں بیان کردہ نقشہ صاف دکھائی دے گا کہ انتہائی ذلیل ورذیل قسم کے لوگ جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ رسول پر، دنیا کے مالک بن بیٹھے ہیں اور اہلِ علم واہلِ دین پر ان کا تسلط قائم ہے اور اہل علم واہل دین کو ہر جگہ سے بے دخل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اگر آگے بڑھ کر دیکھیں تو امریکہ نے سارے ممالک پر اپنا تسلط جما لیا ہے اور سارے اسلامی وغیر اسلامی ممالک اس کے محکوم وغلام بنے دکھائی دیتے ہیں اور امریکہ جو چاہتا ہے نافذ کرتا ہے اور اسلام اور اہل اسلام کے خلاف پوری دنیا میں سازشوں کا جال بچھا رکھا ہے. یہ امریکی صدر بش بن بش ہے جو بہت حد تک لکع بن لکع کا مصداق ہے (واللہ اعلم)

حدیث ﴿۱۰﴾

﴿یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِیْهِمْ عَلٰی دِیْنِهٖ کَا الْقَابِضِ عَلَی الْجَمْرِ﴾

(ترجمہ: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والے کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص آگ کے انگاروں سے مٹھی بھر لے.)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس حدیث کو امام ترمذی نے سنن، کتاب الفتن، میں برقم: (۲۱۸۶) اور دیلمی نے فردوس: (۴۴۵/۵) میں " الصابرعلی دینه له اجر خمسین فیکم " کے اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور ترمذی کے حوالہ سے کنز العمال: (۳۸۴۴۵) میں اور سیوطی نے الجامع الصغیر: (۹۹۸۸) میں اور علامہ عجلونی نے کشف الخفا: (۵۳۵/۲) میں نقل کیا ہے.

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حدیث امام ترمذی کی ثلاثی ہے، یعنی امام ترمذی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صرف تین راویوں کا واسطہ ہے اور امام ترمذی کی سنن میں صرف یہی ایک حدیث ثلاثی ہے۔ (کما فی الرسالة المستطرفه للکتانی ؒ :۱/ ۹۷)

اس حدیث کو امام سیوطی نے الجامع الصغیر میں درج کر کے حسن ہونے کا اشارہ دیا ہے۔

اورعلامہ مناویؒ نے اس پر سکوت کیا ہے۔(فیض القدیر:۶/۴۵۶)،اس حدیث کے ایک راوی عمر بن شاکر کو بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔مگر امام بخاری نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ھو مقارب الحدیث (علل الترمذی للقاضی:۱/۳۳۹،تہذیب:۷/۴۵۹)اور ابن حبان نے ان کو کتاب الثقات:(۵/۱۵۱) میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے اور وہ اس حدیث کی شاہد ہے جس سے اس حدیث کا ضعف منجبر ہو جاتا ہے. چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک لمبی حدیث میں یہ بھی جملہ آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ " قلیل المتمسك یو مئذ بدینه کالقابض علی الجمر او قال علی الشوك " (یعنی اس زمانہ میں دین پر تھوڑا سا بھی قائم رہنے والا ایسا ہوگا جیسا کہ آگ کو پکڑنے والا یا یہ فرمایا کہ جیسے کانٹے کو پکڑنے والا)(رواہ احمد:۸۷۱۱،والفریابی فی صفۃ المنافق:۱/۶۷،والدیلمی فی الفردوس:۴/۳۹۵)

دین کیلئے مشکلات کا پیش آنا :

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آخری زمانہ میں دین پر چلنا اور اس پر قائم رہنا اس قدر مشکل ہو جائے گا جیسے آگ کو پکڑنا مشکل ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس زمانہ میں کافر وفاسق اور سرکش و بددین لوگوں کا ہر طرف غلبہ ہوگا اور وہ اہل ایمان واہلِ دین کو ستائیں گے، پریشان کریں گے اور ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑیں گے جس کی وجہ سے ایمان پر قائم رہنا آسان نہ ہوگا بلکہ ایسا سخت اور مشکل ہوگا جیسے آگ کو تھامنا مشکل ہوتا ہے۔

علامہ سیوطیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: حدیث کے یہ معنی ہیں کہ جسطرح آگ

کو تھامنے والا ہاتھ کی جلن وسوزش پر صبر کی قدرت نہیں رکھتا، اسی طرح دیندار آدمی نافرمانیوں اور گناہوں کے غلبہ اور فسق وفجور کے پھیلنے اور ایمان کے ضعیف ہونے کی وجہ سے دین پر قائم رہنے کی قدرت نہ پائے گا (تحفة الاحوذی :۶/ ۴۴۵) مگر اس سے بہتر بات علامہ علی القاری نے فرمائی کہ حدیث کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ جس طرح سخت صبر اور مشقت کے تحمل کے بغیر آگ کو پکڑنا ممکن نہیں، اسی طرح اس زمانہ میں اپنے دین کی حفاظت اور خود ایمان کا تحفظ بغیر صبر عظیم کے ہو نہیں سکتا۔ (مرقات: ۱۰/۹۷)

غرض یہ کہ کفر واہل کفر اور فسق واہلِ فسق کا اس قدر غلبہ ہوگا کہ بغیر صبر وتحمل دین پر کوئی قائم نہ رہ سکے گا۔ مگر جو اللہ کے بندے ایسے زمانہ میں بھی صبر وتحمل کا دامن نہیں چھوڑیں گے اور ہر طرح کے مصائب اور تکالیف کو برداشت کرکے اور جان ومال وعزت وآبرو کو خطرے میں ڈالکر دین پر قائم رہیں گے، ان کے لئے بڑا اجر وثواب ہے۔ چنانچہ دیلمی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں دین پر قائم رہنے والے کو تم میں کے پچاس آدمیوں کے برابر اجر وثواب ملے گا، یہ آپ نے صحابہ سے خطاب کرکے فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ پچاس صحابہ کے عمل کے برابر اس کو ثواب ملے گا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں دین پر چلنے والا ایسا ہوگا جیسا کہ آگ کو پکڑنے والا اور دین کو تھامنے والے کا اجر پچاس کے برابر ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ہمارے پچاس کے برابر یا ان کے پچاس کے برابر؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پچاس کے برابر اجر ملے گا۔

(نوادر الاصول :۲/۳۲۷)

غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ آج کا دور اس کا مصداق پیش کر رہا ہے اور دین پر چلنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جارہا ہے، غیر تو غیر خود مسلمان بھی دین پر چلنے والوں کے لئے مشکلات اور مصائب کھڑے کرتے نظر آتے ہیں حتیٰ کہ بعض جگہ ذمہ دارانِ مساجد (جو عام طور پر انانیت و غرور میں مبتلا ہوتے ہیں) کی طرف سے بھی اہلِ علم اور اہل دین کو پریشانیاں پیش آتی ہیں۔ رہا غیروں کی طرف سے مشکلات کا پیش آنا، تو وہ ظاہر ہے اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اللھم احفظنا۔

حدیث ﴿۱۱﴾

﴿ یَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ الْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ ، وَیَبْقٰی حُفَالَةٌ کَحُفَالَةِ الشَّعِیْرِاَ وِالتَّمَرِ لَا یُبَالِیْهِمُ اللّٰهُ بَالَةً﴾

(ترجمہ: نیک لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے جائیں گے جیسا چھٹائی کے بعد رڈی جَو یا کھجوریں باقی رہ جاتی ہیں ایسے ناکارہ لوگ رہ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا.)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

یہ حدیث بخاری کتاب الرقاق: (۵۹۵۴) اور دارمی کتاب الرقاق: (۲۶۰۳) میں ہے۔ الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ اسکو امام احمد نے مسند: (۱۷۰۶۲)، بیہقی نے سنن کبریٰ:

(۱۲۲/۱۰)، طبرانی نے معجم اوسط : (۱۲۳/۳) ومعجم کبیر : (۲۹۸/۲۰)، رامہرمزی نے امثال الحدیث : (۱۲۶/۱) اور بخاری نے التاریخ الکبیر : (۴۳۴/۷)، القضاعی نے مسند الشہاب : (۱/ ۳۵۵) اور الشیبانی نے الاحاد والمثانی : (۳۳۳/۴) میں روایت کیا ہے۔ اور حدیث کا صحیح ہونا بخاری کی تخریج سے ظاہر ہے۔

❁نیک لوگوں سے محرومی کا نقصان:

حاصلِ کلام یہ ہے کہ صالح اور متقی لوگ ایک ایک کر کے چلے جائیں گے یعنی مر جائیں گے اور دنیا میں صرف ایسے لوگ رہ جائیں گے جیسے جو یا کھجور کا بھوسہ ہوتا ہے یعنی جو کسی کام کے نہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔ اس میں ایک لفظ حُثالہ یا حفالہ آیا ہے اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی کسی چیز کا بیکار حصہ یا تیل کا تلچھٹ یا بھوسہ اور ردّی چیز یا کم مایہ لوگ (دیکھو، فتح الباری : ۱۱/ ۲۵۲)

مطلب یہ کہ قیامت کے قریب صرف بیکار لوگ اور گھٹیا قسم کے لوگ رہ جائیں گے، اچھوں کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس یکے بعد دیگرے بلالے گا اور ان ردّی اور گھٹیا لوگوں کی اللہ تعالیٰ کوئی پرواہ نہیں کریگا یعنی ان کی کوئی قدر و قیمت اللہ کے نزدیک نہ ہوگی۔

(فتح الباری : ۲۵۲/۱۱، مرقاۃ : ۹۴/۱۰)

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی اور یہ معلوم ہے کہ قیامت شریر اور بد بخت لوگوں ہی پر قائم ہوگی اور ابن بطالؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی موت قیامت کی علامات میں سے ہے اور نیز اس حدیث

سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی اقتداء کرنا چاہئے اور ان کی مخالفت سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان لوگوں میں شامل نہ ہو جائے جو ان نیک لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کوئی پرواہ نہیں کرے گا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بات ہو سکتی ہے کہ آخری زمانہ میں اہل خیر سب کے سب اُٹھ جائیں اور سوائے اہلِ شر کے کوئی باقی نہ رہے۔(فتح الباری :۲۵۲/۱۱)

عبرت :

اس حدیث سے عبرت لینا چاہئے کہ آج بھی تقریباً ایسا دور آچکا ہے کہ اولیاء اللہ اور مقربانِ خداوندی، علماء وصلحاء اٹھتے چلے جارہے ہیں اور ان کی جگہ کو کوئی پر کرنے والا نہیں ہے اور دوسری طرف اہلِ شر واہلِ فساد کا غلبہ و کثرت دکھائی دے رہی ہے اور ہر جگہ انہی کا سکہ چل رہا ہے، جس سے قیامت کا قریب ہونا ظاہر ہو رہا ہے۔ اس سے قبل کہ اہلِ شر کا پورا پورا تسلط ہو اور ان کی شرارتیں وخباثتیں مزید ہوں، اہلِ خیر حضرات کو خیر میں اضافہ اور نیکیوں کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خیر و نیکی میں اضافہ اور ان کی اشاعت سے مراد واقعی خیر و نیکی ہونا چاہئے نہ یہ کہ محض دکھاوے کی نیکی وخیر، آج یہی بڑی مصیبت ہے کہ انجمنیں، جماعتیں، تحریکیں اور مختلف ادارے جب خیر و نیکی کی دعوت واشاعت کا بیڑا اٹھاتے ہیں، تو عموماً ان میں ایسی چیزیں شامل ہو جاتی ہیں جو نیکی وخیر کو اپنے حقیقی مفہوم سے ہٹا کر شر کے دائرے میں داخل کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے نیکی کی اشاعت، بدی وشر کی اشاعت ہو جاتی ہے اور یہ کام عموماً غیر شعوری طریقہ پر انجام پاتا ہے، مثلاً ہر شخص جانتا ہے کہ نماز عبادت اور خیر ہی خیر ہے مگر کیا دکھاوے کے لئے ہو تو تب بھی خیر ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ اب نماز شر ہو جائے گی، اسی

طرح دعوت وتبلیغ، درس وتدریس وغیرہ امور بھی اسطرح کی خرافات سے مخلوط ہوکر اپنی اصلیت کھودیتے ہیں اور وہ فوائد ومنافع ان پر مرتب نہیں ہوتے، جن کی ان سے توقع کی جاتی ہے یا کی جانی چاہئے مثلاً تبلیغ ودعوت میں کسی دوسری جماعتِ صالحہ کی تنقیص وتوہین، دوسرے شعبہ ہائے دین وشریعت کی تحقیر یا تردید، اپنے کام اور اپنے طریقہ پر بے جا اصرار دوسرے طریقوں سے اعراض وانکار، مدارس میں ایک مدرسہ کا دوسرے مدرسہ کی مخالفت یا ایک دوسرے سے حسد وبغض وغیرہ ایسے امور ہیں، جو ان دینی تحریکوں اور جماعتوں اور خدمات میں رسّہ کشی اور تفریق وعداوت کے جراثیم پیدا کرکے بجائے نیکی اور خیر کی اشاعت کے بدی اور شر کی اشاعت کا کام کرنے لگتے ہیں، جو انتہائی خطرناک صورتِ حال ہے۔

ایک روایت:

اس حدیث کی تشریح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نہایت مناسب ومفید ہے کہ آپ نے فرمایا:

﴿یذھب الصالحون اسلافا ویبقی اصحاب الریب، قالوا وما اصحاب الریب، قال: قوم لا یامرون بالمعروف ولا ینھون عن المنکر﴾

(شعب الایمان:۶/۹۴، طبرانی فی الکبیر:۹/۱۰۵، حلیۃ الاولیاء:۱/۱۲۵)

(یعنی نیک لوگ گذرتے چلے جائیں گے اور شک والے باقی رہ جائیں گے، لوگوں نے عرض کیا کہ شک والے کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ قوم جو نہ امر بالمعروف کرے گی، نہ نہی عن المنکر کرے گی)

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب تک امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا سلسلہ قائم رہے گا، دنیا میں خیر باقی رہے گا اور قیامت نہیں آئے گی۔ اس لئے اوپر عرض کیا گیا کہ نیکی اور خیر کی تعلیم وتبلیغ میں اہلِ خیر کو پوری طرح کوشاں ہونا چاہئے

حدیث ﴿۱۲﴾

﴿يَكُونُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ عُبَّادٌ جُهَّالٌ وَقُرَّاءُ فَسَقَةٌ﴾

(ترجمہ: آخری زمانہ میں بے علم عبادت گذار اور بے عمل قاری ہوں گے۔)

تشریح

☆تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو حاکم نے مستدرک: (۳۵۱/۴) بیہقی نے شعب الایمان: (۳۲۱/۵) ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء: (۳۳۱/۲) دیلمی نے فردوس: (۴۵۲/۵) اور ابن حبان نے المجروحین: (۱۳۵/۳) میں روایت کیا ہے اور حاکم نے مستدرک اور سیوطیؒ نے جامع الصغیر میں اسکو صحیح قرار دیا ہے مگر علامہ ذہبی اور علامہ مناویؒ نے ان پر رد کیا ہے، کیونکہ اسکی سند میں یوسف بن عطیہ الصفار البصری ایک راوی ہے جس کے بارے میں ذہبیؒ نے فرمایا" مجمع علی ضعفه" یعنی اس کے ضعف پر علماء کا اجماع ہے۔ (میزان الاعتدال: ۳۰۱/۷) اور ابن حبان نے مجروحین میں لکھا ہے" لا یجوز الاحتجاج به بحال" یعنی ان سے کسی بھی صورت میں احتجاج جائز

نہیں (المجروحین: ۳/۱۴۴) نیز یحییٰ بن سعید نے فرمایا: " لیس بشئ " کہ یہ کچھ نہیں ہیں اور عمرو بن علی نے فرمایا کہ کثیر الوھم والخطاء ہیں، مگر میں نے ان کو جھوٹا نہیں پایا اور میں نے ان سے حدیث لکھی ہے، ابوحاتم، ابوزرعہ ودارقطنی نے ضعیف قرار دیا اور ابوداوٗد نے فرمایا: لیس بشیء اور نسائی ودولابی نے متروک الحدیث فرمایا۔ (تہذیب الکمال: ۳۲/۴۴۶) لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔ البانی نے جواس حدیث کو سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: (۱/۶۳۹) میں موضوع قرار دیا ہے، میرے نزدیک یہ تجاوز ہے۔

جاہل عابد اور فاسق قاری:

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ آخری زمانہ میں " عباد جہال " (یعنی جاہل عبادت گذار) اور " قراء فسقة " (فاسق و بےعمل قاری ہوں گے) دیلمی کی روایت میں " علماء فساق " آیا ہے کہ بےعمل علماء ہوں گے۔

اور یہ دونوں طبقے دین وملت کے لئے انتہائی خطرناک ہیں کیونکہ جاہل عبادت گذار، دین کا صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے بدعات وخرافات بلکہ شرکیات ولغویات میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور اپنی جہالت سے ان کو دین میں بھی داخل کر لیتے ہیں پھر اپنی عبادت کے غرور میں علماء حق کے فتاوی کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور ایک مستقل محاذ بنالیتے ہیں اور جولوگ ان کی عبادت وریاضت اور محنت ومجاہدہ کو دیکھتے ہیں وہ ان کے معتقد وحامی بن جاتے ہیں اور مستقل ایک فرقہ اور جتھا بنالیتے ہیں، چنانچہ جاہل صوفیاء جو اپنے آستانوں اور خانقاہوں میں بدعات وخرافات اور شرکیات میں ملوث ہیں اور دوسروں کو ملوث کررہے ہیں، یہ اس حدیث کے مصداق

ہیں۔ہاں جو صوفیاء واقعی اللہ کے محبوب ومقرب ہیں جنہوں نے علم شریعت بھی حاصل کیا اور علم شرع کے مطابق عمل بھی کیا اور کرتے ہیں، وہ دین کے داعی اور محافظ ہیں.

اسی طرح فاسق قراء وعلماء بھی دین وملت کیلئے خطرہ ہیں، کیونکہ ان کا فسق وفجور اور ان کی بے راہ روی ودنیا طلبی، ان کو کبھی دین میں تحریف وتبدیل پر، کبھی تاویل وترمیم پر، کبھی حذف واضافہ پر ابھارتی ہے اور یہ محض اپنی خواہشات کی بنیاد پر اللہ کے دین کو کھلواڑ بنا لیتے ہیں اور اللہ سے بے خوفی وبے تعلقی ان کو حرام وحلال کی تمیز سے محروم کر دیتی ہے۔اس لئے محض دنیا کے لالچ اور خواہشات کی پیروی کی بنا پر یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور عوام الناس کو بھی گمراہی میں لیجاتے ہیں.اس لئے اس طبقہ کو بھی خطرہ سمجھا جاتا ہے۔

صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانیؒ کے دو شعر "تعلیم المتعلم" میں نقل کئے گئے ہیں

فساد كبير عالم متهتك

واكبر منه جاهل متنسك

هما فتنة فى العالمين عظيمة

لمن بهما فى دينه متمسك

ترجمہ: دین کی ہتک کرنے والا عالم، بہت بڑا فساد وفتنہ ہے اور عبادت گذار جاہل اس سے بڑھ کر فتنہ، جو شخص دین میں ان دونوں کی طرز زندگی کو اپنے لئے راہ عمل بنائے گا، وہ دین ودنیا کے فتنہ میں مبتلا ہوگا۔

حدیث ﴿۱۳﴾

﴿لا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَتَبَاھَی النَّاسُ فِی الْمَسَاجِدِ﴾

(ترجمہ : قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر (یا مساجد کے بارے میں) فخر کرنے لگیں گے۔)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث :

اس حدیث کو متعدد حضراتِ محدثین نے روایت کیا ہے، ابن خزیمہؒ نے صحیح : (۲۸۱/۲)، میں ابن حبان نے صحیح : (۴۹۳/۴) میں، دارمی نے سنن : (۳۸۳/۱) میں، بیہقی نے سنن کبریٰ: (۴۳۹/۲) میں احمد نے مسند برقم : (۱۱۹۳۱)، ابوداوٗد نے برقم: (۹۳۷۹)، نسائی نے سنن کبریٰ : (۲۵۵/۱) اور مجتبیٰ : (۳۲/۲) میں ، ابن ماجہ نے برقم : (۴۳۱)، مقدسی نے الاحادیث المختارۃ :۲۲۳/۶، میں ، امام احمد نے الورع :۱۸۳/۱، میں روایت کیا ہے، بعض نے : من اشراط الساعۃ ان یتباھی الخ کے الفاظ سے اور بعض نے لا تقوم الساعۃ حتی یتباھی الخ کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔ اور موارد الظمآن میں ایک روایت :نھی عن ان یتبا ھی الناس کے الفاظ سے بھی آئی ہے۔

(موارد الظمآن:۹۸/۱)، علامہ مقدسی نے الاحادیث المختارۃ میں اسکی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

مساجد پر فخر:

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ قیامت کی ایک عِلامت یہ ہے کہ لوگ مساجد بنانے اور اسکو سنوارنے اور زینت سے آراستہ کرنے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔ یہ اخلاص کی کمی اور ریاء کاری اور دنیوی عزت وشہرت کی طرف میلان اور جھکاؤ کا نتیجہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ مساجد کا بنانا اور حدود میں رہتے ہوئے اسکو مضبوط ومستحکم اور خوشنما بنانا، اگرچہ ثواب کا کام ہے مگر یہ اس قید سے مشروط ہے کہ اخلاص کے ساتھ ہو جیسا کہ تمام دینی کاموں میں یہی شرط ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے: انما الاعمال بالنیات، اگر اخلاص نہ ہوگا بلکہ فخر وناز مقصود ہوگا تو اس میں ثواب تو کجا مزید عتاب وعقاب ہوگا۔ بعض لوگ مساجد پر اپنا نام کندہ کرانے کی شرط لگا کر کمیٹی کو چندہ دیتے ہیں، اس طرح کی شرط لگانا خلوص نہ ہونے کی علامت ہے اور وہی فخر وناز اس کا منشاء ہے جس کو علاماتِ قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ ہاں اگر کمیٹی نے یا کسی ادارے کے ذمہ دار نے دوسروں کی ترغیب کیلئے کسی کا نام کندہ کرا کر لگا دیا یا اشتہار وغیرہ شتہر کر دیا تو جائز ہے مگر خود چندہ دہندگان کو اس طرح کی شرط نہ لگانا چاہئے۔

غرض یہ کہ جب لوگ مساجد بنا کر ان سے ایک دوسرے پر فخر وناز کریں گے تو سمجھو کہ قیامت قریب آگئی اور آج یہ حالت کثرت سے مشاہد ہو رہی ہے کہ لوگ چاہے مسجد میں نماز نہ پڑھیں اور مسجد سے دوری اختیار کریں مگر مسجد بنا کر فخر وناز کی باتیں ضرور کریں گے اور اپنی بڑائی وعظمت کے مظاہرے کیلئے ڈینگیں ضرور ماریں گے۔ اسی کو علاماتِ قیامت میں شمار کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو اختیاری کام علاماتِ قیامت میں سے ہو وہ معصیت اور گناہ ہے، جس پر اللہ کی

طرف سے ضرور پکڑ ہوگی۔

لہٰذا مساجد بنانے والوں اور دینی کاموں میں حصہ لینے والوں کو چاہئے کہ وہ محض اللہ کیلئے کام کرنا سیکھیں اور اخلاص وللّٰہیت کی بنیاد پر دینی کام کرنے کی فکر کریں۔

حدیث ﴿۱۴﴾

﴿ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا، قَوْمٌ مَعَهُمْ سِیَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ، یَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ، وَنِسَاءٌ كَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ مُمِیْلَاتٌ مَائِلَاتٌ، رُؤُسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَا یَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یَجِدْنَ رِیْحَهَا وَاَنَّ رِیْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِیْرَةِ كَذَا وَكَذَا ﴾

(ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ دو جہنمی گروہ ایسے ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا (بعد میں پیدا ہوں گے)۔ ایک وہ گروہ جن کے ہاتھ میں بیل کی دم جیسے کوڑے ہوں گے، وہ ان کوڑوں کے ساتھ لوگوں کو (ناحق) ماریں گے۔ دوم وہ عورتیں جو (کہنے کو تو) لباس پہنے ہوئے ہونگی لیکن (چونکہ لباس بہت باریک یا ستر کے لئے ناکافی ہوگا اس لئے وہ) درحقیقت برہنہ ہوں گی، (لوگوں کو اپنے جسم کی نمائش اور لباس کی زیبائش سے اپنی طرف) مائل کریں گی (اور خود بھی مردوں سے اختلاط کی طرف) مائل ہوں گی، ان کے سر (فیشن کی وجہ سے) بختی اونٹ کے کوہان جیسے ہوں گے، یہ عورتیں نہ تو جنت میں

داخل ہوں گی نہ جنت کی خوشبو ہی ان کو نصیب ہوگی، حالانکہ جنت کی خوشبو دور دور سے آ رہی ہوگی۔

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث :

اس حدیث کو امام مسلمؒ نے (برقم: ۳۹۴۱) ابن حبان نے صحیح میں (۱۶/۵۰۰) بیہقیؒ نے سنن کبریٰ (۲/۲۳۴) میں احمد نے مسند میں (برقم: ۹۳۰۳) طبرانی نے معجم اوسط (۲/۲۲۵) میں ابو یعلی نے مسند (۱۲/۴۶) دیلمی نے مسند الفردوس (۲/۴۰۱) میں رامہرمزی نے امثال الحدیث (۱/۱۴۹) میں روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے۔

یہ حدیث معجزہ ہے :

یہ حدیث نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ اور دلائلِ نبوت میں سے ایک قوی ترین دلیل ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ نے جن دو قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ میرے زمانہ میں موجود نہیں ہیں، بعد میں ظاہر ہوں گے بعینہ اسی طرح ان کا ظہور ہوا، اس سے ایک طرف آپ ﷺ کا معجزہ ظاہر ہوا کہ آپ نے ایک پیشین گوئی فرمائی اور غیب کی خبر دی اور وہ اسی طرح ظاہر ہوگئی جیسے آپ نے فرمایا تھا پھر اسی سے آپ کے نبی ورسول ہونے پر دلالت بھی ہوگئی، علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث نبوت کے معجزات میں سے ہے اور یہ دو قسمیں (آپ کی امت میں) ظاہر ہوگئیں اور موجود ہیں۔ (شرح مسلم ۲/۲۰۵)

پولیس کے مظالم:

(۱) اب سنئے کہ وہ دو قسم کے لوگ کون ہیں اور ان کی علامات کیا ہیں؟ ایک قسم وہ جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کے مانند کوڑے ہونگے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ اس سے کون مراد ہیں؟ اس سلسلہ میں علامہ مناویؒ نے فیض القدیر شرح الجامع الصغیر میں فرمایا کہ۔

''صدرِ اول کے بعد ایک قوم آئی جو ہمیشہ ایسے کوڑے رکھتی ہے جن سے (شرعی) سزاؤں میں بھی لوگوں کو تکلیف پہنچانا قصداً جائز نہیں، یہ پولیس والوں کے مددگار ہوتے ہیں جو جلاّد کے نام سے معروف ہیں، ان کو اگر (امیر کی طرف سے) مارنے کا حکم دیا جاتا ہے تو یہ کوڑے مارنے کی مقدار میں اور اس کی کیفیت میں حدِ مشروع سے تجاوز کر جاتے ہیں اور بسا اوقات ان کو ان کی نفسانی خواہش اور ان کی ظالمانہ فطرت و جبلت یہاں تک پہنچا دیتی ہے کہ پٹنے والے آدمی کو ہلاک کر دیتے یا اسکو حد سے زیادہ ایذاء و تکلیف دیتے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ظالم بادشاہوں اور حاکموں کے دروازوں پر پھرتے رہتے ہیں اوان کے پاس کوڑے ہوتے ہیں جن سے وہ عام لوگوں کو (بادشاہوں کے دروازوں سے) بھگاتے رہتے ہیں۔ (فیض القدیر:۲۰۹/۴)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان سے مراد کوتوال کے ماتحت کام کرنے والے جلاد لوگ ہیں، جو کوڑوں کے ذریعہ بعض دفعہ مظلوم لوگوں کو ایذاء و تکلیف پہنچاتے ہیں یا مجرمین پر بھی حد سے زیادہ ظلم وتشدد کرتے ہیں یا ظالم بادشاہوں کے دربان مراد ہیں جو کوڑے لئے عام آدمیوں کو دربار میں آنے سے باز رکھتے یا بھگاتے ہیں۔

بندہ کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوڑوں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اس زمانہ میں بندوق

ورائفل کا وجود نہیں تھا اگر اس کا ذکر کرتے تو لوگ سمجھ نہ پاتے، لہٰذا آپ نے کوڑوں کے ذکر پر اکتفاء فرمایا، ورنہ اس دور کے بعد ایجاد شدہ ہتھیارات جن میں رائفل و بندوق بھی داخل ہیں، وہ سب اس حدیث کا مصداق ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جلاّ دلوگ مختلف ہتھیارات سے لوگوں کو ایذاء وتکلیف پہنچائیں گے اور حق وناحق ہر طرح ستائیں گے اور معمولی جرم پر بڑی بڑی سزائیں دیں گے، بلکہ مجرمین کے بجائے غیر مجرم لوگوں پر سزائیں جاری کریں گے۔

کیا آج کی پولیس وفوج پر یہ ساری باتیں صادق نہیں آتیں؟ بلاشبہ یہ ساری باتیں ان پر صادق آتی ہیں اور موجودہ دور میں جو اہلِ اسلام پر اور اہلِ مدارس پر دنیوی حکمرانوں اور پولیس والوں کی طرف سے زیادتیاں اور مظالم ہو رہے ہیں، یہ اس کا واضح مصداق ہیں۔

چنانچہ متعدد ملکوں میں بے شمار معصوم انسانوں خصوصاً مسلمانوں پر حکمرانوں اور ان کے جلاّدوں کی طرف سے مصائب ومظالم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں اور مجرموں کو کھلی چھوٹ ہے کہ وہ جو چاہے کرتے رہیں، وشوا ہندو پریشد اور بجرنگ دل اور آر ایس ایس کی طرف سے گجرات میں ہونے والے تشدد اور دہشت گردی جس میں بے شمار انسانوں کو جلا کر خاک کا ڈھیر کردیا گیا اور بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں تک کو نہیں بخشا گیا، انسانی تاریخ کا ایک ایسا المیہ ہے جس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی مگر اس جرم کے مرتکب لوگوں پر آج تک نہ گجرات حکومت نے کوئی سزا جاری کی اور نہ سنٹرل حکومت نے اس کا کوئی نوٹس لیا، بلکہ سنٹرل حکومت نے اپنی بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک درجہ میں گجرات حکومت کو اس قتل وغارت گری کے ننگے ناچ پر شاباشی دیتے ہوئے حکومتِ گجرات کو مضبوط کردیا۔ کسی نے کہا تھا:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں، تو چرچا نہیں ہوتا

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ نے اس میں یوں ترمیم فرمائی ہے جو بالکل بجا ہے:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں، تو پاجاتے ہیں انعام

اسی تفسیر کو نوویؒ نے شرح مسلم (۳۸۲/۴) میں اور سیوطیؒ نے الدیباج (۴۶۴/۵) میں اختیار فرمایا ہے اور اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں شُــرط، (پولیس والے) ہونگے جو اللہ کے غضب میں صبح جائیں گے اور اللہ کی ناراضی کے ساتھ واپس لوٹیں گے، پس تم بچو اس سے کہ ان کے خاص لوگوں میں سے ہوجاؤ۔

(مسند الشامیین: ۳۱۰/۱، مسند الفردوس: ۳۱۵/۲، مستدرک: ۴۸۳/۴)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ آخری زمانہ میں آنے والی قوم شرط (پولیس) ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ایک موقوف روایت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ پولیس ہے جو بلا کسی جرم کے لوگوں کو سزا و تکلیف دے گی چنانچہ ابن ابی شیبہ نے ان سے روایت کی ہے کہ:

''ہم کتاب اللہ میں دو جہنمی طبقوں کو پاتے ہیں، ایک وہ قوم جو آخر زمانہ میں ہوگی ان کے ساتھ کوڑے ہونگے جیسے کہ گائے کی دم ہوتی ہے، اس سے وہ بغیر کسی جرم کے لوگوں کو

ماریں گے اور ان کے پیٹوں میں سوائے حرام چیز کے کچھ داخل نہ ہوگا۔

(ابن ابی شیبہ: ۵۳۱/۷)

ان دو مرفوع و موقوف احادیث سے اوپر کی حدیث کی پوری طرح وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد پولیس ہے جو لوگوں کو بلا جرم سزا دیتی اور اذیت و تکلیف پہنچاتی ہے اور یہ بات آج کل پوری طرح مشاہد و محسوس ہے جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔

جہنمی عورتیں:

(۲) دوسری عورتوں کی قوم جو (بظاہر) کپڑوں میں ملبوس مگر (درحقیقت) وہ کپڑوں سے عاری اور ننگی ہوں گی، جو غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود ان کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کے کوہان کی مانند ہونگے، یہ عورتیں جنت میں داخل نہ ہونگی اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گی جبکہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی (دور کی) مسافت سے محسوس ہوگی یہاں عورتوں کی جس قوم کا ذکر کیا گیا ہے اس کی چند علامات و آثار بیان کیے گئے ہیں۔

لباس میں ملبوس مگر ننگی:

(۱) "کاسیات عاریات" (یعنی کپڑوں میں ملبوس مگر ننگی)، اسکے متعدد مطالب بیان کیے گئے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ ظاہر میں تو وہ کپڑوں میں ملبوس ہونگی مگر کپڑے اس قدر باریک ہونگے کہ جسم جھلکتا ہوا ہوگا اور حقیقت میں ننگی ہوں گی۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ کپڑے تو پہنی ہوئی ہوں گی مگر نیکی اور بھلائی کے کاموں اور آخرت کیلئے اہتمام سے خالی و عاری اور ننگی ہوں گی۔

(۳) تیسرا مطلب یہ ہے کہ بدن کا کچھ حصہ چھپائیں گی اور کچھ حصہ زیب وزینت اور جمال کے ظاہر کرنے کے لئے کھلا رکھیں گی، تو کچھ ملبوس اور کچھ حصہ عاری اور ننگا ہوگا۔

(۴) چوتھا مطلب یہ ہے کہ وہ کپڑوں کا ظاہری لباس تو پہنیں گی مگر تقوی کے لباس سے محروم اور ننگی ہوں گی۔

(شرح مسلم للنووی: ۳۸۳/۲، فیض القدیر: ۲۰۹/٤، نیل الاوطار: ۱۱۹/۲، تفسیر قرطبی: ۳۱۰/۱۲)

ان مطالب میں سے آخری مطلب کو علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں اختیار فرمایا ہے اور اسکو اصح قرار دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ظاہری لباس و پوشاک سے وہ عورتیں اپنے آپ کو ملبوس رکھیں گی مگر جو اصل لباس "تقوی" ہے جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا:

﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذَالِكَ خَيْرٌ﴾ (کہ تقوی کا لباس ہی بہترین لباس ہے) اس سے وہ عاری ہوں گی، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ سو رہا تھا، خواب میں دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور وہ قمیص پہنے ہوئے ہیں، بعض کی سینہ تک ہے اور بعض کی اس سے کم، اور وہاں عمر بن خطاب کا بھی گذر ہوا اور ان پر اتنی لمبی قمیص ہے جسکو وہ جھاڑتے جا رہے ہیں۔

صحابہ نے عرض کیا کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟ فرمایا کہ "دین" (مسلم) معلوم ہوا کہ لباس و قمیص تو رکھتی ہوں گی مگر دین و تقوی کا لباس ان کے پاس نہ ہوگا بلکہ اس اعتبار سے وہ ننگی ہوں گی کہ تقوی نہ ہوگا جس سے وہ فحش و بے حیائی اور جاہلی تبرج کے کسی کام کو بھی کرنے سے گریز نہ

کریں گی۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ آج کے زمانہ میں یہی مطلب لینا ان عورتوں کے اور خاص طور پر جوان عورتوں کے مناسب ہے، کیونکہ یہ آج کی عورتیں زیب وزینت کر کے بے حیائی سے باہر نکلتی ہیں، لہٰذا یہ کپڑوں میں تو ملبوس ہیں مگر تقوی سے حقیقت اور ظاہر و باطن کے لحاظ سے ننگی ہیں، کیونکہ یہ اپنی زینت کو ظاہر کرتی ہیں اور اسکی پرواہ نہیں کرتیں کہ کون اُن کو دیکھ رہا ہے بلکہ یہی (دکھانا) ان کا مقصود ہے۔ (تفسیر القرطبی: ۳۱۱/۱۲)

میں کہتا ہوں کہ جو دیگر مطالب ہیں ان کو بھی مراد لیا جا سکتا ہے بلکہ یہ ساری ہی باتیں بطور قدر مشترک مراد لی جا سکتی ہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ بے حیائی کے عادی اور فیشن پرستی کی شکار عورتیں جس طرح کبھی بعض حصۂ بدن کو چھپاتی اور بعض کو کھول کر اپنی زینت ظاہر کرتی ہیں اسی طرح بعض وقت رقیق اور باریک کپڑے پہن کر بے حیائی کا مظاہرہ کرتی ہیں، نیز اس فیشن پرستی اور دنیوی حرص ولالچ کے نتیجہ میں مختلف قسم کے کپڑے اور انواع واقسام کے جوڑے بناتی اور اس میں بڑی باریکیوں کا لحاظ کرتی ہیں مگر آخرت اور عملِ صالح سے غافل اور دین سے خالی وعاری ہوتی ہیں۔

غرض یہ کہ ان عورتوں میں یہ ساری باتیں بطور قدر مشترک پائی جاتی ہیں لہٰذا یہ ساری باتیں مراد لینا بھی درست ہے۔

اس کے بعد اس پر غور کیجئے کہ آج عورتیں جس بے حیائی، فحاشی، عریانی اور فیشن کے نام پر آزادی کی شکار ہو گئی ہیں اور اللہ کے ڈر وخوف اور آخرت کی فکر وطلب وشریعت سے وابستگی وتعلق سے دور وبے زار ہو چکی ہیں، اس صورتِ حال پر یہ حدیث کس قدر منطبق ہے! علامہ قرطبی

نے تو اپنے زمانہ کی عورتوں ہی کو اس کا مصداق قرار دیدیا ہے، جبکہ آج کی نسبت اس وقت کا حال بہت اچھا تھا تو آج کی عورتوں پر اس کا انطباق اور زیادہ واضح اور پورے طور پر ہوتا ہے۔

مائل کرنے و مائل ہونے والیاں:

(۲) "ممیلات مائلات": (مائل کرنے والیاں، مائل ہونے والیاں) اس کے بھی کئی مطالب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اللہ کی اطاعت سے (جس میں شرم گاہوں کی حفاظت بھی داخل ہے) روگردانی کرنے والی اور دوسروں کو برائی کی تعلیم دیکر اس پر مائل کرنے والی عورتیں مراد ہیں، چنانچہ یہ فیشن پرستی کی شکار اور فحش و بے حیائی کی بیمار عورتیں اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور شرم وحیاء اور عفت و عصمت کی حفاظت سے روگردانی کرتی ہیں اور یہی باتیں اپنی بچیوں اور دوسروں کی بچیوں اور دیگر عورتوں کو سکھاتی ہیں، بلکہ (اللہ ہماری حفاظت کرے) بعض معتبر ذرائع سے ایسی خبریں بھی معلوم ہوئی ہیں کہ ماں نے اپنی بچیوں کو غیر مردوں سے آشنائی کی راہ دکھائی، خود بھی ملوث ہوئی اور اپنی بچیوں کو بھی ملوث کیا۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ عورتیں چلنے میں اکڑ دکھاتی ہیں اور اپنے بازوؤں اور پہلوؤں کو اکڑا کر چلتی ہیں۔

(۳) ایک مطلب یہ ہے کہ خود غیر مردوں کی طرف مائل ہوتی ہیں اور دوسرے غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں؛ کبھی زیب وزینت سے اور کبھی اپنی گفتگو سے اور کبھی اپنے کپڑوں سے، کبھی اپنے جسموں کو ظاہر کرکے، غرض کسی بھی طرح یہ بے حیائی کا کام کرتی ہیں۔

اور آج کی ان فیشن پرست عورتوں میں یہ ساری باتیں بھی علی وجہ الاتم پائی جاتی ہیں اور یہ عورتیں اس حدیث کا مصداق بن کر ان وعیدوں کی مستحق بنتی جاتی ہیں جو آگے بیان ہوئی ہیں۔

بختی اُونٹوں جیسی سر والیاں:

(۳) ''روسھن کا سنمة البخت'' (ان عورتوں کے سر بختی اونٹوں کے کوہان کے مانند ہوں گے) ''بخت'' اونٹ کی ایک قسم ہے جو بڑے جثہ اور کوہان والے ہوتے ہیں، حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ عورتیں اپنے بالوں یا کسی کپڑے وغیرہ سے سر کو باندھ کر سروں کو بڑا بناتی ہیں جیسے اونٹ کے کوہان ہوتے ہیں آج کل اسکو چونڈا کہتے ہیں کہ سارے بال سر کے اوپر بیچ میں یا سامنے لاکر کوہان جیسا بنالیتی ہیں اور اس پر کچھ خاص قسم کا کپڑا یا جالی ڈال لیتی ہیں، یہ حرام ہے اور اس کا آج فیشن چل پڑا ہے۔

ایک شبہ کا جواب:

اس کے بعد حضور ﷺ نے ان عورتوں کے لئے وعید بیان فرمائی ہے کہ یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوسکیں گی اور نہ جنت کی خوشبو ہی پائیں گی جبکہ جنت کی خوشبو بہت دور سے محسوس کی جاسکتی ہے۔

اگر یہ عورتیں کافرہ ہیں تو یہ بات ظاہر ہے کہ وہ جنت میں نہیں جاسکیں گی کہ جنت میں کافروں کا کوئی حصہ نہیں، اور اگر مسلمان ہیں تو اس پر اشکال ہوگا کہ مسلمان تو کبھی نہ کبھی جنت میں داخل ہوگا، پھر اس حدیث میں یہ کیسے فرمایا کہ وہ جنت میں داخل نہ ہونگی؟

اس کا جواب بعض علماء نے یہ دیا کہ یہ اس صورت میں ہے کہ یہ عورتیں ان فحش ومنکر

کاموں کو حلال سمجھ کر کریں، کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے اور بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اول وھلہ میں داخل نہ ہونگی بلکہ سزا بھگت کر پھر جنت میں داخل ہونگی۔ علامہ نوویؒ ومناویؒ نے یہ دونوں جواب نقل کئے ہیں۔

(شرح مسلم: ۲/۲۸۳، فیض القدیر: ۴/۲۰۹)

اس کا ایک جواب علامہ ابن عبد البرؒ نے دیا ہے، فرمایا کہ میرے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر محمول ہے اور یہ سزا ان عورتوں کی اصل سزا ہے، اگر اللہ چاہے تو ان سے درگذر بھی کرسکتا ہے کیونکہ وہ مغفرت اور معاف کرنے والا ہے۔ (تمہید: ۱۳/۲۰۴)

مطلب یہ ہے کہ جو سزا ان عورتوں کی بیان کی گئی ہے کہ وہ جنت میں داخل نہ ہونگی، یہ ان کے جرم کی سزا ہے کہ جو بھی یہ جرم کرے اس کو یہی سزا ملنی چاہئے مگر اللہ تعالیٰ معاف بھی کرسکتا ہے۔ اے کاش کہ یہ عورتیں اپنے جرائم سے توبہ کرکے اللہ کی عنایت وتوجہ کی مستحق بن جائیں۔

حدیث ﴿۱۵﴾

﴿عَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْشِكُ الْأُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْوَهْنُ؟ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ﴾

(ترجمہ: حضرت ثوبان ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ وقت قریب آتا ہے جب کہ تمام کافر قومیں تمہارے مٹانے کے لئے (مِلکر سازشیں کریں گی اور) ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے (دستر خوان پر کھانا کھانے والے) (لذیذ) کھانے کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہماری قلت تعداد کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہوگا؟ فرمایا نہیں بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت ہوں گے، البتہ تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ناکارہ ہوں گے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب اور دبدبہ نکال دیں گے اور تمہارے دلوں میں ''بزدلی'' ڈال دیں گے، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! بزدلی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

یہ حدیث ابوداؤد: (۴۲۹۷)، مسند احمد: (۲۱۳۶۳)، الزھد لابن حنبل: (۱/۱۳۴)، مصنف ابن ابی شیبہ: (۴۶۳۷) میں روایت کی گئی ہے۔ البتہ ابن ابی شیبہ کے الفاظ میں کچھ فرق ہے، باقی مفہوم وہی ہے۔

بعض علماء نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ابوعبد السلام ہے جن کو ابوحاتم نے مجہول قرار دیا ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۴/۴۰۳)

مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ ان سے دو ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔

(میزان: ۳/۴۰۴، المغنی فی الضعفاء: ۱/۳۰۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجہول نہیں ہیں کیونکہ دو آدمیوں کے کسی راوی سے روایت کرنے سے جہالت عین مرتفع ہو جاتی ہے اور جہالتِ وصف بھی اس طرح مرتفع ہے کہ ذہبیؒ نے الکاشف میں فرمایا کہ ان کی توثیق کی گئی ہے۔ (الکاشف: ۴۹۵/۱) اور ابن حبان نے بھی ان کا ذکر (الثقات: ۶/۴۵۷) میں کیا ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ ابو عبدالسلام (جنکا نام صالح بن رستم ہے) کی متابعت امام احمد کی روایت میں ابو اسماء عمرو بن مرثد الدمشقی نے کی ہے۔ (مسند احمد: ۲۱۳۶۳) اور یہ ابو اسماء ثقہ ہیں، ابن حجر نے لکھا کہ عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے (تہذیب التہذیب: ۹۹/۸) لہٰذا یہ حدیث ضعیف نہیں بلکہ حسن ہے۔

عالم اسلام کی زبوں حالی کے اسباب:

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سارے کافر فرقے (جیسے، یہود، نصاری، ہنود و مجوس وغیرہ) مسلمانوں سے مقابلہ اور ان کی شوکت وطاقت کو توڑنے اور ان کے املاک واموال اور ان کی بستیوں اور شہروں پر قبضہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گے جیسے کھانے والے دسترخوان پر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، تاکہ جس طرح دسترخوان پر بلا مانع وحارج اور بغیر کسی مزاحمت و پریشانی کے برتن کو صاف کر کے کھا لیتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کی جائیداد و املاک اور مال و دولت کو بلا کسی تعب و تکان، اور بلا کسی ضرر و نقصان اور بغیر تکلیف و پریشانی کے حاصل کر لیں۔ (عون المعبود: ۲۷۲/۱۱، مرقات: ۹۸/۱۰)

جب اللہ کے نبی ﷺ نے یہ فرمایا: تو صحابہ نے پوچھا کہ کیا ہم اس وقت تعداد کے لحاظ سے کم ہوں گے؟ صحابہ کا مطلب یہ تھا کہ سارے کفار مسلمانوں کے خلاف ایک ہو کر ان کی طاقت

وشوکت کو کس طرح توڑ دیں گے اور ان کے اموال واملاک پر کس طرح قابض ہو جائیں گے جبکہ ہم تعداد میں کثیر اور طاقت میں مضبوط ہیں؟ تو کیا جس وقت یہ واقعہ پیش آئے گا ہم تعداد کے لحاظ سے قلیل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم اس وقت (آج سے بھی زیادہ) کثیر تعداد میں رہو گے، مگر ایسے جیسے سیلاب کے اوپر کا جھاگ ہوتا ہے، جس میں کوئی قوت وطاقت نہیں ہوتی، جس کو پھونکوں سے اڑایا جا سکتا ہے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے رعب ودبدبہ کو کفار کے دلوں سے نکال دیا جائے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری اور بزدلی ڈالدی جائے گی۔ ایک روایت میں یوں فرمایا کہ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے بزدلی کو نکال کر تمہارے دلوں میں ڈالدیا جائے گا، جس کے نتیجہ میں یہ حالت ہوگی۔ اس پر کسی صحابی نے عرض کیا کہ یہ وھن وکمزوری کیا ہے؟ یعنی اس کا سبب کیا ہے؟

آپ نے فرمایا ایک دنیا کی محبت دوسرے موت سے نفرت، ان دو وجوہات سے تمہارے اندر کمزوری وبزدلی پیدا ہو جائے گی۔

ان دو باتوں پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت ان میں سے بزدلی وکمزوری کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے دنیا کی محبت اور دوسری چیز یعنی موت سے نفرت دراصل حبِّ دنیا کا نتیجہ اور لازمہ ہے، کیونکہ جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے وہ موت سے نفرت وکراہت کرتا ہی ہے، کیونکہ موت "ھازم اللذات" (یعنی لذتوں کو ختم کردینے والی) ہے تو دنیا کی محبت کا شکار اور اس میں گرفتار کب یہ چاہے گا کہ موت آئے اور اس کی شہوتوں اور لذتوں پر پانی پھیر دے؟

غرض یہ کہ کمزوری وضعف کی اصل وجہ دنیا کی محبت ہے، جس کے نتیجہ میں موت سے نفرت بھی پیدا ہوگی اور اس کمزوری سے کفار مسلمانوں پر غالب ہو جائیں گے۔

عبرت وموعظت:

یہ حدیث بھی اللہ کے نبی علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ آپ کی یہ بات آج من وعن ظاہر ہورہی ہے، سارے کفار جن میں یہود، نصاری اور ہنود اور دیگر فرقے ہیں، مسلمانوں کی قوت وشوکت کو توڑنے پر تلے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو تباہ وبرباد کرنے کے لئے ہر جگہ اپنی چالبازیوں اور مکاریوں کو کام میں لاکر دہشت گردی اور بے حیائی کا ننگا ناچ دکھارہے ہیں، فلسطین میں جو ہورہا ہے اور مکار یہودیوں کی طرف سے وہاں جو ظلم وبربریت کا ننگا ناچ کھیلا جارہا ہے اور افغانستان میں امریکہ کی طرف سے جو انسانیت سوز حملے اور دھماکے ہوئے اور ہزار ہا ہزار معصوم انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اور پھر ہندوستان میں مختلف جگہ ہندؤں کی طرف سے وقتاً فوقتاً مسلمانوں پر اور ان کی جائیدادوں پر ہونے والے حملے جس کی تاریخ بہت پُرانی اور بے حد افسوس ناک ہے اور آزادی کے بعد سے اب تک اس طرح پچاس سال کا عرصہ بیت چکا ہے اور اب تازہ تازہ گجرات میں گجرات حکومت کی لاپروائی بلکہ دہشت گردوں اور فسادیوں کی پشت پناہی کے نتیجہ میں آر ایس ایس کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف ہونے والی سفاکیوں اور ہندوستان کے سر کو اقوام عالم کے سامنے شرم کے مارے جھکا دینے والی درندگیوں اور شیاطین کو بھی ہرا دینے والی مجرمانہ و بہیمانہ قتل وغارت گریوں کا جو رکارڈ قائم کردیا گیا ہے یہ سب دراصل اسی حدیث نبوی کی تعبیر اور اس کا مصداق ہے۔

اس صورتِ حال میں ہم اہل اسلام کو اپنے حالات کا بغور جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور اس حدیث کے مطابق یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہماری یہ غیروں کے ہاتھوں رسوائیاں دراصل ہماری کمزوری کا نتیجہ ہے اور یہ کمزوری دنیا کی محبت میں گرفتار ہونے کی بنا پر ہے، لہٰذا دنیا کی

محبت کو دلوں سے نکالئے، اللہ کی محبت سے اس کو آباد کیجئے، دین کی محبت سے اس کو روشناس کرائیے اور پھر دین پر چلنا سیکھئے، اور دوسرے مسلمانوں کو اس پر چلائیے پھر دیکھئے کہ کون ہمارا کا کیا بگاڑتا ہے؟ یہ حدیث ہماری بیماری کی نشاندہی بھی کر رہی ہے اور ہماری بیماری کا علاج بھی بتارہی ہے، جس کا حاصل اس شعر میں بیان کیا گیا ہے:

شعر:

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

حدیث ﴿١٤﴾

﴿عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ نَبِیٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِیْ اُمَّتِهٖ قَبْلِیْ اِلَّا كَانَ لَهٗ فِیْ اُمَّتِهٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ یَأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَیَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اَنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ، وَیَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِیَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَیْسَ وَرَاءَ ذَالِكَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ﴾

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! مجھ سے پہلے جس نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی امت میں مبعوث فرمایا، اس کی امت میں کچھ مخلص اور خاص رفقاء ضرور ہوا کرتے جو اس کی سنت کی پابندی اور اس کے حکم کی پیروی کرتے، پھر ان

کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوتے جو کہتے کچھ اور کرتے کچھ اور جو کچھ ان کو حکم دیا گیا تھا اس کے خلاف عمل کرتے (اسی طرح اس امت میں بھی ایسے ناخلف پیدا ہوں گے جو اسلام کا نام تو لیں گے لیکن ان کا عمل اس کے خلاف ہوگا) پس جو شخص (بشرطِ قدرت) ہاتھ سے ان کے خلاف جہاد کرے گا، وہ مؤمن ہے اور جو زبان سے ان کے خلاف جہاد کرے گا، وہ بھی مؤمن ہے اور جو ان کے خلاف دل سے جہاد کریگا (کہ ان کی بدعملی کو کم از کم دل سے ہی بُرا سمجھے) وہ بھی (کمزور درجے کا) مؤمن ہے اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہتا۔

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

یہ حدیث صحیح مسلم (برقم: ۷۱)، صحیح ابن حبان (۱۴/۷۱)، مسند ابوعوانہ (۱/۴۳)، معجم کبیر طبرانی (۱۰/۱۳)، شعب الایمان بیہقی (۶/۸۶) میں روایت کی گئی ہے اور امام احمد نے مسند میں (برقم: ۴۱۴۸) ابتدائی حصہ روایت کیا ہے اور ابن مندہ نے الایمان (۱/۳۴۶) میں مسلم کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ حدیث صحیح ہے۔

ناخلف و نالائق امتی:

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مبعوث فرمایا، اُن کے کچھ حواری ضرور تھے۔ حواری انبیاء کے مخلص اور خاص لوگوں کو کہتے ہیں جو ہر قسم کے عیب سے پاک ہوتے ہیں، بعض علماء نے فرمایا کہ حواری انصاری حضرات کو کہتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی ہر موقعہ پر مدد و اعانت کرتے اور دین کے فروغ و ترقی کے

لئے کام کرتے ہیں بعض نے حواری سے مراد مجاہدین کو لیا ہے، بعض نے فرمایا کہ مراد وہ لوگ ہیں جو خلافت کے کام کی اصلاح کرتے ہیں۔ (شرح مسلم:۱/۵۲)

غرض یہ کہ کچھ اللہ کے نیک وصالح، خاص ومخصوص بندے ایسے ہوتے تھے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی مدد کرتے، ان کے دین کے فروغ وترقی میں ہاتھ بٹاتے اور ان کے دین کی اشاعت وحفاظت میں جدوجہد کرتے تھے جن کی خاص صفت یہ تھی کہ ''یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ'' (یعنی وہ اپنے نبی کی سنت کو لے کر چلتے تھے اور اس کے حکم کی اقتداء واتباع کرتے تھے، پھر ان کے بعد ان کے کچھ ناخلف لوگ خلیفہ وجانشین ہوتے، یہاں حدیث میں خلوف کا لفظ ہے جو خَلف (بسکون لام) کی جمع ہے جس کے معنی ہیں، بُرا جانشین اور اگر خلَف (بفتح لام) ہو تو اس کے معنی ہیں اچھا جانشین، مطلب یہ ہوا کہ انبیاء کے ان حواریوں اور مخصوص ومخلص مددگاروں کے بعد ان کے جانشین کچھ ناخلف لوگ ہوتے جو اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے جس پر خود عمل نہ کرتے اور ایسے کام کرتے جس کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔

''یقولون مالا یفعلون'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی باتیں دعوی کے طور پر کہتے جن کو وہ کرتے نہیں تھے، یعنی دعوی کرتے کہ ہم یہ کام کرتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں، ہم ایسی عبادت کرتے ہیں مگر یہ صرف زبانی جمع خرچ ہوتا، حقیقت میں وہ اس سے کورے ہوتے، یا یہ معنی ہے کہ دوسروں کو نیک کاموں کا حکم دیتے مگر خود اس پر عمل نہ کرتے، یعنی بے عمل واعظ ہوتے۔

''ویفعلون مالا یؤمرون'' کا مطلب یہ کہ نبی نے جو حکم نہیں دیا، جو کام مشروع نہیں کیا ان کاموں کو کرتے تھے، یعنی بدعات وخرافات اور من مانی رسومات وغیرہ، یہ ناخلف لوگ سنتوں سے روگردانی کرتے اور بدعات ولغویات کو اپناتے اور اس طرح دین کا حلیہ بگاڑ کر

رکھ دیتے۔

آپ ﷺ کا منشاء اس سے یہ ہے کہ جس طرح ہر نبی کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے اسی طرح میرے ساتھ بھی ہوگا کہ میرے بعد بھی اولاً صحابہ وتابعین اور دیگر نیک اور صالح لوگوں اور دین کے لئے جان دینے والوں کا مقدس طبقہ ہوگا، پھر اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو ناخلف اور نالائق ہوں گے۔

اس کے بعد نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو ان لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ بھی مؤمن ہے اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے گا وہ بھی مؤمن ہے اور جو ان سے دل سے جہاد کرے گا وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے بعد ایمان کا رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی حصہ نہیں ہے۔

ہاتھ سے جہاد یہ ہے کہ ان خلف لوگوں کو ان کی برائیوں اور ان کے شر سے تلوار، ہتھیار اور اپنی طاقت وقوت سے روک دیا جائے، جس سے وہ دوبارہ ان کاموں کی ہمت نہ کرسکیں اور زبان سے جہاد یہ ہے کہ اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے ان کو روکیں اور منع کریں اور اتنی بھی طاقت نہ ہو تو پھر آخری درجہ یہ ہے کہ دل سے جہاد کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دل سے ان برائیوں کو برائی جانے، اگر کسی نے یہ جہاد بھی نہ کیا تو اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بعد ایمان کا کوئی حصہ نہیں، یعنی کوئی ان برائی کی باتوں کو برا نہ جانے تو وہ مؤمن ہی نہ رہے گا، بلکہ کفر میں چلا جائے گا۔

عبرت:

اس حدیث سے آپ علیہ السلام نے یہ بتانا چاہا ہے کہ جس طرح ہر نبی کے ساتھ ایسا ہو

کہ اس کے حواریوں کی ناخلف اولاد یا ان کے ناخلف جانشین دین کی اتباع سے گریز کر کے من مانی بدعات وخرافات کے حامی ہوئے ہیں اور دین کا حلیہ بگاڑتے رہے ہیں، اسی طرح میرے بھی حواری ونیک جانشین ہونگے، پھر ان کے بعد کچھ ناخلف لوگ وہی کریں گے کہ ان کے پاس صرف زبانی جمع خرچ ہوگا، عمل کچھ نہ ہوگا، سنت سے گریز اور بدعت سے پیار ہوگا، ایسے لوگوں سے جس طرح ہو سکے جہاد کرو اور ان کو ان برائیوں سے روکو تاکہ اسلام اپنے اصلی آب وتاب کے ساتھ قائم رہے۔

ہائے افسوس کہ اس امت میں بھی ایسے لوگ ہوئے اور آج بھی موجود ہیں جو لمبے چوڑے عشق خدا وعشق رسول کے دعوے کرتے ہیں، مگر عمل کے لحاظ سے صفر ہیں، سنت وامر نبوی سے ان کو چڑ وعداوت ہے، ہاں من مانی رسومات وخرافات سے ان کو محبت ہے، نماز کی اتنی اہمیت نہیں جتنی اپنے من مانی رسومات کی ہے، گویا ان لوگوں نے دین کو ایک کھیل اور تماشا بنادیا ہے، چنانچہ آج مزاراتِ اولیاء پر دین کے نام پر جو خرافات ہوتے ہیں اور عشق رسول کے نام پر بدعتی مشائخ اور پیروں میں جو بے دینی وصریح وصاف شرکیہ وکفریہ اعمال وافعال ہوتے ہیں اور شرعی احکامات کا ان لوگوں میں جس انداز سے استہزاء ونداق کیا جاتا ہے اور اس سب کے باوجود چیخ چیخ کر اپنے لئے اور اپنی اس بدعتی برادری کے لئے ولی اللہ اور عاشق رسول، پیر وبزرگ، صوفی وعلامہ وغیرہ لمبے چوڑے القاب وآداب کا ذکر کیا جاتا ہے اور اپنی حقانیت وصداقت اور معصومیت کے بلند بانگ دعوے کئے جاتے ہیں، یہ سب اس کا بین مصداق ہے۔

لہٰذا امت کے انصاف پسند، غیور اور ذی عقل وہوش مسلمانوں پر فرض وضروری ہے کہ اس قسم کی بے دینی والحاد اور من مانی رسومات وخرافات کے خلاف علم جہاد بلند کریں اور جسطرح

ہو سکے ان لوگوں کو راہِ راست پر لانے یا کم از کم امت کے بھولے بھالے طبقہ کو دین کے آڑ میں اور دین کے نام پر ہونے والی اس بے دینی سے آگاہ کر کے ان کو محفوظ رکھیں۔

ایک واقعہ:

ابھی کچھ دنوں قبل بنگلور سے تقریباً ۱۶۰ - ۱۷۰ ر کلومیٹر پر پٹور (ضلع ٹمکور) کے قریب ایک چھوٹی سی بستی ''گرنڈھلی'' ایک مدرسہ کے سنگ بنیاد کے لئے جانا ہوا، احقر کے ساتھ حضرت مولانا پی یم زکریا صاحب والا جاہی دامت برکاتہم بھی تھے۔ اس بستی کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہاں اکثر لوگ بدعتی خیالات کے ہیں اور غلط کار پیروں کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں اور اکثر لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا دو ہیں کیونکہ ان پیروں نے ان کو یہ بتایا ہے کہ خدا دو ہیں۔ ایک خدا تو اللہ ہے مگر اس تک رسائی کیلئے یہ مزارات میں موجود اہل اللہ دوسرے خدا ہیں اور جب تک ان کو نہیں مانو گے اس وقت تک اس اللہ تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

اور اس سے بڑھ کر حیرت ناک بات یہ معلوم ہوئی کہ وہاں ایک امام تھا، وہ یہ بات علی الاعلان دوران خطبۂ جمعہ ممبر پر کہا کرتا تھا۔ اندازہ کرو کہ جہالت نے امت کو کہاں تک پہنچا دیا ہے کہ علی الاعلان دو خدا کہنے میں بھی ان کو کوئی تکلف و تامل نہیں ہے جس کا کھلا ہوا شرک ہونا، اہل اسلام تو اہل اسلام، مشرکین مکہ جیسے مشرک بھی جانتے تھے اور اس لئے انہوں نے بھی کبھی اس طرح کھلے الفاظ میں اپنے معبودانِ باطلہ کو خدا اور اللہ کا شریک نہیں کہا بلکہ بتاویل وہ اپنے معبودوں کو اللہ کا مقرب اور اپنا سفارشی کہتے تھے۔

حدیث ﴿۱۷﴾

﴿ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَكُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ، یَأْتُوْنَكُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ مَالَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَاءُ كُمْ، فَاِیَّاكُمْ وَاِیَّاهُمْ لَا یُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا یُفْتِنُوْنَكُمْ ﴾

(ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آخری زمانے میں بہت سے جھوٹے مکار لوگ ہوں گے جو تمہارے سامنے (اسلام کے نام سے نئے نئے نظریات اور) نئی نئی باتیں پیش کریں گے. جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے باپ دادانے، ان سے بچنا ! کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں، اور فتنہ میں نہ ڈال دیں)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس حدیث کو امام مسلمؒ نے صحیح میں (برقم: ۸) اور احمدؒ نے مسند میں (برقم: ۸۲۴۱) روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے جیسا کہ مسلم کی تخریج سے ظاہر ہے۔

دجّالی فتنہ اور نئے نئے نظریات:

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں ایسے دجال و کذّاب لوگ پیدا ہونگے جو تمہارے پاس ایسی ایسی حدیثیں لائیں گے جنہیں نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے باپ دادوں نے سنا ہوگا۔

دجّال کے معنی اصل لغت میں دھوکہ دینے اور ملمع کاری کے ہیں، بعض نے جھوٹے کے بتائے ہیں اور بعض نے کہا کہ حق کو باطل سے ملمع کرنے والے کو دجال کہتے ہیں۔

(شرح مسلم نوویؒ: ۱/۱۰، فتح الملہم: ۱/۱۲۶)

مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں ایسے دجل وفریب کے مجرم اور جھوٹے اور مکار لوگ ہونگے کہ نئی نئی حدیثیں بیان کریں گے جن سے ان کا مقصود کوئی دنیوی مفاد ونفع ہوگا تا کہ حدیث کا نام سن کر لوگ ان باتوں پر یقین کرلیں اور ان کا مفاد ان کو حاصل ہو جائے، بلکہ مسلم کی ایک حدیث میں یہ ہے کہ کچھ شیاطین سمندر میں قید ہیں جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے باندھ دیا تھا، قریب ہے کہ وہ نکلیں اور لوگوں پر قرآن پڑھیں۔ (مسلم: ۱/۱۰)

علامہ نوویؒ وعلامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شیاطین غیر قرآن پڑھیں گے اور لوگوں سے کہیں گے کہ یہ قرآن ہے تا کہ لوگ اس کی وجہ سے دھوکہ کھا جائیں، لہٰذا تم دھوکہ نہ کھانا۔ (شرح مسلم: ۱/۱۱ فتح الملہم: ۱/۱۲۷)

ایک انگریز کی قرآن کے خلاف سازش:

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس اثر کی شرح میں ایک تاریخی واقعہ کی جانب اشارہ کیا ہے جو ان کے دور میں پیش آیا تھا، وہ یہ کہ ایک انگریز ڈاکٹر منجانا نے سمندر پار سے ایک صحیفہ لاکر یہ دعوی کیا یہی اصلی وقدیم قرآن ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کے پاس موجود قرآن پاک کے خلاف بہت سی باتیں تھیں، اس انگریز نما شیطان کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کے بارے میں شک پیدا کیا جائے اور نعوذ باللہ قرآن میں تحریف ثابت کی جائے۔

(فتح الملہم: ۱/۱۲۸)

بہر حال مقصد یہ ہے کہ آخری دور میں جھوٹے اور مکار لوگ قرآن اور حدیث کے نام پر دھوکہ دیں گے، چنانچہ یہ سب باتیں ظاہر ہو رہی ہیں، اب سے بہت پہلے وضاعین حدیث اپنی طرف سے بہت سی احادیث گھڑ گھڑ کر لوگوں میں پھیلاتے رہے ہیں اور لوگوں نے اس سے دھوکہ کھایا اور آج تک اس قسم کی حدیثوں سے امت میں دھوکہ کھانے والے موجود ہیں۔

اس لئے علماء محدثین نے اس فتنہ کا جم کر مقابلہ کیا اور اصلی و نقلی حدیثوں کے مابین فرق و امتیاز کے لئے اصول و قواعد مرتب فرمائے اور پھر ان پر اصلی و نقلی حدیثوں کو جانچ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا، مگر پھر بھی جاہل یا عالم کا لجاہل لوگ اس فتنہ کا شکار رہتے ہیں۔

فریبی لوگوں کی چالاکیاں:

اور یہ دجال و کذاب لوگ بہت چالاک ہوتے ہیں اور اپنی چالاکی و مکاری سے اپنے مفاد کی خاطر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے من گھڑت حدیثیں بیان کرتے ہیں۔

تاریخ میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک مسجد میں مشہور محدث امام احمد بن حنبلؒ اور امام یحییٰ بن معینؒ نماز کے لئے حاضر ہوئے، بعد نماز ایک صاحب نے وعظ کا اعلان کیا اور وعظ میں حدیث سنائی اور اس کی سند میں امام احمد اور یحییٰ بن معین کا نام لیا اور یہ دونوں حضرات تو وہاں تھے ہی، مگر تعجب یہ کہ ان حضرات کے علم میں ایسی کوئی حدیث تھی ہی نہیں، چہ جائیکہ وہ اس کو بیان کرتے، وعظ کے بعد ان حضرات نے اس واعظ کو بلایا اور کہا کہ تم نے یحییٰ اور احمد کے حوالہ سے حدیث بیان کی ہے، یحییٰ اور احمد تو ہم ہیں ہم نے تو ایسی کوئی حدیث بیان نہیں کی؟ تم نے ہم پر جھوٹ کہا ہے، تو وہ واعظ کہنے لگا کہ میں نے سنا تھا کہ یحییٰ نام کے لوگ بے وقوف ہوتے ہیں، آج اس کا تجربہ ہو گیا، پھر کہا کہ میں نے یہ کب کہا کہ وہ یحییٰ اور احمد تم ہی ہیں، میں نے نہ معلوم کتنے احمد اور

کتنے یحیٰی سے حدیث سنی ہے۔

(السنۃ ومکانتھا، مصطفیٰ السباعی:۸٦)

دیکھئے یہ کذاب لوگ کتنے چالاک اور مکار ہوتے ہیں کہ چوری اور سینہ زوری کے مصداق، ایک تو جھوٹ کہا اور جب باز پرس ہوئی تو انہی حضرات محدثین کو بے وقوف بنادیا۔

قریب زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی علیہ اللعنۃ (جس نے نبوت کا دعوی کیا تھا) اسی طرح اپنی جھوٹی نبوت اور اپنی بے ہودہ بکواس کو ثابت کرنے کے لئے اور لوگوں کو گمراہی میں پھنسانے کے لئے حدیثیں ہی نہیں بلکہ آیات گھڑتا تھا اور اللہ ورسول کی طرف بلا دھڑک منسوب کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے یہ کہا کہ قرآن میں میں نے یہ آیت دیکھی ''انا انزلناہُ قریباً من القادیان'' (کہ ہم نے قرآن کو قادیان کے قریب نازل کیا ہے) حالانکہ ہر قرآن کا جاننے والا جانتا ہے کہ قرآن میں ہرگز ہرگز یہ آیت نہیں ہے، اللہ کے نبی علیہ السلام نے اس قسم کے مکار وچالباز لوگوں کا اس حدیث میں ذکر کر کے ہم کو پہلے ہی چوکنا فرمادیا کہ خبردار تم ان کی باتوں سے گمراہ نہ ہوجانا، جو نئی نئی حدیثیں لائیں گے جس کو نہ تم نے سنا ہوگا نہ تمہارے باپ دادوں نے کبھی سنا ہوگا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث بلا سند مانی نہیں جائے گی کہ جو کوئی چاہے کچھ کہدے اور اس کو حدیث کا نام دیدے، بلکہ اس سے سند پوچھی جائے گی اور اس کی جانچ کی جائے گی، اگر کھری اُترے اور معتبر سند کے ساتھ سامنے آئے، تب اس کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

حدیث ﴿۱۸﴾

﴿عَنْ عَلِیٍّ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُوْشِکُ اَنْ یَّاْتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ، مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَھِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْھُدٰی، عُلَمَاءُ ھُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَفِیْھِمْ تَعُوْدُ﴾

(ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب ایک زمانہ آئیگا جس میں اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے، ان کی مسجدیں بڑی بارونق ہوں گی مگر رشد وہدایت سے خالی اور ویران، ان کے (نام نہاد) علماء آسمان کی نیلی چھت کے نیچے بسنے والی تمام مخلوق سے بدتر ہوں گے۔ فتنہ ان ہی کے ہاں سے نکلے گا اور ان ہی میں لوٹے گا۔ (یعنی وہی فتنہ کے بانی بھی ہوں گے اور وہی مرکز ومحور بھی)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت علی ﷺ سے شعب الایمان (۳۱۱/۲) میں اور دیلمی نے مسند الفردوس: (۳۱۹/۲) میں حضرت معاذ بن جبل ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اور نیز السنن الواردۃ (۵۴۵/۳) اور مشکوٰۃ: ۳۸) میں بھی بیہقی کے حوالہ سے روایت کی گئی ہے اور بیہقی کی ایک روایت میں "علماء ھم" کی جگہ" فقھاء ھم" آیا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی عبد

اللہ بن دکین الکوفی کی وجہ سے بعض محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، چنانچہ ذہبی نے میزان: (۲/۳۱۹) میں، ابن عدی نے الکامل (۴/۲۲۷) اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۵/۴۸) میں، یحییٰ بن معین سے ان کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے مگر ذہبی نے المغنی (۱/ ۳۳۷) میں فرمایا کہ ان کی ایک جماعت نے توثیق اور ایک جماعت نے تضعیف کی ہے، اور تاریخ بغداد (۹/۴۵۱) وتہذیب التہذیب (۵/۲۰۱) میں ابن معین سے ان کی توثیق نقل کی گئی ہے۔ نیز ان ہی کتب میں اور کتاب بحر الدم (۱/ ۲۳۳) میں امام احمد سے بھی ان کی توثیق کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ مختلف فیہ راوی ہیں اور حسن الحدیث ہیں اور ان کی حدیث حسن ہوگی۔

صرف اسلام کا نام باقی رہ جائے گا:

اس حدیث میں متعدد امور علاماتِ قیامت کے طور پر مذکور ہیں:

(۱) پہلی بات یہ بیان کی گئی کہ وہ زمانہ قریب ہے جس میں اسلام کی کوئی چیز باقی نہ رہے گی سوائے نام کے، ملا علی قاریؒ نے اس کی شرح میں فرمایا کہ ''یعنی اسلام کے شعائر میں سے کچھ باقی نہ رہے گا سوائے اسلام کے نام کے یعنی جس پر اسلام کا نام بولا جا سکے جیسے لفظ نماز، زکوۃ، حج۔ (مرقات: ۱/۳۱۶)

مطلب یہ ہے کہ لفظ اسلام اور اسلام کا نام تو باقی رہ جائے گا جیسے شعائر اسلام میں سے نماز، روزہ، حج وزکوۃ کے نام رہ جائیں گے مگر ان کی حقیقت واصلیت باقی نہ رہے گی۔

چنانچہ آج لوگ اسلام کے شعائر تک میں غفلت کرتے ہیں، جیسے نماز میں غفلت عام ہے پھر جو لوگ پڑھتے ہیں وہ بھی اس کی اصلیت وحقیقت کے ساتھ (کہ اس میں اخلاص وللّٰہیت اور خشوع وخضوع، اور عاجزی وانکساری اور اللہ کی بڑائی وعظمت کے مظاہرہ ہو) ادا نہیں کرتے بلکہ الل ٹپ ادا کر کے اپنے کو فارغ سمجھتے ہیں، اسی طرح اور عبادات اور شعائرِ اسلام کا حال ہے۔

غرض یہ کہ اسلام کی بنیادوں اور شعائر تک میں یہ حال ہے تو اس سے کم درجہ کی باتوں میں تنزل۔ اسی کے لحاظ سے ترقی پر ہوگا۔ اس طرح یہ بات صادق آتی ہے کہ اسلام میں سے سوائے اس کے نام کے کوئی اصلیت و حقیقت باقی نہ رہے گی اور آج کے دور میں یہ بات ظاہر ہو چکی ہے۔

قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے:

(۲) دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ قرآن میں سے سوائے اس کے حروف و الفاظ کے کچھ باقی نہ رہے گا۔ ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ

''یعنی قرآن کے علوم و آداب میں سے کچھ باقی نہ رہے گا سوائے اس کے ظاہری اثر کے، جیسے محض ایک رسم و عادت کے طور پر، اس کے لفظوں کو پڑھنا اور اس کو لکھنا، نہ کہ تحصیل علم اور عبادت کے طور پر۔ (مرقات :۱/۳۱۶)

یعنی لوگ قرآن کے لفظوں اور حروف کے مخارج اور آوازوں کے بنانے اور عمدہ طریقہ سے پڑھنے کی طرف تو متوجہ ہوں گے۔ مگر اس میں تدبر و تفکر اور اس کے احکام پر عمل اور اس میں منع کردہ چیزوں سے اجتناب و احتراز کی طرف توجہ نہ کریں گے۔ اور یہ بات بھی آج پوری طرح ظاہر ہو چکی ہے کہ بعض علماء و قراء اور اصحاب دین بھی صرف قرآن پڑھنے پڑھانے تک اور اس کے الفاظ و حروف کی صحت اور قرأت اور تلاوت میں خوش الحانی اور لب و لہجہ میں ندرت و دلکشی تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور ان ساری باتوں کا جو اصل مقصد اور مغز ہے اس سے غافل اور دور ہیں۔ اور وہ مقصد ہے قرآن کے علوم و آداب کی تحصیل اس کے معانی میں تدبر و تفکر، اس کے اوامر کی اتباع اور اس کے منہیات سے احتراز، چاہئے تو یہ تھا کہ اولین درجہ اس کو دیتے اور اوپر کے امور کو ثانوی درجہ پر رکھتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عثمان غنی، وحضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنھم نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو دس آیات پڑھاتے اس سے آگے نہ پڑھاتے جب تک کہ اس پڑھے ہوئے پر عمل کرنا نہ سیکھ جائیں، فرمایا کہ ہم کو آپ علیہ السلام قرآن اور عمل دونوں سکھاتے تھے۔

حضرت ابو عبدالرحمٰن اسلمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ہم قرآن کی دس آیات سیکھتے تو بعد کی دس آیات اس وقت تک نہ سیکھتے جب تک کہ ان دس آیات میں بیان کردہ حلال وحرام اور امر ونہی کو نہ جان لیتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سورۂ بقرہ کو آٹھ برس تک سیکھتے رہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ بقرہ بارہ برس میں سیکھی، جب ختم کیا تو ایک اونٹ ذبح فرمایا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم پر قرآن کے الفاظ کا یاد کرنا مشکل ہے لیکن عمل آسان کر دیا گیا ہے۔ اور ہمارے بعد والوں پر حفظ قرآن آسان ہوگا مگر عمل مشکل ہو جائے گا۔ (تفسیر قرطبی: ۱ر ۴۰)

❁ مساجد هدایت سے خالی:

(۳) تیسری بات یہ فرمائی کہ ان لوگوں کی مسجدیں ظاہری زیب وزینت سے معمور وآباد ہوں گی مگر ہدایت سے خالی اور ویران ہوں گی۔

ملا علی قاریؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ:

”بلند عمارات، منقش دیواروں، جلتے ہوئے فانوس، بچھے ہوئے قالینوں اور جاہل ائمہ ومؤذنین جو حرام مالوں سے وظیفہ دیئے جاتے ہیں، وغیرہ منکر امور سے مساجد معمور ہوں گی مگر ہدایت والوں اور ہدایت کا راستہ بتانے والوں سے خالی ہوں گی۔ (اس کے بعد ملا علی قاریؒ نے فرمایا) کہ اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ مساجد کا ہدایت سے خالی ہونا، ہدایت کا راستہ بتانے

والوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو، جو دین کے شعبوں میں لوگوں کو اپنی رہنمائی سے فائدہ پہنچائیں اور خیر کے راستوں کی طرف دلالت کریں۔

دوسرا یہ کہ مساجد کا خالی وویران ہونا بُرے رہنماؤں (علماء سوء) کے وجود سے ہوگا، جو لوگوں کو اپنی بدعت وضلالت سے گمراہ کرتے ہیں۔اس صورت پر حدیث میں ان لوگوں کو ہادی سے تعبیر کرنا ازراہ تھکم (یعنی بطور استھزاء) ہے۔

(مرقات: ۱/۳۱۶وکذافی التعلیق الصبیح: ۱/۱۶۸)

حاصل یہ کہ یا تو مساجد کا ویران ہونا اس لئے ہوگا کہ مساجد میں برے ہادی اور علماء سوء اپنی بدعتوں اور ضلالتوں سے عوام الناس کو گمراہ کر کے ہدایت سے محروم کردیں گے اور یہی مساجد کا ہدایت سے ویران ہونا ہے۔آج غور کریں تو یہ بات بھی بہت سی جگہ نظر آئے گی کہ بدعتی علماء اور دنیادار علماء کا مساجد پر قبضہ ہے اور وہ اپنی مفاد پرستی یا بدعت نوازی کی بنا پر حق کو چھپا کر اور باطل کو عوام میں ظاہر کر کے گمراہی کے دروازے کھولے ہوئے ہیں اور عوام ان کی وجہ سے شرک وبدعت اور گمراہی وضلالت میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں۔

یا مساجد کی ویرانی اور ہدایت سے ان کا خالی ہونا اس وجہ سے ہوگا کہ علماء حق جوامت کی صحیح رہبری ورہنمائی کرنے والے ہوں، ان سے مساجد خالی ہونگی جب علماء حق نہ ہوں گے تو مساجد میں جہال کا قبضہ ہوگا اور وہ غلط سلط باتوں کو عوام میں پھیلا کر ان کو گمراہ کریں گے اس طرح مساجد ویران اور ہدایت سے خالی ہوجائینگی۔

آج یہ سب باتیں مشاہد ہورہی ہیں ایک طرف اہل بدعت مساجد پر قابض ہوکر عوام کی گمراہی کا سبب بنے ہوئے ہیں تو دوسری طرف علماء حق کو مساجد سے نکالا جارہا ہے، حق کہنے

سے روکا جارہا ہے، اس طرح عوام کو رہنمائی سے محروم کرکے گمراہی پھیلائی جارہی ہے، اور یہ بھی مساجد کی ویرانی ہے۔

علماء سوء کا فتنہ:

(۴) چوتھی بات یہ فرمائی گئی کہ اس زمانہ میں نام نہاد علماء آسمان کے نیچے بسنے والوں میں سب سے بدترین لوگ ہونگے، فتنہ انہی سے نکلے گا اور انہی میں لوٹ جائے گا۔

اس جملہ سے اوپر کے جملہ کی پہلی تشریح کی تائید بھی ہوتی ہے (کما لا یخفیٰ) حاصل یہ کہ اس زمانہ میں علماء حق مفقود ہوں گے اور علماء سوء اپنی ساری مکاریوں اور چالبازیوں کے ساتھ گمراہی کے پھیلانے میں لگے ہوں گے اور اس زمانہ کے یہ بدترین لوگ ہوں گے کیونکہ دین وشریعت کی حفاظت کے بجائے دین وشریعت میں تحریف وتبدیلی کریں گے اور لوگوں کو ہدایت کی طرف لانے کے بجائے گمراہی کا سبق دیں گے اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنے والے تمام مخلوق میں سب سے بدترین لوگ ہیں۔

اس تشریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حدیث کا مصداق علماء سوء ہیں جو لوگوں میں گمراہی پھیلاتے ہیں، لہٰذا علماء حق کو جو ہدایت پھیلاتے اور لوگوں کو دین وشریعت سکھاتے اور ان پر چلاتے ہیں، اس حدیث کا مصداق سمجھنا اور مطلقا علماء دین کی برائی و مذمت پر اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اور منشاء حدیث کے خلاف ہے، اس لئے مؤلف نے ترجمہ میں (نام نہاد علماء) کی قید لگائی ہے (فافھم)

اور یہ جو فرمایا کہ "انہی لوگوں سے فتنہ نکلے گا اور انہی میں لوٹ جائے گا" اس کا مطلب یہ ہے کہ فتنہ کے بانی یہی علماء سوء ہوں گے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ

''فساد العالم فساد العالم'' کہ عالم کا فساد ہی عالَم کے فساد کا سبب وذریعہ ہوتا ہے، لہٰذا عالم میں جو فساد وفتنہ اور شر پھیلا ہوا ہے وہ دراصل انہی نام نہاد علماء دنیا کا پیدا اور برپا کردہ ہے اور پھر یہ فتنہ انہی میں گشت کرتا رہے گا، یہی اس کا مرکز ومحور ہوں گے اور اس کا ضرر ونقصان بھی انہی کو ہوگا، اللہ تعالیٰ پوری امت کی ان علماء سوء سے حفاظت فرمائے۔

(مرقات: ۳۱۶/۱ وکذا فی التعلیق الصبیح: ۱۶۸/۱)

متعدد گمراہ فرقوں کے بانی جنہوں نے دین میں تحریف وتاویل کر کے یا دین کو اپنی عقلوں کے تابع بنا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈالا ہے، وہ اسی قسم کے نام نہاد علماء ہیں اور دراصل یہ علماء ہوتے ہی نہیں بلکہ علماء حق کے خلاف اور دین کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنا نام علماء رکھ لیتے ہیں اور بڑے بڑے دعوؤں سے عوام کو اپنی طرف موہ لینے کی کوشش کرتے ہیں اور جب علماء حق ان کی تاویلات وتحریفات کا پردہ فاش کرتے ہیں تو عوام کو یہ سمجھاتے ہیں کہ علماء کا کام صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں پر کفر وفسق کے فتوے داغتے ہیں، پھر علماء حق کی برائی کر کے عوام کو ان سے بدظن کرتے ہیں، اللہ کے نبی علیہ السلام نے انہی نام نہاد علماء سوء کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے اس ناپاک فتنہ سے آگاہ کیا ہے۔

حدیث ﴿۱۹﴾

﴿عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا يَزَالُ مِنْ اُمَّتِيْ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذَالِكَ﴾

(ترجمہ: حضرت معاویہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے گی انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، نہ ان کی مدد سے دست کش ہونے والے، نہ ان کی مخالفت کرنے والے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ (قیامت) آجائے گا اور یہ حمایتِ حق پر قائم ہوں گے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کی تخریج متعدد محدثین نے متعدد صحابہ ؓ سے کی ہے اور اصحاب صحاح نے بھی اس کی روایت فرمائی ہے۔ بخاری نے مناقب میں حضرت معاویہ ومغیرہ بن شعبہ ؓ سے (برقم: ۳۳۶۸ و۳۳۶۹) مسلم نے حضرت ثوبان ومغیرہ بن شعبہ ومعاویہ وجابر بن سمرہ وجابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے (برقم: ۳۵۴۴ تا ۳۵۴۹) اور احمد نے مسند میں ثوبان ؓ سے (برقم ۲۱۳۵۹ و۲۱۳۶۹) مغیرہ بن شعبہ ؓ سے (برقم: ۱۷۴۳۳ و۱۷۴۶۲) جابر بن عبداللہ ؓ سے (برقم: ۱۴۱۹۳ و۱۴۵۹۵) معاویہ ؓ سے (برقم: ۱۶۳۰۵) عمران بن حصین ؓ سے (برقم: ۱۹۰۴۹) اور ابن الجارود نے منتقی میں جابر بن عبداللہ ؓ سے (برقم: ۱۰۳۱) ابن حبان نے جابر ؓ سے (۲۳/۱۵) حاکم نے عمران بن حصین وعمر ؓ سے (۸۱/۲) ابوعوانہ نے جابر، معاویہ وعمران رضی اللہ عنہم سے (۹۹/۲) ترمذی نے قرۃ ؓ سے (برقم: ۲۱۱۸) ابوداؤد نے حضرت عمران ؓ سے (برقم: ۲۱۲۵) ابن ماجہ نے قرۃ وابوہریرہ وثوبان ؓ سے (برقم: ٦ تا ۸) بیہقی نے سنن میں (۱۸۰/۹) طبرانی نے اوسط میں حضرت جابر سے (۳۹/۹) بزار نے مسند میں

(۲۱/۹) حضرت عمران ﷺ سے، ابوداؤد طیالسی نے حضرت عمر ﷺ سے مسند میں (۱/۹)، طبرانی نے معجم کبیر (۱۴۵/۸) میں حضرت ابوامامہ ﷺ سے اور (۱۰۲/۱) میں حضرت عمران بن حصین ﷺ سے، عبد بن حمید نے (۱۱۵/۱) میں زید بن ارقم ﷺ سے، القضاعی نے مسند الشہاب (۷۶/۲) میں حضرت عمر و ثوبان ﷺ سے اور دیلمی نے مسند الفردوس (۱۰۲/۵) میں حضرت جابر ﷺ سے روایت کیا ہے۔

اہل حق کا غیر منقطع سلسلہ :

اس سے پہلے والی حدیث میں علماء سوء کا ذکر تھا جو بدعات وخرافات کی ناپاکیوں سے لوگوں کے ذہنوں کو گندہ کر کے گمراہی کے دلدل میں پھنساتے ہیں۔ اس کو پڑھنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیا دین قیامت تک محفوظ نہ رہے گا ؟ اور کیا لوگوں کے لئے علماء سوء کی وجہ سے ہدایت کے دروازے بند ہو جائیں گے؟ حضرت مصنفِ علامؒ نے اس سوال کے جواب کے لئے اس دوسری حدیث کو یہاں ذکر کیا ہے جس میں اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ ''میری امت میں سے ایک جماعت برابر حق پر قائم رہے گی'' اور ایک روایت میں یہ فرمایا کہ میری امت میں سے ایک جماعت اللہ کے احکام یعنی دین کی خاطر برابر جہاد کرتی رہے گی اور اپنے دشمن کو زیر کرتی رہے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک طرف علماء سوء لوگوں کو گمراہ کرنے میں لگے ہوں گے تو دوسری طرف اللہ کے نیک بندے، دین حق کے داعی اور اللہ کے شیدائی، ایسے بھی ہوں گے جو برابر حق پر قائم رہیں گے اور حق کے لئے لڑائی و جہاد کرتے رہیں گے اور دین میں تحریف وتبدیلی اور حذف واضافہ کرنے والوں کی مکاریوں اور چالوں کا پردہ فاش کرتے رہیں گے اور دین حق کو زندہ رکھیں گے۔ ایک حدیث میں حضرت ابوھریرہ اور حضرت

ابن عمر ﷺ کی روایت سے حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد آیا ہے کہ ہر بعد کے لوگوں میں سے عدول و قابلِ اعتبار حضرات اس علم (دین) کے وارث بنیں گے، اس حال میں کہ وہ اس (دین) سے جاہلوں کی تاویلات اور باطل پرستوں کے دعوؤں اور غلو پسندوں کی تحریفات کا پردہ چاک کرتے رہیں گے۔ (بیہقی فی السنن الکبریٰ: ۲۰۹/۱۰، طبرانی فی مسند الشامیین: ۳۴۴/۱، دیلمی فی مسند الفردوس: ۵۳۷/۵)

یہ کون طبقہ ہے جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے؟ علماء نے فرمایا کہ یہ اہل علم حضرات ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح، کتاب الاعتصام، باب قول النبی صلی الله علیہ وسلم " لا تزال طائفة من امتی " میں، اس جماعت کی تفسیر "اہل علم" سے کی ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد امام ابن المدینیؒ سے نقل کیا کہ اس طبقہ سے مراد "اصحاب الحدیث" یعنی محدثین کرام ہیں۔ امام حاکم نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ اگر اس سے مراد "اہل حدیث" (یعنی محدثین) نہیں ہیں تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں؟

(فتح الباری ۲۹۳/۱۳)

غرض یہ کہ حضراتِ علماء جو قرآن وحدیث کی حفاظت و اشاعت، دعوت وتبلیغ میں لگے ہوتے ہیں اور دین حق کے لئے ہر طرح کا مجاہدہ برداشت کرتے ہیں اور بدعات وخرافات، کفریات وشرکیات سے اہل دین کو بچاتے اور راہِ حق دکھاتے ہیں وہ دنیا میں برابر یہ کام وفریضہ انجام دیتے ہوئے باقی رہیں گے اور ان کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، "حتی یاتی امر الله" کا یہی مطلب ہے۔ اور ان حضرات کے بارے میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ﴿ لا یضرهم من خذلهم ﴾ کہ جو ان کو ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش کرے گا وہ ان

حضرات کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا کیونکہ اللہ ان کی حفاظت کرے گا اور ان کو تقویت دینے والے اسباب پیدا کرے گا۔

دو متعارض احادیث میں تطبیق:

اس حدیث پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب قیامت تک برابر علماءِ حق رہیں گے اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا تو قیامت جب آئے گی تو علماء حق کا طبقہ بھی دنیا میں ہوگا مگر حدیث میں آتا ہے کہ قیامت ان لوگوں پر قائم ہوگی جو انتہائی شریر ہوں گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت جن لوگوں پر قائم ہوگی وہ شریر ہوں گے۔لہٰذا علماء حق کا طبقہ اس وقت نہ ہونا چاہئے؟ اس کے متعدد جوابات علماء نے دئے ہیں ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ کسی علاقہ میں شریر لوگ ہوں گے اور کسی علاقہ میں علماء حق واہل حق ہوں گے اور وہ جگہ بیت المقدس ہوگی ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ [حتی یاتی امراللہ] اس سے مراد قیامت نہیں، بلکہ قیامت سے قبل پیش آنے والی بڑی بڑی علامات قیامت ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں جیسے ظہورِ دجال، طلوعِ شمس وغیرہ ہو جائے گا، تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس اہل حق کے گروہ کو دنیا سے اُٹھالے گا، پھر دنیا میں صرف شریر لوگ رہ جائیں گے اور ان پر قیامت آئے گی، یہ جواب پہلے جواب سے زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔ (فتح الباری:۱۳؍۷۷، ارشاد الساری:۱۵؍۲۷۲)

حدیث ﴿۲۰﴾

﴿عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ..رَفَعَہٗ .. اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ عَلٰی عِبَادِاللّٰہِ مَالَمْ یُخَالِطُوْا السُّلْطَانَ وَیُدَاخِلُوْا الدُّنْیَا فَاِذَاخَالَطُوْا السُّلْطَانَ

وَدَاخَلُوا الدُّنْيَا فَقَدْ خَانُوا الرُّسُلَ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاعْتَزِلُوْهُمْ۔ (وفی روایة: وَاجْتَنِبُوْهُمْ)﴾

(ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ علماء کرام اللہ کے بندوں پر رسولوں کے امین (اور حفاظت دین کے ذمہ دار) ہیں، بشرطیکہ وہ اقتدار سے گھل مل نہ جائیں اور (دینی تقاضوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے) دنیا میں نہ گھس پڑیں لیکن جب وہ حکمرانوں سے شیر وشکر ہوگئے اور دنیا میں گھس گئے تو انہوں نے رسولوں سے خیانت کی، پھر ان سے بچو اور ان سے الگ رہو۔

تشریح

تخریج ودرجہ حدیث

اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس: (۳/۷۵) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ وحضرتِ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام عبدالکریم القزوینیؒ نے التدوین فی اخبار قزوین (۳/۴۴۵) میں قاضی عبدالجبار ابوالحسن کی امالی سے نقل کیا ہے اور سیوطیؒ نے جامع الصغیر میں اسکو ابو نعیم، حسن بن سفیان وتاریخ حاکم کی طرف منسوب کیا ہے اور کشف الخفاء (۳/۱۱۴) میں ہے کہ عسکری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسکی روایت کی ہے۔ مگر اس کی سند ضعیف ہے اور قضاعی نے مسند شہاب (۱/۱۰۰) میں حضرت انس ﷺ سے صرف اتنے الفاظ روایت کئے ہیں "العلماء امناء الله علی خلقه"۔

مذکورہ حدیث کے بارے میں علامہ ابن الجوزی کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے،

چنانچہ انہوں نے الموضوعات (۱؍۲۶۳) میں اس کا ذکر کر کے اس کو موضوع قرار دیا ہے اور اس کے روای عمر بن حفص العبدی اور ابراھیم بن رستم کو ضعیف وکذاب قرار دیا ہے اور ابن ابی حاتم نے العلل (۲؍۱۳۷) میں فرمایا کہ میں نے اپنے والد (ابو حاتم) سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے، مگر بعض علماء نے اس حدیث پر وضع کے حکم کو مردود قرار دیا ہے اور حدیث مذکورہ بالا کو شواہدات کی روشنی میں حسن قرار دیا ہے (کشف الخفاء: ۲؍۸۴) میں عامری کے حوالہ سے اسکو حسن لکھا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اس پر حسن ہونے کا اشارہ دیا ہے اور اس کے شارح علامہ مناویؒ نے اسکو قبول کیا ہے۔ (دیکھو فیض القدیر :۴؍۳۸۳) نیز علامہ سیوطیؒ نے (اللآلی المصنوعہ:۱؍۲۲۰) میں فرمایا کہ اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں جو صحیح بھی ہیں اور حسن بھی ہیں۔ اور چالیس حدیثوں سے اوپر تک پہنچتے ہیں، اس لئے حدیث کے فن کی رو سے اس کو حسن قرار دینا چاہئے۔ (واللہ اعلم)،

اھل حق اور علماء سوء کے درمیان حد فاصل:

اس حدیث میں علماء حق وعلماء سوء کی ایک پہچان وعلامت مذکور ہے، نیز علماء حق کی ذمہ داری اور فضیلت کا بیان بھی ہے، فضیلت تو یہ کہ اس میں علماء کو ''امناء الرسل'' فرمایا گیا ہے، یعنی علماء اللہ کے بندوں پر اللہ کے رسولوں کے امین اور دین کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اُمناء امین کی جمع ہے اور امین وہ ہوتا ہے جو دوسروں کی چیزوں کو امانت کے ساتھ رکھتا اور بحفاظت ان تک پہنچاتا ہو، لہٰذا علماء وہ فضیلت مآب لوگ ہیں جو اللہ کے بندوں تک اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی شریعت واحکام کو بحفاظت پوری امانت داری ودیانت داری کے ساتھ

پہنچاتے ہوں پھر اسی جملہ سے علماء کے منصب اور ان کی ذمہ داری بھی معلوم ہوئی کہ وہ اللہ کے دین کی اور اس کے احکامات کی حفاظت اور پھر بندوں تک ان کے پہنچانے کے ذمہ دار ہیں، گویا حفاظتِ دین واشاعتِ دین دونوں ان کی ذمہ داریاں ہیں اور اس لفظ ''اُمناء'' میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ علماء کی خاص صفت امانت ہے کہ وہ دین کے معاملہ میں رتی برابر خیانت کو روا نہیں رکھتے اور اپنی عقلوں اور نفسوں کی چاہت ومطالبہ پر دین میں حذف واضافہ، ترمیم وتبدیل اور تقدیم وتاخیر نہیں کرتے، بلکہ دین وشریعت کو ''جوں کا توں'' اللہ کے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

اور حدیث مذکور میں علماء حق وعلماء سوء کی پہچان وعلامات کا بیان اس طرح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ علماء اس وقت تک اللہ کے رسولوں کے امین ہیں، جب تک کہ وہ اہلِ اقتدار واہل حکومت سے گھل مل نہ جائیں اور دنیا کے پیچھے نہ پڑ جائیں اور اگر وہ اہلِ اقتدار وسلطنت سے گھل مل جائیں اور دنیا میں ملوث ہو جائیں، تو پھر وہ رسولوں کے خائن ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ اہل حق علماء، اہل دنیا ودنیا سے دور ونفور رہتے ہیں، ان میں گھل مل نہیں جاتے اور ان کے ساتھ شیر وشکر نہیں ہو جاتے اور دنیا میں انہماک واشتغال نہیں رکھتے اور علماء سوء کی پہچان اس کے برعکس یہ ہے کہ وہ دنیا واہل دنیا کے پیچھے ذلیل وخوار ہوتے رہتے ہیں، ان سے محبت والفت رکھتے ہیں اور ہر وقت ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور دنیا کی فکر واہل دنیا کے شکر میں مشغول رہتے ہیں، اس علامت سے ان دو طبقات (علماء حق وعلماء سوء) کو اچھی طرح پہچانا جا سکتا ہے۔ اللہ کے نبی علیہ السلام نے علماء سوء کی علامت کا ذکر کر کے فرمایا کہ ان سے بچ کر رہو۔

حدیث ﴿۲۱﴾

﴿عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی ﷺ رَفَعَهُ: لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یُجْعَلَ کِتَابُ اللّٰهِ عَارًا وَیَکُوْنَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا حَتّٰی تَبْدُ وَالشَّحْنَاءُ بَیْنَ النَّاسِ، وَحَتّٰی یُقْبَضَ الْعِلْمُ وَیَهْرَمَ الزَّمَانُ، وَیَنْقُصَ عُمْرُ الْبَشَرِ، وَتَنْقُصَ السَّنُوْنَ وَالثَّمَرَاتُ وَیُؤْتَمَنَ التُّهَمَاءُ وَیُتَّهَمَ الْاُمَنَاءُ وَیُصَدَّقَ الْکَاذِبُ وَیُکَذَّبَ الصَّادِقُ، وَیَکْثُرَ الْهَرْجُ وَهُوَ الْقَتْلُ، وَحَتّٰی تُبْنَی الْغُرَفُ فَتَطَاوَلَ، وَحَتّٰی تَحْزَنَ ذَوَاتُ الْاَوْلَادِ وَتَفْرَحَ الْعَوَاقِرُ وَیَظْهَرَ الْبَغْیُ وَالْحَسَدُ وَالشُّحُّ، وَیَهْلِكَ النَّاسُ (وَیَکْثُرَ الْکِذْبُ وَیَقِلَّ الصِّدْقُ وَحَتّٰی تَخْتَلِفَ الْاُمُوْرُ بَیْنَ النَّاسِ) وَیُتَّبَعَ الْهَوٰی وَیُقْضٰی بِالظَّنِّ وَیَکْثُرَ الْمَطَرُ وَیَقِلَّ الثَّمَرُ وَیَغِیْضَ الْعِلْمُ غَیْضًا وَیَفِیْضَ الْجَهْلُ فَیْضًا وَیَکُوْنَ الْوَلَدُ غَیْظًا وَالشِّتَاءُ قَیْظًا وَحَتّٰی یُجْهَرَ بِالْفَحْشَاءِ، وَتُزْوَی الْاَرْضُ زَیًّا وَیَقُوْمَ الْخُطَبَاءُ بِالْکِذْبِ فَیَجْعَلُوْنَ حَقِّی لِشِرَارِ اُمَّتِیْ فَمَنْ صَدَّقَهُمْ بِذَالِكَ وَرَضِیَ بِهٖ لَمْ یَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ﴾

(ترجمہ :حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ اللہ کی کتاب (پرعمل کرنے) کو عار ٹھہرایا جائے گا اور اسلام اجنبی ہوجائے گا، یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان کینہ پروری عام ہوجائے گی اور یہاں تک کہ علم اٹھالیا جائے گا اور زمانہ بوڑھا ہوجائے گا، انسان کی عمر کم ہوجائے گی، ماہ وسال اور غلہ وثمرات میں (بے برکتی اور) کمی رونما ہوگی، نا قابلِ اعتماد لوگوں کو امین اور امانت دار لوگوں کو نا قابلِ اعتماد

سمجھا جائے گا، فساد اور قتل عام ہوگا اور یہاں تک کہ اونچی اونچی عمارتوں پر فخر کیا جائے گا اور یہاں تک کہ صاحب اولاد عورتیں غمزدہ ہوں گی اور بے اولاد خوش ہوں گی اور ظلم، حسد اور لالچ کا دور دورہ ہوگا، لوگ ہلاک ہوں گے، جھوٹ کی بہتات ہوگی اور سچائی کم، یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان بات بات میں نزاع اور اختلاف ہوگا، خواہشات کی پیروی کی جائے گی، اٹکل پچو فیصلے دیئے جائیں گے، بارش کی کثرت کے باوجود غلے اور پھل کم ہوں گے، علم کے سوتے خشک ہوتے جائیں گے، اور جہالت کا سیلاب امڈ آئے گا، اولاد غم وغصہ کا موجب ہوگی اور موسم سرما میں گرمی ہوگی اور یہاں تک کہ بدکاری علانیہ ہونے لگے گی، زمین کی طنابیں کھینچ دی جائیں گی، خطیب اور مقرر جھوٹ بکیں گے، حتی کہ میرا حق (منصب تشریع) میری امت کے بدترین لوگوں کے لئے تجویز کریں گے، پس جس نے ان کی تصدیق کی اور ان کی تحقیقات پر راضی ہوا، اسے جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی۔ (معاذاللہ)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو ابن ابی الدنیا، طبرانی، ابن عساکر اور ابونصر السنجری نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں کوئی خرابی نہیں "لا باس بسندہ" (کنز العمال: ۱۴/۱۱۰ حدیث: ۳۸۵۷۴)، علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں اس حدیث کو طبرانی کے حوالہ سے بعض الفاظ کے فرق اور بعض میں کمی بیشی کے ساتھ وارد کر کے فرمایا کہ اس کے بعض اطراف (جملے) صحیح میں بھی آئے ہیں، اسکو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے راوی بعض ثقہ ہیں اور بعض میں اختلاف ہے۔ (مجمع الزوائد: ۷/

۳۲۴)، میں کہتا ہوں کہ اختلاف مضر نہیں، لہٰذا حدیث حسن ہوگی۔ (واللہ اعلم)

﴿نوٹ﴾: حضرت مصنف علامؒ نے اس جگہ حاشیہ پر ایک نوٹ لکھا ہے، وہ یہ کہ بین القوسین کی عبارت کنز العمال: ۱۸۲/۷، طبع قدیم، حیدرآباد میں موجود ہے مگر طبع جدید (مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت) میں نہیں ہے۔

تعلیم قرآن کو عار سمجھ لیا جائے گا:

اس حدیث میں واقع بعض جملوں کی تشریح ماقبل میں گذ چکی ہے جہاں دوسری حدیثوں میں وہ آئے ہیں اور بعض جملے واضح المراد ہیں، لہٰذا یہاں صرف ان جملوں کی تشریح کی جاتی ہے جو اوپر مذکور نہیں ہوئے یا جن کی تشریح کی ضرورت ہے۔

(۱) ''لاتقوم الساعة حتى يجعل كتاب الله عاراً'' (قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ اللہ کی کتاب کو عار نہ بنالیا جائے گا) یعنی علاماتِ قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ قرآن پڑھنے، سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو عار و ذلت سمجھ لیں گے، جیسے بہت سے گھرانوں میں حفاظ وعلماء وطلباء کو ذلیل خیال کیا جاتا اور اس کے بالمقابل انگریزی تعلیم اور عصری علوم کو عزت کی چیز سمجھا جاتا ہے، یہ بھی دراصل اس حدیث کا مصداق ہے چنانچہ آج نہ دینی تعلیم کی اہمیت ہے نہ قرآن پاک کے حفظ کرنے اور پڑھنے کی کوئی قدر و منزلت ہے بلکہ الٹا اس تعلیم کی تحقیر و تذلیل دیکھنے کو ملتی ہے۔

اسلام اجنبی ہو جائے گا:

(۲) ''ويكون الاسلام غريباً'' (اور اسلام اجنبی ہو جائے گا)، ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ اسلام اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور عنقریب اسی حالت کی طرف لوٹ جائے

گا (مسلم: ۲۰۸، ابن ماجہ: ۳۹۷۶، احمد: ۸۶۹۳، دارمی: ۲۶۳۷) اور اجنبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اس سے اور اسکی تعلیم سے اتنے دور ہو جائیں گے کہ ان کو یہ باتیں اجنبی اور نئی معلوم ہونگی، اور لوگ آسانی سے اسکو قبول نہ کریں گے، جیسے اسلام اپنی ابتداء میں بھی اسی طرح تھا کہ صرف چند قلیل لوگوں میں رائج ہوا اور اس کو آسانی کے ساتھ قبول نہیں کیا گیا۔ فتح الملہم میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس حدیث کی شرح میں قاضی عیاضؒ سے نقل کیا ہے کہ اسلام چند قلیل لوگوں میں ظاہر ہوا، پھر وہ پھیلا اور ظاہر و غالب ہو گیا، اس کے بعد پھر اس کو نقص و خلل لاحق ہوگا یہاں تک کہ صرف چند قلیل لوگوں میں محدود ہو کر رہ جائے گا۔ (فتح الملہم: ۱/۲۸۹)

کینہ پروری عام ہوجائے گی:

(۳) "حتی تبدو الشحناء بین الناس" (حتی کہ لوگوں کے درمیان کینہ پروری عام ہو جائے گی) یعنی ایک دوسرے سے نفرت و کدورت بغض و عناد پھیل جائے گا۔ آج یہ بات بھی بہت حد تک مشاہد ہے کہ ہر آدمی دوسرے کو بُرا سمجھتا اور اس سے کینہ و نفرت رکھتا ہے الا ماشاء اللہ۔ اور اس کی وجہ دراصل خود غرضی اور دنیا طلبی ہے کہ جب آدمی کو کسی سے اپنی غرض پوری ہوتی اور دنیا ملتی نظر آتی ہے تو اس سے تعلق کا اظہار کرتا ہے ورنہ دل میں کدورت و نفرت رکھتا اور بغض و عداوت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

زمانہ بوڑھا ہوجائے گا:

(۴) "ویهرم الزمان" (زمانہ بوڑھا ہو جائے گا)، یعنی اپنی آخری عمر کو پہنچ جائے گا جس کے بعد اس کی موت و فنا ہی ہوگی۔ اور زمانہ کو بوڑھا کہکر غالباً اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ لوگ نیکیوں اور خیر کے کاموں میں سست ہو جائیں گے۔ اور شر و برائی کا دور دورہ ہوگا کیونکہ

بڑھاپا سستی کا اور عیب ونقص اور بیماری کا زمانہ ہوتا ہے، اسی طرح اس زمانہ میں انسان بھی خیر کے کاموں میں سست اور روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوں گے پھر اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اُس زمانہ کے لوگوں کی اصلاح اسی طرح مشکل ہوگی جس طرح بڑھاپے کی بیماریوں کا علاج مشکل ہوتا ہے، بلکہ عام طور پر اس کا علاج یہی ہوتا ہے کہ آدمی مرجائے اور ختم ہو جائے ،اسی طرح اس زمانہ کے لوگ جن روحانی امراض کا شکار ہوں گے،ان کی اصلاح بھی نہ ہو سکے گی یا انتہائی مشکل ہوگی۔ (واللہ اعلم)

عمر اور غذا میں کمی:

(۵) ''وینقص عمر البشر وتنقص السنون والثمرات'' (انسان کی عمر کم ہو جائے گی اور سالوں اور پھلوں میں کمی ہو جائے گی) چنانچہ پہلے کی بنسبت اس زمانہ میں عمریں گھٹ گئی ہیں اور نوجوانی وجوانی کی عمر میں بھی کثرت کے ساتھ اموات ہوتی ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ عمر میں برکت کم ہو جائے گی کہ پہلے لوگ اپنی عمر میں جتنا کام کرتے تھے، اتنا کام اتنی عمر میں نہ ہو سکے گا۔اور آج یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے ساٹھ (۶۰) ستر (۷۰) سال کی عمر میں جو کام انجام دیا، آج کے لوگ سب کے سب ملکر بھی اتنا کام نہیں کر سکتے۔ اسی طرح سالوں کی اور پھلوں کی کمی کا ایک مطلب یہ ہے کہ ان کی مقدار میں کمی ہو جائے گی جیسے ایک حدیث میں ہے کہ سال مہینہ کی طرح اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح اور دن ایک گھنٹہ کی طرح اور گھنٹہ اس طرح گذر جائے گا، جیسے کوئی آگ روشن کرے تو ایک لحظہ میں گذر جاتا ہے (ترمذی:۲۲۵۴،احمد:۱۰۵۲۱)

یعنی وقت ایسا گذر جائے گا کہ پتہ بھی نہ چلے گا اور ادھر سال ختم ہو چکا ہوگا اور پھلوں میں بھی کمی ہوگی اور اناج غلہ کم ہو جائیگا، چنانچہ آج ساری دنیا اسی کا رونا رو رہی ہے کہ آبادی کے لحاظ

سے غذا حاصل نہیں ہورہی ہے اور اسی لئے اس پر بھی محنتیں صرف ہورہی ہیں کہ اولاد نہ ہو اور بچے کم سے کم ہوں اور اناج غلہ کی کمی کا ایک مطلب یہ ہے کہ مقدار میں تو کمی نہ ہوگی، البتہ ان کی برکتیں ختم ہوجائیں گی اور پھلوں اور غلّوں کے استعمال کے باوجود نہ سیرابی ہوگی نہ قوت میں اضافہ ہوگا بلکہ بیماریاں اور کمزوریاں بڑھتی جائیں گی، یہ برکت میں کمی کا نتیجہ ہوگا، جس کا اندازہ آج کے دور میں اچھی طرح ہو رہا ہے کہ اقسام در اقسام ماکولات اور لذیذ سے لذیذ تر مشروبات کے باجود، کسی غذا میں وہ قوت و طاقت نہیں ہے جو کسی زمانے میں تھی۔

اونچی عمارات پر فخر :

(۶)"وحتی تبنی الغرف فتطاول" (اور یہاں تک کہ اونچی عمارتیں بنائی جائیں گی، اور ان پر فخر کیا جائے گا) ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے یہ پوچھنے پر کہ قیامت کی علامات کیا ہیں؟ قیامت کی علامتیں بیان فرمائیں اور ان میں یہ بھی فرمایا کہ تو دیکھے گا کہ بکریاں چرانے والے، فقیر لوگ جو ننگے پیر و ننگے جسم رہنے والے ہیں، عمارتوں پر فخر کریں گے۔

(مسلم:۹، ترمذی:۲۵۳۵، نسائی:۴۹۰۴، ابوداؤد:۴۰۷۵، ابن ماجہ:۶۲، احمد:۱۷۹)

اللہ کے نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد آج کے دور میں ایک واقعہ وحقیقت بن کر سامنے موجود ہے۔ ہر جگہ عمارات کی تجدید وتوسیع وتزئین کا سلسلہ دکھائی دیتا ہے اور امیر وغریب، شاہ وگدا، سب کے سب اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور فخر وناز کر رہے ہیں۔

اولاد ہونے پر غم اور نہ ہونے پر خوشی :

(۷)"وحتی تحزن ذوات الاولاد وتفرح العواقر" (یہاں تک کہ صاحب

اولاد عورتیں غمزدہ اور بے اولاد عورتیں خوش ہوں گی)، جب سے دنیا میں فیشن پرستی کا دور دورہ ہوا اور عیاشی وفحاشی کو فروغ حاصل ہوا، دنیا والوں کے نظریات وخیالات اور عقل وفہم کے پیمانے ہی بدل گئے، پہلے زمانوں میں عورت کا بانجھ ہونا اور بے اولاد ہونا عیب تھا اور اس کی وجہ سے عورتیں رنج وغم کرتی تھیں اور عورت کا صاحب اولاد ہونا خوشی ومسرت کا پیغام ہوتا تھا مگر اب معاملہ الٹا ہے بچوں کے ہونے پر فکر وپریشانی محسوس کرتے ہیں اور غم ورنج کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اولاد کے نہ ہونے پر خوشی ومسرت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور بچوں کے کم کرنے یا نہ ہونے کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ اور آج کل نوجوان جوڑے اپنی عیاشی وفحاشی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے پہلے ہی دن سے کوشش کرتے ہیں کہ بچے نہ ہوں اور اس کے لئے بعض لوگ دائمی طور پر مانع حمل تدابیر اختیار کرتے ہیں، شریعت میں یہ ناجائز ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کے نہ ہونے پر خوشی بھی علامات قیامت میں سے ہے۔

اٹکل سے فیصلے کا دور :

(۸) ویقضیٰ بالظن (اٹکل پچو فیصلے دیئے جائیں گے) یعنی شریعت کے احکام کا علم نہ ہونے کے باوجود اپنے قیاس وگمان کی بنیاد پر لوگ فیصلے کریں گے اور حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دیں گے اور حقدار کو محروم اور غیر حقدار کو حق دار قرار دئیں گے۔ آج بہت سی مساجد میں کمیٹی کے جاہل لوگ فیصلے کرنے کی جرأت کرتے ہیں اور من مانی فیصلے کرتے ہیں۔ یہ بھی اسکا مصداق ہے حالانکہ کسی کے معاملہ میں فیصلے کے سلسلے میں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کو لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا تو وہ بغیر چاقو کے ہی ذبح کر دیا گیا۔

(ترمذی: ۱۲۴۷، ابوداؤد: ۳۱۰۰، ابن ماجہ: ۲۲۹۹، احمد: ۶۸۴۸)

ایک حدیث میں ہے کہ قاضی (فیصلے کرنے والے) تین قسم کے ہوتے ہیں، ان میں سے ایک جنت میں ہوگا اور دو دوزخ میں ہوں گے، جنت میں وہ ہوگا جو حق کو جان کر اس کے مطابق فیصلہ کرے اور جو حق کو جان کر، ناحق کا فیصلہ کرے وہ جہنم میں ہوگا اور جو بغیر علم کے جہالت کی بنیاد پر فیصلہ کرے گا وہ بھی جہنم میں ہوگا۔ (ترمذی: ۱۳۲۴، ابوداؤد: ۳۱۰۲، ابن ماجہ: ۲۳۰۶)

غرض یہ کہ قرب قیامت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ لوگ جہالت کے باوجود اٹکل پچو فیصلے کریں گے۔

۞بارش کے باجود غلہ میں کمی:

(۹) [ویکثر المطر ویقل الثمر] (بارش خوب ہوگی مگر پھل وغلہ کم ہوگا) یہ انسانوں کے گناہوں کا وبال ہوگا، گناہوں کے وبال کی ایک صورت تو یہ ہے کہ بارشیں ہی نہ ہوں جیسا کہ بارہا ایسا ہوتا ہے اور اس کے بارے میں حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ﴿لو لا عباد الله ركع و صبيان رضع و بهائم رتع لصب عليكم العذاب صبا و رص رصا﴾

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط باسناد ضعیف، مجمع الزوائد: ۱۰/۲۲۷)

(ترجمہ: اگر اللہ کے عبادت گذار بندے اور شیر خوار بچے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے، تو تم پر (گناہوں کی وجہ سے) عذاب ڈال دیا جاتا)

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بارش تو خوب ہوتی ہے مگر اس سے باغات کے پھلنے اور کھیتیوں کے اُگنے کا فائدہ متعلق نہیں ہوتا اور اس طرح اللہ کی طرف سے گناہوں کا وبال وعذاب دیا جاتا ہے، اللهم احفظنا من غضبه و غضب رسوله.

جہالت کا سیلاب :

(۱۰) ''ویغیض العلم غیضا ویفیض الجھل فیضا'' (علم کے سوتے وچشمے خشک ہوجائیں گے اور جہالت کا سیلاب امڈ آئے گا) اس میں اللہ کے رسول علیہ السلام نے علم کو چشمہ سے اور جہل کو سیلاب سے تشبیہ دے کر علم کیلئے غیض اور جہل کیلئے فیض کا لفظ بطور استعارہ ترشیحیہ استعمال فرمایا ہے کہ غیض چشمہ کے اور فیض سیلاب کے مناسبات میں سے ہے۔ غیض کے معنی ہیں ''کنوئیں یا چشمہ کا پانی زمین کے اندر اتر جانا'' اور فیض کے معنی ہیں'' پانی کا کثرت وقوت کے ساتھ بہنا''۔

حاصل یہ ہے کہ قرب قیامت میں علم کے چشمے سوکھ جائیں گے۔ اور یہ علماء کے ختم ہوجانے سے ہوگا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علم بندوں سے چھین کر نہیں اُٹھائے گا بلکہ علماء کے مرنے اور ختم ہوجانے سے علم کو اٹھالیا جائے گا۔

(بخاری:۹۸، مسلم:۴۸۲۸، ترمذی:۲۵۷۶، ابن ماجہ:۵۱، احمد:۶۲۲۲، دارمی:۲۴۱)

اور جب علماء ختم ہونگے اور اس طرح علم کے چشمے اُبلنے کے بجائے سوکھ جائیں گے تو ظاہر ہے کہ جہل کا سیلاب امڈ آئے گا اور ہر جگہ جہالت وجاہلوں کی حکومت چلے گی، نہ اس سے مساجد بچیں گی نہ مدارس محفوظ ہوں گے، ہر جگہ جہالت کا قبضہ ہوگا۔

اولاد غم وغصہ کا سبب ہوگی:

(۱۱) ''ویکون الولد غیظا'' (اور اولاد غم وغصہ کا سبب ہوگی)، اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اولاد کا ہونا موجب غم ہوگا، جیسا کہ اوپر کے جملے میں گذرا ہے کہ صاحب اولاد عورتیں غم زدہ ہوں گی، اور دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اولاد ماں باپ کی نافرمان اور

گستاخ و بے ادب اور غلط کار ہونے کی وجہ سے ماں باپ دکھ و رنج میں مبتلا ہوں گے اور اولاد بجائے باعثِ فرحت و راحت ہونے کے باعثِ غم و رنج ہوگی۔

زمین کی طنابیں کھینچ دی جائیں گے:

(۱۲) وتزوی الارض زیا (زمین کی طنابیں کھینچ دی جائیں گے) یعنی زمین اس طرح سکڑ جائے گی کہ گویا پوری زمین ایک شہر ہے۔ چنانچہ آج اس کا مشاہدہ اچھی طرح ہوتا ہے کہ پوری دنیا ایک مربوط لڑی کی طرح ہوگئی ہے اور مسافت بعیدہ بھی قریب سے قریب تر معلوم ہوتی ہے، ہزاروں میل کا سفر، گھنٹوں میں پورا ہو رہا ہے، ایک آدمی صبح ایک ملک میں کرتا ہے تو اس کی دوپہر دوسرے ملک میں ہوتی ہے، ہوائی جہاز نے اس حدیث کی صداقت وحقانیت پر مہر تصدیق لگادی ہے۔

جھوٹے خطیب:

(۱۳) "ویقوم الخطباء بالکذب الخ" (خطیب لوگ جھوٹ بکیں گے حتی کہ میرا حق (یعنی منصبِ تشریع) میری امت کے بدترین لوگوں کے لئے تجویز کریں گے) مطلب یہ ہے کہ فاسق وفاجر اور بے ایمان لوگ اللہ کے نبی ﷺ کی شریعت کے خلاف باتیں اپنے خطبوں میں بیان کریں گے اور لوگوں کو بہکائیں گے اس میں بدعتی علماء اور پیروں کی جانب اشارہ ہے، جو اپنی تقریروں کو جھوٹی حدیثوں اور جھوٹے قصوں سے زینت دے کر شریعت وسنت کے خلاف باتوں کو لوگوں میں رائج کرتے ہیں اور منصب تشریع پیروں اور جاہل مجاوروں کے لئے مانتے ہیں اور ان کی ہانک کو شریعت کی طرح قابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ آخری جملوں میں ان کی تصدیق کرنے والوں کے لئے سخت وعید سنائی گئی ہے کہ ان کو جنت کی خوشبو بھی نہ آئے گی۔

حدیث ﴿۲۲﴾

﴿ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ یُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَیُمْسِیْ كَافِرًا اَوْ یُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَیُصْبِحُ كَافِرًا یَبِیْعُ دِیْنَهٗ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْیَا﴾

(ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان تاریک فتنوں کی آمد سے پہلے پہلے نیک اعمال کرلو جو اندھیری رات کی تہ بہ تہ تاریکیوں کے مثل ہوں گے، آدمی صبح کو مؤمن ہوگا اور شام کو کافر، یا شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر، دنیا کے چند ٹکوں کے بدلے اپنا دین بیچتا پھرے گا۔) (معاذ اللہ)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث

حضرت ابوہریرہ ﷺ سے یہ حدیث مسلم (برقم: ۱۶۹)، ترمذی: (۲۱۲۱)، احمد: (۷۶۸۷)، ابن حبان: (۹۶/۱۵)، ابوعوانہ: (۵۵/۲)، طبرانی معجم اوسط: (۱۵۶/۳)، ابویعلی: (۳۹۶/۱۱) اسحاق بن راہویہ: (۴۰۱/۱) نے روایت کی ہے اور حضرت نعمان بن بشیر ﷺ سے، احمد: (۲۷۲/۴)، حاکم: (۶۱۱/۳) نے تخریج کی ہے، مگر اس کے شروع میں [با دروا بالاعمال] کی جگہ [ان بین یدی الساعة فتنا] آیا ہے اور ابن عمر ﷺ سے بھی حاکم نے مستدرک:

(۴۸۵/۴) میں تخریج کی ہے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ سے ایک دوسرے سیاق میں شروع کے الفاظ آئے ہیں جس کو حاکم: ۴۸۷/۴ ،بیہقی (۱۰۰/۴)، ابو داؤد: (۳۷۱۸)، ابن ماجہ: (۳۹۵۱)، ابن ابی شیبۃ (۱۶۲/۶)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔طبرانی اوسط: (۲۵۴/۸)، بزار: (۱۶۸/۸)، احمد نے: (۴۰۸/۴) میں روایت کیا ہے، نیز ترمذی: (۲۱۲۳) اور ابن ابی شیبہ: (۱۶۹/۶) نے حضرت انس ﷺ سے اور طبرانی نے (معجم اوسط: ۲۹/۵) میں حضرت خدیفہ وابن عباس ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اور حدیث کا صحیح ہونا واضح ہے کہ مسلم وابن حبان نے بھی اس کی تخریج کی ہے، اور ابن عمر کی حدیث کو حاکم نے روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، مگر شیخین نے روایت نہیں کی۔ (حاکم: ۴۵۵/۴)

دنیا کے لئے دین فروشی:

اس میں اللہ کے رسول ﷺ نے فتنوں کے آنے سے پہلے نیک اعمال کے انجام دینے کی ترغیب دی ہے، کیونکہ فتنوں کے وقت آدمی ایسی پریشانیوں میں گھر جاتا ہے کہ بسا اوقات نیکیوں اور طاعتوں کی طرف توجہ مشکل ہو جاتی ہے اور اعمال کو بکمال و بتمام ادا کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

''بادروا'' مبادرت سے ہے جس کے معنی ہیں ''جلدی کرنا'' اور معنی یہ ہیں کہ اعمال صالحہ انجام دینے میں چستی وجلدی کرو کیونکہ اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح آنے والے فتنے اپنے میں ایسا مشغول کر دیں گے کہ ان کو اپنے تمام شرائط وآداب کے ساتھ ادا کرنا ایک مسئلہ بن جائے گا۔ اور اس حدیث میں فتنوں کو ''اندھیری رات کے ٹکڑوں'' سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اس تشبیہ کی وجہ ملا علی قاریؒ نے یہ بیان کی ہے کہ اندھیری رات جس طرح بدصورت

ڈراؤنی اور ہیبت ناک ہوتی ہے، اسی طرح قیامت کے قریب ظاہر ہونے والے یہ فتنے بھی انسان کو دہشت و وحشت میں مبتلا کر دینے والے ہوں گے اور جسطرح رات آتی ہے، تو اس کا سبب معلوم نہیں ہوتا اور نہ اس سے خلاصی کا کوئی راستہ معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ان فتنوں کا کوئی ظاہری سبب معلوم نہ ہوگا۔ اور نہ اس سے نجات پانے اور خلاصی حاصل کرنے کی کوئی تدبیر معلوم ہوگی اسلئے ان کو رات کی تاریکیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(خلاصہ از مرقات: ۱۱۶/۱۰)

اور تشبیہ کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جسطرح رات کی تاریکیاں تہہ بہ تہہ ہوتی ہیں، اور لگا تار ایک دوسرے سے مل کر چلی آتی ہے، اور ایک ایسا تسلسل ان میں قائم ہوتا ہے کہ تاریکی کا ایک جزء دوسرے جزء سے اس طرح مربوط ہوتا ہے کہ سب تاریکیاں مل کر "شی واحد" معلوم ہوتی ہے، اسی طرح آنے والے فتنے مسلسل اور لگا تار اور پے در پے آئیں گے اور درمیان میں کوئی فصل اور خلاء نہ ہوگا اور لوگوں کو غور کرنے کے لئے کوئی وقت اور مہلت نہ ملے گی۔ (اس وجہ تشبیہ کی طرف علامہ نوویؒ کے کلام میں اشارہ ملتا ہے) (دیکھو، شرح مسلم: ۷۵/۱)

پھر نبی کریم ﷺ نے ان فتنوں کی شدت اور انتہائی نزاکت کا ذکر کرتے ہوئے ایک خاص بات ذکر کی ہے کہ اس وقت یہ حال ہوگا کہ آدمی صبح مومن ہوگا اور شام میں کافر ہوگا، یا شام میں مومن ہوگا تو صبح کافر ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ دنیا کی خاطر وہ امر دین میں تذبذب کا شکار ہو جائے گا، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: وحاصله التذبذب فی امر الدین والتتبع لا مر الدنیا۔

(مرقات: ۱۱۶/۱۰)

اور دین میں شک وتر دد کرنا، کفر و بے ایمانی ہے، غرض دنیا کی محبت کا فتنہ ایسا ہوگا کہ لوگ اپنا ایمان معمولی سے دنیوی مال کی خاطر بیچ دیں گے۔ یہ مال ودولت اور دنیوی چیزوں اور دنیوی زندگی کی محبت کا فتنہ ہوگا، جس میں دین کو بچانا مشکل ہو جائے گا، چنانچہ آج اس کے بہت سے آثار دکھائی دیتے ہیں کہ لوگ حبِ دنیا میں گرفتار ہو کر حرام چیزوں کو حرام قرار دینے میں تذبذب کرتے ہیں، سود کی حرمت کا کتنے مسلمانوں کے اندر سے تصور تک نکل گیا ہے، اگر لینے میں احتیاط کرتے بھی ہیں تو سود دینے کی برائی دلوں میں باقی نہیں رہی۔ اسی طرح اور چیزوں میں بھی دیکھا جاتا ہے، کہ جب علماء کسی حرام چیز کو حرام کہتے ہیں یا کسی فرض کام کی اہمیت بیان کرتے ہیں، تو لوگ اس پر چیں بجبیں ہوتے اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے یا اس حرمت والی بات کو قبول نہیں کرتے۔ کیا اس کے باوجود ایمان باقی رہ سکتا ہے؟ اور فرائض بیان کرنے پر بھی علماء کو بُرا بھلا کہتے ہیں، جو دراصل علماء کی بُرائی نہیں، بلکہ اللہ ورسول کی بُرائی ہے۔ اس طرح دنیا کی خاطر ایمان کھو بیٹھتے ہیں۔ اے اللہ۔ ہم کو فتنوں سے بچا اور ایمان پر خاتمہ عطا فرما (آمین)

فائدہ:

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ہم نے اس قسم کے لوگوں کو دیکھا ہے جو محض بے عقل صورتیں اور بے بصیرت جسم ہیں، جو دوزخ کے پروانے اور حرص وطمع کے پیاسے ہیں، ہر صبح دو درھم لے کر جاتے ہیں اور شام کو دو درھم لے کر واپس ہوتے ہیں اور اپنے دین کو ایک جانور کی قیمت کے بدلے بیچ دیتے ہیں۔

(مستدرک حاکم ۴/۶۱۱ مسند احمد ۴/۲۷۲)

حدیث ﴿۳۳﴾

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُحَدِّثُ اِذْجَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ ؟ قَالَ: اِذَا ضُيِّعَتِ الْاَمَانَةُ، قَالَ: كَيْفَ اِضَاعَتُهَا ؟ قَالَ: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ﴾

(ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ اس اثناء میں کہ نبی کریم ﷺ کچھ بیان فرما رہے تھے، اچانک ایک اعرابی آیا اور عرض کیا (یا رسول اللہ) قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: جب امانت اٹھ جائے گی، اعرابی نے کہا: امانت اُٹھ جانے کی صورت کیا ہوگی؟ فرمایا: جب اختیارات نااہلوں کے سپرد ہو جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

تشریح

۞ تخریج ودرجۂ حدیث .

اس حدیث کو بخاری: (۸۵۷)، احمد: (۸۳۷۴)، ابن حبان: (۱/۳۰۷)، بیہقی: (۱۰/۱۱۸)، دیلمی: (۱/۳۲۵) نے روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے۔

۞ امانت میں خیانت اور نااہلو ں کا تسلط:

مطلب ومفہوم، ترجمہ سے ظاہر ہے، البتہ اس کے ضمن میں یہ بات واضح کرنی ضروری ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے قیامت کب آئے گی؟ کے جواب میں اس کی علامت کا ذکر فرمایا

کیونکہ قیامت کا صحیح علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہے، نہ کسی رسول و نبی کو، نہ کسی مقرب فرشتہ یا ولی کو، لہٰذا آپ نے قیامت کی ایک اہم علامت ذکر فرمائی، وہ یہ کہ قیامت کے قریب امانت ضائع کی جائے گی یعنی امانت میں خیانت کا ارتکاب (کثرت) سے کیا جائے گا۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا کہ امانت کے ضائع ہونے کی شکل کیا ہوگی؟ تو فرمایا کہ جب نااہل لوگوں کو ذمہ داری سونپی جائے، تو سمجھو کہ قیامت قریب ہے، لہٰذا اس کا انتظار کرو۔

ملا علی قاریؒ اور علامہ ادریس کاندھلویؒ نے فرمایا کہ امر سے مراد سلطنت وحکومت، امارت وقضاء ہے اور نا اہل سے مراد وہ ہے جس میں ان امور کے حقدار ہونے کی شرائط نہ پائی جائیں، جیسے عورتیں، بچے، جاہل وفاسق لوگ، بخیل وبزدل لوگ اور غیر قریشی اور اسی پر دوسرے اولی الامر اور اصحابِ مناصب کو قیاس کرلو، جیسے تدریس، فتویٰ، امامت وخطابت وغیرہ، جن پر اہل زمانہ فخر کرتے ہیں، (کہ اگر یہ بھی نااہل لوگوں کے سپرد کئے جائیں، تو قیامت کا انتظار کرو)
(مرقات ۱۰/۱۶۴، التعلیق الصبیح: ۶/۱۸۹)

نیز ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ (یہ نااہل کے سپرد کیا جانا) قربِ قیامت پر اس لئے دلالت کرتا ہے کہ یہ بات، امر (خلافت وامارت) میں خلل، نظام دین کی عدم تکمیل، امور دین میں ضعف اور احکامِ اسلام میں کمزوری تک پہنچادیتی ہے۔ (مرقات ۱۰/۱۶۴)

غرض یہ کہ کسی بھی شعبہ سے متعلق ذمہ داری جب کسی نااہل شخص کے حوالہ کی جائے، تو اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کام وذمہ داری میں خلل وضعف پیدا ہوجاتا ہے، جو اسلام ودین کے ضعف کو مستلزم ہوتا ہے، اور اگر یہی صورت حال باقی رہے تو دین، دنیا سے اٹھ جائے گا اور قیامت برپا ہوجائے گی۔ افسوس کہ آج ہم سب اس صورت حال سے دوچار ہورہے ہیں، مختلف اہم

مناصب وعہدوں پر نااہل لوگوں کا تسلط ہے بلکہ نااہل لوگوں کو مسلط کیا جارہا ہے اور اہل اور حقدار لوگوں کو نااہل قرار دیکر محروم کیا جارہا ہے، اور یہ صورتِ حال نہ صرف ان عہدوں اور مناصب میں پیش آرہی ہے جو سیاست وحکومت سے متعلق ہیں بلکہ ان امور میں بھی اس صورتِ حال نے اپنا اثر ونفوذ پھیلانا شروع کردیا ہے جو خالص دینی وعلمی کہلاتے ہیں جیسے امامت، خطابت، تدریس، فتویٰ وغیرہ کہ ان مناصب پر بھی نااہل لوگوں کا تسلط ہے یا ان کو مسلط کیا جارہا ہے جس کا نتیجہ میں دین میں ضعف پیدا ہوگا اور آخرکار قیامت قائم ہوجائے گی، مساجد اور مدارس پر جاہلوں اور فاسقوں کا تسلط وقبضہ اور ان میں ان کی من مانیاں اور انا پرستیاں شرارتیں اور جہالتیں، جو گل کھلارہی ہیں وہ سبھی کے سامنے آشکارہ ہیں اور اس کے نتیجہ میں امورِ اسلام وعلوم دینیہ میں روز بروز ہونے والا ادبار وتنزل اور بدعات وخرافات کو حاصل ہونے والا فروغ وترقی بھی واضح ہے، اسی کو حدیث پاک میں قیامت کی علامت کہا گیا ہے۔

حدیث ﴿۲۸﴾

﴿عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا: اِذَا اسْتَحَلَّتْ اُمَّتِيْ خَمْسًا فَعَلَيْهِمُ الدَّمَارُ، اِذَا ظَهَرَ فِيْهِمُ التَّلَاعُنُ، وَلَبِسُوا الْحَرِيْرَ وَاتَّخَذُوا الْقِيْنَاتِ وَشَرِبُوا الْخُمُوْرَ، وَاكْتَفَى الرِّجَالُ بِالرِّجَالِ وَالنِّسَاءُ بِالنِّسَاءِ﴾

(ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب میری امت پانچ چیزوں کو حلال سمجھنے لگے گی تو ان پر تباہی نازل ہوگی، جب ان میں باہمی لعن طعن عام ہوجائے، مرد ریشمی لباس پہننے لگیں، گانے بجانے اور ناچنے والی عورتیں رکھنے

لگیں، شرابیں پینے لگیں، اور مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے جنسی تسکین پر کفایت کرنے لگیں۔ معاذ اللہ۔

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث :

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیہقی نے دوسندوں کے ساتھ شعب الایمان: (۳۴۸/۴) میں، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء: (۱۲۳/۶) میں، طبرانی نے معجم اوسط: (۱۸/۲) ومسند الشامیین: (۲۹۷/۱) میں روایت کیا ہے، طبرانی نے معجم اوسط میں خمسًا کی جگہ ستًا روایت کیا ہے، امام بیہقی نے فرمایا کہ اس کی دونوں سندیں اگر چہ غیر قوی ہیں، تاہم جب ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو ان میں قوت آجاتی ہے، اور علامہ علی متقی نے کنز العمال: (۱۰۲/۱۴) میں اور علامہ منذری نے الترغیب: (۱۷/۳) میں اس حدیث کو بیہقی سے روایت کر کے ان کی اس بات کو بلا جرح نقل کیا ہے، جس سے ان کا اس سے متفق ہونا معلوم ہوتا ہے اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد: (۳۳۱/۷) میں اسکو طبرانی کی معجم کے حوالہ سے نقل کر کے فرمایا کہ اس کی سند میں عباد بن کثیر ہے، جس کی یحیٰی بن معین وغیرہ نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

غرض یہ کہ یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ مختلف فیہ راوی کی حدیث کا یہی حکم ہے۔

دو روایات میں تطبیق :

اس میں پانچ باتوں کو حلال سمجھنے پر امت کی تباہی وغارت گری کی وعید سنائی گئی ہے اور جو بعض روایات میں پانچ کی جگہ چھ باتوں کا ذکر ہے ان میں بھی بلاکم وکاست یہی باتیں آئی ہیں، جیسے طبرانی کی حدیث میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پانچ ہی باتیں جب بیان ہوئی ہیں تو ان کو

چھ کیوں کہا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید راوی چھٹی بات نقل کرنا بھول گیا ہو، جیسا کہ بعض جگہ حدیثوں میں ایسا ہوا ہے، جیسے "عشر من الفطرة" والی حدیث میں راوی نے صرف نو چیزیں بیان کی ہیں اور دسویں بات کو بھول گیا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ان پانچ باتوں میں سے جو آخری بات ہے، بعض نے اسکو دو حصوں میں کر کے دو باتیں شمار کر لیں اور بعض نے ان دو کو ملا کر ایک شمار کر لیا، تو ایک صورت میں وہ شمار میں چھ ہو گئیں اور ایک صورت میں پانچ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود اللہ کے نبی علیہ السلام نے کبھی آخری دو باتوں کو ملا کر ایک شمار کر لیا ہو اور پانچ کہا ہو اور کبھی ان کو الگ الگ شمار کر کے چھ فرمایا ہو، مگر یہ امکان بعید ہے کیونکہ حدیث ایک ہی ہے۔ (واللہ اعلم)

پھر یہاں ایک اور اشکال بھی ہے، وہ یہ کہ اس حدیث میں فرمایا گیا [اذا استحلت اُمتی] یعنی "میری امت جب ان پانچ باتوں کو حلال سمجھنے لگے" اور بیہقی کی ایک روایت میں "استعملت" اور مسند الشامیین میں "صنعت" اور حلیۃ الاولیاء میں "عملت" کے الفاظ آئے ہیں اور ان سب کا ترجمہ ہے "عمل کرنا" مطلب یہ ہے کہ ان روایات کے مطابق یہ وعید ان پانچ باتوں کے کرنے اور اختیار کرنے پر ہے، جب کہ پہلی روایت کے مطابق یہ وعید ان کاموں کے حلال سمجھنے پر ہے، سوال یہ کہ ان دو باتوں میں تعارض ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان تطبیق ہو سکتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جن روایات میں ہے کہ ان اعمال کے کرنے پر امت ہلاک ہوگی، وہاں مراد حلال سمجھ کر کرنا ہے، لہٰذا دونوں قسم کی روایات اپنی جگہ صحیح ہیں یا تطبیق کی یہ صورت ہوگی کہ "حلال سمجھنے" سے مراد یہ لیا جائے کہ حلال سمجھنے والوں کی طرح لا پرواہ ہو کر ان کاموں کو کیا جائے، اس طرح مراد یہ ہوگی کہ اگر میری امت ان پانچ باتوں کو

حلال سمجھنے والوں کی طرح بے پرواہ ہو کر کرنے لگے تو اس پر ہلاکت آئے گی، اور تطبیق کی پہلی صورت پر اس سے کفر لازم آئے گا جبکہ دوسری صورت میں فسق ہوگا۔(۱)

﴿اب وہ پانچ چیزیں ملاحظہ فرمائیں﴾

لعن طعن کا ظہور

(۱)''اذا ظهر فيهم التلاعن'' (یعنی جب ان میں باہمی لعن طعن عام ہو جائے) جیسا کہ آج دیکھنے میں آرہا ہے کہ لوگ ہر کسی سے بدظن اور ہر کسی کے خلاف بدزبانی و بدکلامی اور لعن طعن پر آمادہ نظر آتے ہیں، چاہے وہ کوئی ہو۔نہ اسلاف کو بخشتے ہیں، نہ اخلاف کو، نہ اچھوں کو، نہ بُروں کو، نہ بڑوں کو، نہ چھوٹوں کو، اسی طرح مختلف جماعتیں اور پارٹیاں ایک دوسرے پر لعن طعن کرتی ہیں اور ایک دوسرے کی تغلیط و تردید، تفسیق و تکفیر کرتی ہیں، یہ سب اس حدیث کا مصداق ہے۔مگر یہاں جاننا چاہئے کہ اس لعن طعن اور تکفیر و تفسیق سے مراد وہ ہے جو محض تعصب و جہالت اور نفسانیت و شرارت کی بنا پر ہو اور جو حضرات علماء کسی کی تردید و تکفیر کرتے ہیں جس کا مقصد ''شہادت علی الحق'' کا فریضہ انجام دینا اور لوگوں کو گمراہی سے بچانا ہوتا ہے، وہ اس میں

---

(۱) بندہ نے اس تطبیق کے بعد فتح الباری دیکھی تو اس میں ایک اور حدیث جو اس کتاب میں نمبر ۲۷ پر آرہی ہے، اس کی تشریح میں یہی دو صورتیں ابن العربی کے حوالہ سے ابن حجرؒ نے ذکر کی ہیں۔ان کی عبارت یہ ہے۔قال ابن العربي يحتمل ان يكون المعنى يعتقدون ذالك حلالاً ويحتمل ان يكون ذالك مجازاً على الاسترسال اى يسترسلون فى شربها كا لاسترسال فى الحلال، (فتح البارى : ۱۰/۵۵) (الحمد لله الذى وفقنى للمعنى الذى ذهب اليه السلف) ۔(واللہ اعلم)

داخل نہیں، ہاں جو علماء سوء محض اپنی بدعات وخرافات کے رواج دینے کے لئے علماء حق پر لعن طعن کرتے ہیں، وہ اس کا ضرور مصداق ہیں۔ (فافہم)

❁ ریشمی لباس کا عام ہونا:

(۲) ''ولبسوا الحریر'' (اور (مرد) ریشمی لباس پہننے لگیں)، ریشمی لباس مردوں پر حرام ہے، اگر یہ عام ہوجائے اور مرد بھی عورتوں کی طرح اسکو پہننے لگیں تو تباہی کی علامت ہے۔

❁ گانے بجانے کا عام رواج:

(۳) '' واتخذ والقینات '' (جب گانے والیوں کو اپنے پاس رکھیں)، یہ عام ہے خواہ گانے والیوں کو رکھیں یا ان کے گانوں کو رکھیں، چونکہ آپ ﷺ کے زمانہ میں گانے کے شوقین لوگ گانے بجانے والیوں کو رکھ کر ان سے گانے سنتے اور ان کا ناچ دیکھتے تھے، اس لئے حضور ﷺ نے اسی کا ذکر کیا ہے مگر اب گانے والیوں کی جگہ ان کے گانے اور ناچ کی کیسٹیں بکتی اور ملتی ہیں اور اس کے شوقین لوگ ان کو جمع کرتے، دیکھتے اور سنتے ہیں، اسی کے عام ہوجانے کو رسول اللہ ﷺ نے ہلاکت کا سبب بتایا ہے۔ ہائے افسوس کہ آج مسلمانوں کے بیشتر گھروں میں گانے بجانے کی اور مختلف قسم کی فلموں کی آڈیو اور ویڈیو، کیسٹوں کی بھرمار نظر آتی ہے اور گھر کے مرد وعورت، بچے و بڑے، سب بلا کسی جھجک کے ان کو سنتے اور دکھتے ہیں، حالانکہ امت پر مختلف قسم کے عذابات آرہے ہیں، مگر ان باتوں سے بچنے کا کوئی خیال مسلمانوں میں اب تک پیدا نہیں ہوا۔

❁ نشہ بازی کا دور:

(۴) ''وشربوا الخمور'' (اور شرابیں پینے لگیں) بعض احادیث میں ہے کہ شراب

کا نام بدلکر (شربت ومشروب کہکر)لوگ پئیں گے، آج نشہ سے لذت اندوزی عام ہوتی جارہی ہے، نوجوانوں میں اور بالخصوص اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والوں میں اس کا رجحان بڑھتا جارہا ہے اور بے شمار لڑکے بلکہ لڑکیاں بھی نشہ کی مختلف قسم کی ادویات اور ڈرگس کی عادی ہوچکی ہیں۔افیون، مارفیا، کوکین، گانجہ، ہیروئن وغیرہ کا رواج ورجحان بڑھتا جارہا ہے اور نہ صرف یہ بلکہ اس کے علاوہ نشہ بازی کے اور بھی عجیب طریقے اختیار کئے جارہے ہیں:

(۱) محرکِ دماغ واعصاب دوائیوں کا استعمال خوب ہورہا ہے اور ان کو سوئی سے رگ کے راستے جسم میں پہنچایا جاتا ہے۔

(۲) نشہ آور مختلف دواؤں کو ایک ساتھ استعمال کیا جاتا ہے جس سے انسان نیم بے ہوشی کی کیفیت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔(نوجوان تباہی کے دہانے پر:ص ۱۹۰)

اسلام میں شراب کی حرمت ایک متفقہ اور مسلمہ مسئلہ ہے اور نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ اسلام کی نظر میں شراب ایک منحوس اور ناپاک اور بدترین چیز ہے اور اس کی حرمت کا بیان اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اور اسلام کی اس تعلیم اور حکم کے علاوہ طبی اعتبار سے بھی شراب ایک خطرناک چیز ہے اور اسکے اثرات نہ صرف اشخاص پر، بلکہ پورے سماج پر مرتب ہوتے ہیں۔

اطباء نے شراب نوشی کے نقصانات پر بہت کچھ لکھا ہے، ان میں سے بعض اہم باتیں یہ ہیں:

(۱) شراب کی وجہ سے معدہ کی خطرناک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، کیونکہ شراب نوشی کی وجہ سے خون میں موجود ''لائیپڈ'' جو ایک خاص قسم کی چربی، معدہ کے لئے حفاظتی تہہ مہیا کرتی ہے، وہ

تحلیل ہو جاتی ہے۔

(۲) شراب کا سب سے زیادہ نقصان دہ اثر بارہ انگشتی آنت پر ہوتا ہے اور ہاضمہ میں کام آنے والے لعاب کے خارج ہونے کی صلاحیت کو متاثر کرتی ہے اور اس طرح شراب کا عادی ہمیشہ آنتوں اور معدے کی بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے۔

(۳) اسی طرح شراب کا اثر جگر اور گردہ پر بھی خطرناک حد تک ہوتا ہے، گردے انتہائی حساس کیمیائی جوہر کی ملاپ (valence) کے مقام پر چھلنی کا کام دیتے ہیں، شراب اس عمل کو تہہ و بالا کر دیتی ہے۔

(۴) امراض قلب کی آج جو بہتات نظر آتی ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شراب کا استعمال زیادہ ہو رہا ہے اطباء کا کہنا ہے کہ جسم میں زیادہ گرمی پیدا کرنے والے الکحل کی اقسام مثلاً برانڈی اور وہسکی سے انسان کی حرکتِ قلب بند ہو جانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

(۵) اور اس کا ایک واضح اثر یہ ہے کہ دماغی امراض لاحق ہوتے ہیں اور دماغ کی کارکردگی سست پڑ جاتی ہے اور اس سے جو امراض لاحق ہوتے ہیں، ان میں نسیان، مرگی، سر چکرانا، نیند کی کمی، مالیخولیا، پاگل پن، سوچنے اور قوتِ فیصلہ میں کمی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی تفصیل کے لئے مولانا محمد انور بن اختر صاحب کی کتاب [نوجوان، تباہی کے دھانے پر] کا مطالعہ کیجئے

اب اس منحوس شراب کے معاشرہ پر خطرناک اثرات بھی پڑھئے:

(۱) مخمور انسان ایسی ایسی عجیب، نازیبا اور انسانیت سوز حرکات کا ارتکاب کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ کوئی باوقار انسان انہیں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔

(۲) شرابیوں میں زود رنجی یا غصہ کی بنا پر فوری حملہ کے جذبات، ان لوگوں کو لا تعداد

تنازعات میں الجھائے رکھتے ہیں۔شراب میں بدمست کبھی جوش میں آ کر گالیاں بکنے، مرنے مارنے پر اُتر آتا ہے، کبھی رونے لگتا ہے اور کبھی خوف زدہ ہوکر کانپنے لگتا ہے۔

(۳) شراب کی وجہ سے لاتعداد و متواتر طلاقوں کا سلسلہ قائم ہے جو معاشرے کے بنیادی ڈھانچوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔

(۴) مختلف قسم کے کام کرنے والے مزدوروں اور کاری گروں پر شراب کی وجہ سے بے دلی اور کاہلی کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس طرح ان کی کارکردگی اور مہارت پر شراب کی وجہ سے برا اثر پڑتا ہے جس کا آخری نقصان معاشرے کو پہنچتا ہے۔

(۵) شراب کی وجہ سے انسانوں میں ایک دوسرے کے لئے سخت دلی اور سنگ دلی پیدا ہو جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قومی مسائل کے بارے میں غور و فکر کے لئے انسان آمادہ ہی نہیں ہوتا اور صرف خود غرضانہ ذہنیت اس میں پرورش پاتی ہے۔

(۶) شیطان شراب اور جوے کے ذریعہ انسانوں کے درمیان منافقت اور فساد پیدا کرتا ہے، اس لئے خدا تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں فرمایا (جس کا ترجمہ یہ ہے): [یہ گندے کام شیطانی عمل ہیں، پس ان سے بچتے رہو تا کہ تمہاری زندگی اچھی گذرے]، گویا یہ کام ہلاکت و بربادی کے موجب ہوتے ہیں۔

(تلخیص از نوجوان، تباہی کے دھانے پر: ص ۲۰۵)

❁ ہم جنس پرستی کا رجحان:

(۵) ''واکتفی الرجال بالرجال والنساء بالنساء'' (مرد، مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے جنسی تسکین پر اکتفاء کرنے لگیں) مردوں کا مردوں پر اکتفاء کرنا، انہی سے

جنسی تسکین حاصل کرنا، قومِ لوط کا وہ بدترین فعل ہے، جس پر خدا تعالیٰ نے ان پر پتھروں کی بارش کا عذاب بھیجا، جس کا ذکر قرآن پاک میں متعدد مواقع پر ہوا ہے، اور اللہ تعالےٰ نے ان کی بستیوں کو ایک عبرت گاہ کی حیثیت سے پیش فرمایا ہے، ایک جگہ ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿فجعلنا عاليها سافلها و امطرنا عليهم حجارة من سجيل ان في ذٰلك لاٰيٰت للمتوسمين ۔ و انها لبسبيل مقيم﴾

(سورۂ الحجر: ۷۴ تا ۷۶)

(ترجمہ: پھر ہم نے ان بستیوں کو الٹ کر اُنکے اوپر والے حصہ کو نیچے کر دیا اور ان لوگوں پر کنکر کے پتھر برسائے، اس واقعہ میں اہل بصیرت کے لئے بہت سی عبرتیں ہیں اور ان کی یہ بستیاں لب سڑک واقع ہیں۔)

اور احادیث میں حضرت نبی کریم ﷺ سے اس کام کی مذمت اور بُرائی اور اس کے بارے میں سخت قسم کی وعیدیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو یہ کام کرتے ہوئے پاؤ اس کو قتل کر دو۔ (کنز العمال: ۵/۱۳۴)

اور ایک حدیث میں فرمایا کہ اس کام کے کرنے والے کو سنگسار کر دو (حوالہ سابق)

علامہ الذہبیؒ نے اپنی کتاب الکبائر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی مرد مرد سے یہ حرکت کرتا ہے تو رحمٰن کا عرش اللہ کے غضب کے خوف سے کانپ اُٹھتا ہے اور آسمان گرنے کے قریب ہو جاتے ہیں پس اللہ کے فرشتے آسمان کے اطراف کو تھام لیتے اور سورۂ اخلاص پڑھنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اللہ کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔ (کتاب الکبائر: ص ۴۸)

اور حضرت ابوھریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار آدمی ہیں جو اللہ

کے غضب میں صبح کرتے اور اللہ کی ناراضی میں شام کرتے ہیں، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جو مرد عورتوں جیسا بنے، جو عورت مرد جیسی بنے، جو جانوروں سے بدفعلی کرے اور جو مردوں سے بدفعلی کرے۔ (الکبائر للذھبی: ص ۴۸)

پھر اس عملِ بد کے جو طبی نقصانات ہیں وہ مزید، چنانچہ علماء طب نے اس عملِ بد کے طبی نقصانات پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ:

(۱) اس کام کے ارتکاب کرنے والے عورت کے قابل نہیں رہتے، اور عورت کے حق کا ادا کرنا ان کے بس کا نہیں ہوتا۔

(۲) ایسے شخص کو مختلف قسم کے امراض لاحق ہوتے ہیں جن میں سے ایک یہ کہ اس کے اعصاب کمزوری اور ضعف کا شکار ہو جاتے ہیں۔

(۳) اس کے اخلاق پر بھی اس بدعملی کا اثر مرتب ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ فحش و برائی کا عادی بن جاتا ہے۔

آج کی دنیا میں یہ برائی بھی عام ہے اور بعض ممالک میں اس بدکاری کو قانوناً جائز قرار دیا گیا ہے اور یہ قانون دراصل وہاں کے عوام کے مطالبہ پر منظور کیا گیا ہے جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آج کس قسم کی ذہنیت پرورش پا رہی ہے۔

انگلستان میں عوام کے مسلسل مطالبے اور ان مطالبات کی مختلف تنظیموں اور اداروں کی جانب سے پُر زور و پُر شور سفارشات کی بنا پر اس غیر فطری عمل کو قانونی جواز دینے کے لئے ایک بل ۴ر جولائی ر ۱۹۶۷ء کو ہاؤس آف کامنس نے ۱۴ مخالف اور ۶۹ موافق ووٹوں سے منظور کیا، اس کے بعد یہ بل، ہاؤس آف لارڈز میں گیا اور وہاں سے بھی منظوری کے بعد ملکہ معظمہ کے

دستخط ہو کر ۲۸/ جولائی ۱۹۶۷ء سے قانون بن گیا۔ (فریبِ تمدن، از اکرام اللہ یم اے)

اسی پر بس نہیں کہ اس خلافِ فطرت حرکت کو قانون بنا دیا گیا ہے بلکہ بعض ملکوں میں مردوں کے آپس میں نکاح بھی ہو رہے ہیں۔ فریب تمدن کے مصنف نے لکھا ہے کہ: ابھی حال کی خبر ہے کہ ہالینڈ کے مشہور شہر راٹرڈم (ROTER- -DEM) کے کیتھولک گرجا میں فلاں پادری صاحب نے پورے مسیحی قاعدے وضابطے کے مطابق ایک عقد (نکاح) پڑھا، فلاں صاحب اور فلاں صاحبہ کے درمیان نہیں بلکہ فلاں صاحب اور فلاں صاحب زادہ کے درمیان، شوہر فلاں مرد اور بیوی فلاں مرد، اور جب کچھ لوگوں نے اُونچے پادریوں کے سامنے احتجاج کیا تو وہاں سے بھی احتجاج مسترد کر دیا گیا، اس عجیب وغریب عقد کے جوڑے کی تصویریں برطانیہ کے معروف ومقبول ہفتہ وار [نیوز آف دی ورلڈ] مؤرخہ ۹/ جولائی ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی ہیں۔

(فریب تمدن: ص ۲۴۰)

اسی طرح عورتوں کا عورتوں سے جنسی تسکین حاصل کرنا بھی بدترین فعل ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کا آپس میں ملنا آپسی زنا کاری ہے۔

(شعب الایمان: ۳۸۶/۴، وابو یعلی: ۳۸۶/۱۳)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کا مرد سے بدفعلی کرنا تو قومِ لوط سے چلا آ رہا ہے مگر عورتوں کا عورتوں سے بدفعلی کرنا، اس اُمت کے منحوس لوگوں کی ایجاد ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قوم لوط کی دس خصلتیں تھیں، پھر ان دس خصلتوں کو بیان کرتے ہوئے ایک لواطت کو بیان کیا ہے پھر فرمایا کہ

یہ امت ان دس پر ایک کا اضافہ کرے گی یعنی عورتوں کا عورتوں سے بدفعلی کرنا۔

(الکبائر: ص ۴۸)

آج اس وباء کا دائرۂ اثر بھی پھیلتا جا رہا ہے۔ فریب تمدن کے مصنف اکرام اللہ یم اے لکھتے ہیں:

''عورتوں میں استلذاذ بالمثل کا اضافہ نہ صرف امریکہ میں بلکہ دنیا کے تمام دوسرے ملکوں میں برابر ہو رہا ہے، مشہور ماہرِ نفسیات ڈاکٹر چارلس موکر پڈس نے نیو یارک میں منعقد ہونے والی ماہرین نفسیات کی انجمن کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ عورتوں کی خلافِ فطرت جنسی بدکاریوں کا مسئلہ دنیا بھر میں ایک نازک صورت اختیار کر گیا ہے، اور اس کی شدت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ماہرین اور سوسائٹی نے اب تک عورتوں کے اس جنسی رجحان کو نظر انداز کیا ہے، یہاں تک کہ جن ملکوں میں مردوں کی خلافِ فطرت شہوانی زندگی پر قانونی پابندیاں لگائی گئی ہیں وہاں بھی یہ قانون عورتوں کی باہمی بداعمالی پر نافذ نہیں ہوتا اور یہ عملِ شنیع برابر بڑھتا ہی جا رہا ہے، گو اس سلسلہ میں صحیح اعداد و شمار دریافت نہیں ہو سکے ہیں، تاہم اندازہ یہ ہے کہ برطانیہ میں دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے مردوں کے خلافِ فطرت اعمال میں اضافہ ۶۰۰ فیصدی کا ہو گیا ہے، اس کا ردعمل عورتوں پر ہونا ضروری تھا۔ (فریبِ تمدن: ص ۲۳۹)

غرض یہ کہ پانچ باتیں امت میں عام ہو جائیں، تو اللہ کے نبی علیہ السلام نے اس پر ہلاکت و بربادی کی وعید سنائی ہے۔

حدیث ﴿۲۵﴾

﴿عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا: یُمْسَخُ قَوْمٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فِیْ آخِرِ

الزَّمَانِ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ، قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَيَشْهَدُوْنَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ: نَعَمْ وَيُصَلُّوْنَ وَيَصُوْمُوْنَ وَيَحُجُّوْنَ، قَالُوْا: فَمَابَالُهُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ اِتَّخَذُوْا الْمَعَازِفَ وَالْقِيْنَاتِ وَالدُّفُوْفَ وَيَشْرَبُوْنَ هٰذِهِ الْاَشْرِبَةَ، فَبَاتُوْا عَلٰى لَهْوِهِمْ فَاَصْبَحُوْا قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ﴾ رواه سعيد بن منصور (فتح البارى ١٠/ ٩٤)

(ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آخری زمانہ میں میری امت کے کچھ لوگ بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہوجائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہوں گے؟ فرمایا: ہاں، وہ (برائے نام) نماز، روزہ، اور حج بھی کریں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ فرمایا: وہ آلاتِ موسیقی، رقاصہ عورتوں اور طبلہ اور سارنگی وغیرہ کے رسیا ہوں گے اور شرابیں پیا کریں گے (بالآخر) وہ رات بھر مصروفِ لہو و لعب رہیں گے اور صبح ہوگی تو بندر اور خنزیروں کی شکل میں مسخ ہوچکے ہوں گے۔ (معاذ اللہ)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۱۱۹/۳) میں اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الملاھی میں (کمافی نیل الاوطار: ۸۶/۲ و عون المعبود: ۵۹/۱۱) اور سعید بن منصور نے سنن میں (کمافی المحلیٰ لابن حزم الظاہری: ۵۶۴/۷) روایت کیا ہے اور سعید بن منصور ہی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے (کمافی فتح الباری) بھی اس کی تخریج کی ہے۔ ابن حزم

نے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کوضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس میں ایک راوی نامعلوم اور مجہول ہے، مگر مین کہتا ہوں کہ یہ غیر معلوم شخص حضرت حسن بصری ہیں، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اس حدیث کوحسان ابن ابی سنان عن ابی ہریرہ روایت کیا پھر کہا کہ اس کوحسان نے تواسی طرح مرسلاً (منقطعا) روایت کیا ہے اور دوسروں نے اس کوحسن عن ابی ہریرہ متصلاً روایت کیا ہے (حلیۃ: ۱۲۰/۳) معلوم ہوا کہ سعید بن منصور کی روایت میں جوشخص غیر معلوم ہے وہ دراصل یہی حضرت حسن ہیں، لھذا یہ علت ختم ہوئی۔اوراس کے ایک راوی سلیمان بن سالم بصری ہیں جن کی کنیت ابوداؤد ہے، ان کے بارے میں امام بخاری نے فرامایا کہ ان کی متابعت نہیں کی جاتی، اور ابن عدی نے کہا کہ جتنی مقدار یہ روایت کرتے ہیں اس میں میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں دیکھا اور ابو حاتم نے ان کوشیخ کہا ہے (جوکہ الفاظِ توثیق میں سے ہے) (دیکھولسان المیزان: ۱۱۰/۳، الکامل لابن عدی: ۲۷۰/۳) اس سے معلوم ہوا کہ اس راوی کے بارے میں اختلاف ہے، لھذا یہ حسن الحدیث ہے، اوران سے اوپر کا سلسلۂ سند متعدد ہے اور سعید بن منصور کی سند کا آغاز انہی سلیمان سے ہوا ہے۔، پھر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یہ حدیث حضرت انس ﷺ سے بھی مروی ہے جوکہ اس حدیث کی شاہد ہے، اوراس شاہد کی وجہ سے یہ حدیث حسن ہوگی۔

ناچ گانے کی محفلیں بندروں اور خنزیروں کا مجمع:

اس حدیث میں ان مسلمانوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بظاہر نمازی بھی ہوں گے، روزہ کے پابند بھی ہوں گے اور حج پر حج بھی کریں گے، مگر اسی کے ساتھ گانے بجانے ناچنے نچانے اور ڈھول باجے اور میوزک وموسیقی کے دلدادہ اور شراب کے عادی اور رسیا ہوں گے، ان کو اللہ

تعالیٰ خنزیر اور بندر کی شکل میں مسخ کر دیں گے، یہ لوگ رات بھر مصروفِ لہو ولعب رہ کر سوئیں گے اور جو صبح اٹھیں گے تو مسخ شدہ اٹھیں گے۔

اسلام میں گانا بجانا رقص وناچ حرام ہے اور شراب کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے۔ جب لوگ اس کے عادی ہو جائیں گے اور بظاہر نماز روزہ کے پابند اور حج پر حج کر کے نیک نامی حاصل ہونے کے باوجود وہ ان برائیوں میں مبتلا ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو خنزیر اور بندر کی شکل میں تبدیل کر دیں گے۔ افسوس کہ آج بہت سے دیندار کہلانے والے اور نمازوں اور روزوں کے پابند اور حج پر حج کرنے والے اور عمرے پر عمرے کرنے والے لوگ بھی اپنے گھروں میں ٹی وی رکھ کر اس کا استعمال گانے بجانے اور فلموں اور ناچ ورقص دیکھنے کیلئے کرتے ہے اور تقریبوں میں بلا روک ٹوک یہ ساری برائیاں عام ہو چکی ہیں۔ اس طرح بہت سے نوجوانوں اور بوڑھوں میں شراب اور نشہ کی علت پڑی ہوئی ہے اور بالخصوص کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے ہزاروں سے متجاوز نوجوان اس کے عادی ہو چکے ہیں جبکہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے ان امور پر اتنی سخت وعید سنائی ہے۔

حدیث ﴿۲۶﴾

﴿عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، رَفَعَهُ: اِذَا اسْتَحَلَّتْ هٰذِهِ الْاُمَّةُ الْخَمْرَ بِالنَّبِيْذِ وَالرِّبَا بِالْبَيْعِ وَالسُّحْتَ بِالْهَدِيَّةِ وَاتَّجَرُوْا..... بِا لزَّكٰوةِ فَعِنْدَ ذَالِكَ هَلَاكُهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا﴾

(ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب امت

شراب کومشروب کے نام سے،سود کو منافع کے نام سے اور رشوت کو تحفے کے نام سے حلال کرلے گی اور مالِ زکوٰۃ سے تجارت کرنے لگے گی،تو یہ ان کی ہلاکت کا وقت ہوگا، گناہوں میں زیادتی اور ترقی کے سبب

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث

اس کو دیلمی نے مسند فردوس (۳۳۴/۱) میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے،اور علامہ علی متقیؒ نے کنز العمال: (۳۸۴۹۵) میں انہی کے حوالہ سے درج کیا ہے، نیز ذرا سے فرق کے ساتھ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے،اس میں [واتجروا بالزکوۃ] کی جگہ [والبخس بالزکوۃ] آیا ہےاور آخرمیں یہ الفاظ زیادہ ہیں[فاذا کان ذالك تكون عبادة الله استطالة على الناس] (جب ایسا ہوگا تو اللہ کی عبادت کرنا لوگوں پر احسان سمجھا جائے گا) اور اس روایت میں یوں فرمایا ہے کہ اس وقت امت کوڈھیل دی جائے گی تا کہ وہ گناہوں میں زیادتی کرلے۔(مسند فردوس:۳۲۱/۲) غرض پہلی حدیث کی شاہد یہ دوسری حدیث ہے جس سے ایک دوسرے کوقوت مل رہی ہے۔

حرام چیزوں میں خانہ ساز تاویلیں :

حاصل مطلب یہ ہے کہ امت جب شراب کو نبیذ (یعنی شربت) کا نام دیکر اس کو حلال قرار دینے لگے کہ جیسے شربت حلال ہے اسی طرح یہ بھی ایک شربت ہےاور سود کو تجارت کا نام دے کر اس کو اختیار کرلے جیسے کفار عرب نے کہا تھا:﴿انما البيع مثل الربا﴾ (یعنی تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے) ان کفار نے دونوں کو ایک جیسا کہکر سود کو روا رکھا تھا، اسی

طرح اس اُمت کے بعض لوگ بھی کریں گے اور رشوت جیسی ناپاک چیز کو تحفہ وہدیہ بولکر لینے لگے اور زکوۃ کے مال کو جو کہ صرف اور صرف غرباء ومساکین کا حق ہے، تجارت میں لگا کر اپنی تجارت بڑھائے اور غرباء کو محروم کردے، تو اس وقت اسکی ہلاکت یقینی ہے۔

دیلمی کی دوسری روایت میں جو حضرت ابودرداء ؓ سے آئی ہے، اسطرح فرمایا کہ [اس وقت امت کو ڈھیل دی جائے گی تاکہ وہ مزید گناہ کرے] اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد پھر وہی ہلاکت ہے۔ زکوۃ سے تجارت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مال سے جو زکوۃ کی رقم نکال کر غرباء ومساکین کو دینا چاہئے تھا، اسکو نکالے بغیر اس سے اپنی تجارت قائم رکھی یا جاری کی جائے

بیعِ العینہ کی حرمت:

اس حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ [سود کو تجارت کے نام سے حلال کرلیں گے] اس سے بعض فقہاء نے بیع العینہ کی حرمت پر استدلال کیا ہے، بیع العینہ یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی کو سو روپئے کی ضرورت تھی اس نے زید سے سو روپئے قرض مانگے، مگر زید نے اس خیال سے کہ قرض دونگا تو مجھے نفع کچھ نہ ملے گا، اس سے کہا کہ یہ کپڑا سو روپئے قیمت کا ہے، اس کو میں تمہیں ایک سو دس میں فروخت کرتا ہوں اور تم اس کو بازار میں سو روپئے پر فروخت کرکے اپنی ضرورت میں خرچ کرو اور جب واپس کرو تو اس کی قیمت ایک سو دس مجھے دیدینا۔

اس بیع کے بارے میں بعض فقہاء جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور بعض نے اس کو اسی قسم کی احادیث کی وجہ سے ناجائز کہا ہے، امام ابن قیمؒ نے اس بیع کے عدم جواز پر اسی قسم کی احادیث سے استدلال کیا ہے۔ (حاشیۃ ابن القیمؒ: ۹/۲۴۷ وبعدہٗ)۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ اس بیع کو ناجائز فرماتے ہیں۔ امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ پہاڑ کے برابر

بدترین (یعنی بڑا) گناہ ہے جس کو سود خوار لوگوں نے ایجاد کیا ہے۔

(الموسوعۃ الفقہیۃ: ۹/۹۶، شامی ۷/۵۴۲)

حدیث ﴿۴۷﴾

﴿عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ الْاَشْعَرِیْ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ عَامِرٍ اَوْ اَبُوْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیَ وَاللّٰهِ مَاكَذَبَنِیْ: سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَیَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِیْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ وَلَیَنْزِلَنَّ اَقْوَامٌ اِلٰی جَنْبِ عَلَمٍ تَرُوْحُ عَلَیْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ یَأْتِیْهِمْ یَعْنِیْ الْفَقِیْرَ لِحَاجَةٍ فَیَقُوْلُوْنَ ارْجِعْ اِلَیْنَا غَدًا فَیُبَیِّتُهُمُ اللّٰهُ وَیَضَعُ الْعَلَمَ وَیَمْسَخُ اٰخَرِیْنَ قِرَدَةً وَخَنَازِیْرَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ﴾

(ترجمہ: عبدالرحمٰن بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابو عامر یا ابو مالک اشعری (رضی اللہ عنہم) نے بیان کیا، بخدا انہوں نے غلط بیانی نہیں کی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یقیناً میری امت کے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور آلاتِ موسیقی کو (خوشنما تعبیروں سے) حلال کرلیں گے اور کچھ لوگ ایک پہاڑ کے قریب اقامت کریں گے، وہاں ان کے مویشی چر کر آیا کریں گے، ان کے پاس کوئی حاجت مند اپنی ضرورت لے کر آئے گا، وہ (ازراہِ حقارت) کہیں گے، کل آنا، پس اللہ تعالیٰ ان پر راتوں رات عذاب نازل کرے گا اور پہاڑ کو ان پر گرادے گا اور دوسرے لوگوں کو (جو حرام چیزوں میں خوشنما تاویلیں کریں گے) قیامت تک کیلئے بندر اور خنزیر بنادیگا۔ (معاذ اللہ)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس کو امام بخاری نے صحیح میں کتاب الاشربۃ [باب ماجاء فیمن یستحل الخمر] میں، ابو داؤد نے سنن: (۳۵۲۱)، ابن حبان نے صحیح: (۱۶۰/۱۵)، بیہقی نے سنن کبری: (۲۷۲/۳)، طبرانی نے مسند الشامیین: (۳۳۴/۱) اور معجم کبیر: (۲۸۲/۳) میں اور ابو القاسم تمام نے مسند المقلین: (۳۴/۱) میں اور محاملی نے امالی: (۱۰۱/۱) میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف: (۶۸/۵) میں روایت کیا ہے۔

اور حدیث کا صحیح ہونا امام بخاری کی تخریج سے ظاہر ہے، مگر ابن حزم نے بخاری کی سند کو منقطع قرار دیا ہے، (المحلیٰ: ۵۶۵/۷) لیکن یہ دراصل ابن حزم کی غلط فہمی ہے، اسی لئے ابن حجر نے ان کی تردید کی ہے اور اس سند کا متصل ہونا ثابت کیا ہے۔ (دیکھو، فتح الباری: ۵۲/۱۰)

بدکاری اور بے حیائی کا نام ثقافت اور فنون لطیفہ:

اس حدیث میں بھی گذشتہ دو حدیثوں کی طرح امت کے ان افراد کا ذکر ہے جو حرام چیزوں کو حلال سمجھ کر یا حلال کی طرح استعمال کریں گے اور آخر کار خدا کی پھٹکار و عذاب میں گرفتار ہوں گے اور ان کو بندر اور خزیر کی صورت میں مسخ کر دیا جائے گا۔ (اللھم احفظنا من عذابک وغضبک)

چنانچہ فرمایا کہ ''میری امت کے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا، ریشم شراب اور آلات

موسیقی (گانے بجانے کے آلات) کو حلال کرلیں گے، بعض روایات میں ہے کہ ان چیزوں کا نام بدل کر حلال کرلیں گے جیسا کہ اس سے ماقبل کی حدیث میں گذرا، اور ابن حبان اور محاملی وغیرہ کی روایت میں اس حدیث کے اندر اس طرح فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ ان چیزوں کو دوسرا نام دے کر حلال کرلیں گے۔

حلال کرلینے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ان حرام چیزوں کو عقیدہ میں حلال سمجھ لیا جائے اور یہ کفر ہے، اور دوسرا یہ معنی ہوسکتا ہے کہ حرام کو حلال تو نہیں سمجھیں گے لیکن جس طرح حلال چیزوں کو بلا کھٹک استعمال کیا جاتا ہے، حرام کو بھی اسی طرح بلا کھٹک اور بلا جھجک استعمال کرلیں گے۔ پہلا معنی حقیقی ہے اور دوسرا معنی مجازی، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ مناویؒ نے ابن العربی کے حوالہ سے یہ دونوں معنی بیان کئے ہیں۔

(فتح الباری: ۵۵/۱۰ فیض القدیر: ۱۲۸/۴)

غرض یہ کہ حلال سمجھ کر یا حلال چیزوں کی طرح حرام کا استعمال کریں گے آج امت میں ایسی بہت سی باتیں پیدا ہوگئی ہیں سود، رشوت، گانا بجانا، وغیرہ کہ بعض لوگ تو اس پر علماء سے بحث بھی کرتے ہیں کہ یہ حرام کیوں ہیں؟ حلال ہونا چاہئے، بعض اس سے بھی آگے بڑھ کر ان کے حلال ہونے کا فتوی ہی صادر کردیتے ہیں اور بعض جو محتاط ہیں وہ حلال تو نہیں کہتے مگر اس طرح ان چیزوں کا استعمال کرتے ہیں گویا کہ وہ حلال ہیں۔ خصوصاً گانے بجانے کا سلسلہ ہر ہر گھر میں موجود ہے اور ان لوگوں کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کو حلال کی طرح استعمال کرتے ہیں۔

فقیروں کو دھتکارنے کی سزا:

آگے فرمایا کہ ’’کچھ لوگ ایک پہاڑ کے قریب ٹھہریں گے، وہاں ان کے مویشی چر کر آیا کریں گے، ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت وضرورت لے کر آئے گا، تو وہ (ٹالنے یا ازراہ حقارت) کہیں گے کہ کل آنا، اس کی وجہ سے ان پر راتوں رات عذاب نازل ہوگا اور ان پر پہاڑ گرادیا جائے گا۔ اس میں ان لوگوں پر وعید شدید ہے جو اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں کو اللہ کے بندوں سے روکتے اور محتاجوں اور فقیروں کو ٹالتے ہیں یا ان کی تحقیر کرتے ہیں۔

بندر اور خنزیر بنادئیے جائیں گے:

پھر فرمایا کہ ’’اور دوسروں کو (یعنی جو بچ جائیں انکو) قیامت تک کیلئے بندر اور خنزیر بنادے گا‘‘ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت پر محمول ہے جس طرح پچھلی امتوں پر اللہ کا عذاب آیا تھا اور خنزیر و بندر کی صورتوں میں لوگوں کو مسخ کردیا تھا اسی طرح اس امت میں بھی ایسا ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ یہ مجازاً کہا گیا ہے یعنی صورتیں تو مسخ نہ ہونگی البتہ دل مسخ ہوجائیں گے اور خنزیر اور بندر کی سی صفات اور خصوصیات ان میں پیدا ہوجائیں گی۔

(فتح الباری: ۵٦/۱۰، عون المعبود: ۵۹/۱۱، فیض القدیر: ۱۲۸/۴)

علامہ مناویؒ نے فرمایا کہ بعض لوگ درندوں کے اخلاق پر ہونگے، بعض لوگ کتوں اور خنزیر اور گدھے کے اخلاق پر ہوں گے، بعض مور کی طرح اپنے کپڑوں میں اپنے کو سنوارنے بنانے میں ہوں گے اور بعض گدھے کی طرح بلید و بے وقوف ہونگے وغیرہ۔

(فیض القدیر: ۱۲۸/۴)

غرض یہ کہ جو لوگ اللہ کے دین میں تحریف کرتے اور حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی صورتوں کو یا ان کے دلوں کو مسخ کردے گا کہ ان لوگوں نے اللہ کے دین میں

تحریف وتبدیلی کریں گے تو اللہ تعالی ان کی صورتوں کو بدل دیں گے، اللہ ہماری حفاظت فرمایائے (امین)

۞۞۞۞۞۞۞۞

حدیث ﴿۲۸﴾

﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُهْلِكَ عَبْدًا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ فَاِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا مَقِيْتًا مُمَقَّتًا، فَاِذَا لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا مَقِيْتًا مُمَقَّتًا نُزِعَتْ مِنْهُ الْاَ مَانَةُ، فَاِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الْاَ مَانَةُ لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ، فَاِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا رَجِيْمًا مُلَعَّنًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا رَجِيْمًا مُلَعَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ رِبْقَةُ الْاِسْلَامِ﴾

(ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی ہلاکت کا فیصلہ فرماتے ہیں تو (سب سے پہلے) اس سے شرم وحیا چھین لیتے ہیں اور جب اس سے حیاء جاتی رہی تو تم (اس کی بے حیائیوں کی وجہ سے) اسے شدید مبغوض اور قابل نفرت پاؤ گے۔

اور جب اس کی یہ حالت ہو جائے تو اس سے امانت (بھی) چھین لی جاتی ہے اور جب اس سے امانت چھن جائے تو تم (اس کی بددیانتی کی وجہ سے) اسے نرا خائن اور دھوکے باز پاؤ گے اور جب اس کی حالت یہاں تک پہنچ جائے تو اس سے رحمت بھی چھین لی جاتی ہے اور

جب رحمت چھن جائے تو تم اسے (بے رحمی کی وجہ سے) مردود وملعون پاؤ گے اور جب وہ اس مقام پر پہنچ جائے تو اس سے اسلام کا پٹہ نکال لیا جاتا ہے۔(اور اسے اسلام سے عار آنے لگتی ہے) معاذ اللہ ۔

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے سنن میں برقم:۴۰۴۴، باب ذهاب الامانة میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابن رجب حنبلیؒ نے (جامع العلوم والحکم:۱/ ۲۰۰) میں فرمایا کہ حمید بن زنجویہ نے اسکو کتاب الادب میں حضرت عبداللہ بن عمرو اور سلمان فارسی ﷺ سے موقوفا روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء:۱/ ۲۰۴ میں اور حکیم ترمذی نے نوادرالاصول:۴/ ۲۲ میں ذکر کی ہے۔

اور یہ ابن عمر ﷺ کی حدیث ضعیف ہے، مصباح الزجاجہ شرح ابن ماجہ میں ہے کہ سعید بن سنان کے ضعف کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔(۱۹۵/۴) اور ابونعیم نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے (حلیۃ الاولیاء:۱/ ۲۰۴)

سعید بن سنان کو اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، بخاری نے منکر الحدیث، نسائی وعلی ابن المدینی نے متروک، احمد نے ضعیف، یحیٰ بن معین نے لیس بشیء اور دار قطنی نے متہم بالوضع کہا ہے، البتہ ابن عدی نے کہا کہ یہ شام کے صالح اور افضل لوگوں میں سے ہیں اور صدق

بن خالد نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔(ضعفاء عقیلی : ۱۰۷/۲، الکامل ابن عدی :۳۵۹/۳، تھذیب :٤١٤/٤) اور منذری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو(الترغیب: ۲۷۰/۳) میں بصیغۂ رُوِیَ روایت کیا ہے جو ان کے نزدیک ضعف کی طرف اشارہ ہے۔(کما قال المنذری فی مقدمۃ کتابہ)۔

بے حیائی کا انجام بد :

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آدمی کس قدر یکے بعد دیگرے برائیوں میں مبتلا ہوتا اور آخر کار اسلام ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، پہلے اس سے حیاء جاتی رہتی ہے اور حیاء کا جانا انسان کو ہر قسم کی ذلیل وقبیح حرکت پر آمادہ کر دیتا ہے اور وہ لوگوں کی نظر میں مبغوض ہو جاتا ہے، پھر اس کے اندر سے امانت چھین لی جاتی ہے پھر وہ لوگوں کا مال ہڑپنا اور کھانا شروع کر دیتا ہے اور کسی کام کو بھی امانت داری سے نہیں کرتا یہاں تک کہ اس کے اندر سے رحم وکرم شفقت ومہربانی کا عنصر بھی نکال لیا جاتا ہے اور وہ ظلم وزیادتی کو پیشہ بنالیتا ہے حتی کہ وہ لوگوں کی لعنت میں پڑ جاتا ہے پھر آخر کار اس سے اسلام کا پٹہ بھی نکال لیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلی چیز جس سے آدمی ہلاکت میں پڑتا ہے وہ بے حیائی ہے۔افسوس کہ آج بے حیائی عام سے عام تر ہوتی جارہی ہے گھروں میں عُریاں تصاویر، فحش رسائل، گندے ناول اور اس کے ساتھ ٹی وی کے فحش پروگرام عام ہو چکے ہیں، بچوں تک کے اندر ان کے جراثیم منتقل ہو چکے ہیں۔حدیث میں ہے کہ تمام انبیاء کا یہ قول ہے کہ ﴿إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَافْعَلْ مَاشِئْتَ﴾ (بخاری: ۳۲۲٤،ابوداؤد : ٦١٦٤) کہ اگر تجھے حیاء نہ ہوتو جو چاہے کر۔

اس لئے سب سے پہلے اس بے حیائی پر قدغن لگانے کی ضرورت ہے، نیز معلوم ہوا کہ ایک برائی دوسری برائی کا ذریعہ وسبب بن جاتی ہے اور رفتہ رفتہ انسان ایمان واسلام ہی سے محروم ہو جاتا ہے۔

اور ان تین باتوں میں ربط یہ ہے کہ حیاء کی وجہ سے انسان دوسروں کی پاسداری اور ان کے حقوق کی رعایت کرتا ہے اور اگر حیاء نہ ہو تو جیسے وہ اپنی ذات کے حقوق ادا نہیں کرتا، اسی طرح دوسروں کے حقوق کا لحاظ بھی نہیں کرتا، اور دوسروں کے حقوق کی پاسداری اور ادائیگی ہی کا نام امانت ہے اور ان کے حقوق کو ضائع کرنے ہی کا نام امانت میں خیانت ہے۔ معلوم ہوا کہ حیاء سے امانت قائم رہتی ہے اور اس کے فوت ہو جانے سے امانت بھی فوت ہو جاتی ہے۔ اور جب امانت ضائع ہوتی ہے تو آدمی کے اندر اولاً بے حسی پھر سخت دلی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ حقوق کو ضائع کرتے کرتے وہ اس کا عادی بن جاتا ہے اور آخر الامر اس کا دل اتنا سخت اور قسی ہو جاتا ہے کہ اس کو لوگوں کے حقوق کو ضائع کرنے میں مزہ آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امانت کا رخصت ہو جانا قساوتِ قلبی پر منتج ہوتا ہے۔ اسی بات کو اللہ کے نبی ﷺ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

حدیث ﴿۲۹﴾

﴿عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعاً: اِنَّ اَوَّلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خِيَارُهُمْ، وَاٰخِرَهَا شِرَارُهُمْ مُخْتَلِفِيْنَ مُتَفَرِّقِيْنَ فَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يَأْتِيَ النَّاسَ مَا يُحِبُّ اَنْ يُؤْتٰى اِلَيْهِ﴾

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بے شک اس امت کا اول حصہ بہترین لوگوں کا ہے اور پچھلا حصہ بدترین لوگوں کا ہوگا، جن کے درمیان باہمی اختلاف وانتشار کارفرما ہوگا، پس جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کی موت اس حالت پر آنی چاہئے کہ وہ لوگوں سے وہی سلوک کرتا ہو جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے طبرانی نے معجم کبیر: (۱۰/۲۱۶) میں اور دیلمی نے مسند الفردوس: (۱/۳۷) میں روایت کیا ہے اور علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں فرمایا کہ اس کی سند میں ایک روای مفضل بن معروف ہے جس کو میں نہیں جانتا اور باقی راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ۸/۱۸۴) اور اس کا آخری حصہ ایک دوسرے سیاق سے مسلم وغیرہ میں بھی آیا ہے، چنانچہ (مسلم ۳۴۳۱)، طبرانی فی الاوسط: (۵/۱۴)، نسائی (:۴۱۲۰)، ابن ماجہ: (۳۹۴۶)، احمد: (۶۵۰۳) ابن حبان: (۱۳/۲۹۵)، ابوعوانہ: (۴/۴۱۳)، میں دیکھا جاسکتا ہے۔

انتباہ:

ہمارے مصنفؒ علام نے کنز العمال کے حوالہ سے اس حدیث کو ابن حبان کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور کنز العمال میں بھی اس پر (حب) یعنی ابن حبان کا رمزواشارہ لگا ہوا ہے۔

مگر مجھے ابن حبان میں باوجود تلاش بسیار یہ حدیث نہیں ملی، صرف طبرانی و دیلمی میں ملی جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ پھر سیوطی کی الجامع الصغیر دیکھی تو اس میں بھی علامہ سیوطی نے اس حدیث پر (طب) یعنی طبرانی کی معجم کبیر کا اشارہ دیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کنز العمال میں غلطی سے (طب) کو (حب) لکھ دیا گیا ہے (واللہ اعلم)

✿ آخری دور میں اختلافات کی بھر مار:

اس میں اللہ کے نبی ﷺ نے پہلے تو یہ بتایا کہ اس امت کا اول طبقہ بہترین لوگوں کا ہے۔ مراد اس سے صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین ہیں، پھر اس کے بعد امت میں زوال آتا رہا حتی کہ آخری دور ایسا آئے گا کہ اس میں اس امت کا آخری طبقہ آئے گا جو بدترین لوگوں کا ہوگا جن میں آپسی رسہ کشی اختلاف وانتشار ہوگا جیسا کہ آج امت میں دیکھنے کو ملتا ہے کہ ہر گروہ، دوسرے کا مخالف بلکہ ہر فرد دوسرے کا مخالف ہے۔

✿ اختلاف کو دور کرنے کا طریقہ:

اس کے بعد اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ "جو آدمی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کی موت اس حالت میں آنا چاہئے کہ وہ لوگوں سے وہی سلوک کرتا ہو جسے وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے" علامہ نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ بات حضور ﷺ کے جوامع الکلم اور بدائع الحکم میں سے ہے (یعنی مختصر سے الفاظ میں بہت کچھ اور عجیب بات فرمادی ہے) اور یہ ایک اہم اصول ہے جس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ انسان اہتمام والتزام کرے کہ لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (شرح مسلم: ۱۲۶/۲)

اس میں آپسی اختلاف ومخالفت اور تردید وانکار کی مذموم وخطرناک بیماری کا علاج بتایا

ہے کہ جو چیز اور جو بات اپنے لئے پسند کرتے ہو، وہی دوسرے لوگوں کے لئے بھی پسند کرو، تو ان سب اختلافات وتنازعات کا علاج ہو جائے۔ مثلاً آدمی چاہتا ہے کہ لوگ میری تعظیم کریں، توہین نہ کریں، مجھے چاہیں اور میری مانیں، اب مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ دوسروں کے لئے بھی یہی چاہئے اور وہ خود دوسرے لوگوں سے ایسا ہی سلوک کرے جیسا اپنے لئے چاہتا ہے۔ اب عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ آدمی اپنی عزت تو کرانا چاہتا ہے مگر وہ خود دوسروں کی عزت نہیں کرتا، وہ اپنی منوانا چاہتا ہے مگر وہ خود کبھی دوسروں کی نہیں مانتا، جسکی وجہ سے شر وفساد بڑھتا ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے اس کا بہترین علاج بتا دیا ہے۔

اگر آج مختلف طبقات اور افراد اپنی انانیت کو چھوڑ کر اس پر عمل پیرا ہو جائیں، تو خدا کی قسم تمام تنازعات واختلافات کا سدِ باب ہو جائے۔

آج لوگ ایک طرف تو اتحاد کا نعرہ لگاتے ہیں اور امت کو متحد ہونے کی دعوت دیتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ نہ کسی پر الزام تراشی سے باز آتے ہیں اور نہ دوسروں کے لئے وہ پسند کرتے ہیں جو خود کے لئے تجویز کرتے ہیں پھر اختلاف کہاں ختم ہوگا اور اتحاد کیسے پیدا ہوگا؟

حدیث ﴿۳۰﴾

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا عَظَّمَتْ اُمَّتِیْ الدُّنْیَا نُزِعَتْ مِنْهَا هَیْبَةُ الْاِسْلَامِ وَاِذَا تَرَکَتِ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیَ عَنِ الْمُنْکَرِ حُرِمَتْ بَرَکَةَ الْوَحْیِ، وَاِذَا تَسَابَتْ اُمَّتِیْ سَقَطَتْ مِنْ عَیْنِ اللّٰهِ۔﴾

(ترجمہ: حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میری

امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت ووقعت اس کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں گالی گلوج اختیار کرے گی تو اللہ جل شانہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔)''

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کی حکیم ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نوادر الاصول فی احادیث الرسول: (۲/۲۷۰)، میں تخریج کی ہے اور ابن ابی الدنیا نے اس کو حضرت فضیل بن عیاضؒ سے معضلاً روایت کیا ہے۔ (قالہ فی فیض القدیر: ۱/۴۰۴، وکشف الخفاء: ۱/۱۱۲) امام سیوطیؒ نے حکیم ترمذیؒ کے حوالہ سے نقل کر کے اسکو ضعیف قرار دیا ہے۔ (الجامع الصغیر: ۷۶۰)

جلالِ اسلام سے محرومی:

اس حدیث میں تین جرم اور ان کی تین سزائیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے اور مال ودولت اس کی نظر میں شرافت وعظمت کی دلیل ہو جائے تو اسلام کی ہیبت ووقعت اس سے نکال لی جائے گی۔

حکیم ترمذی نے فرمایا کہ اسلام کی اولین شرط یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کے حوالہ کریں اور نفس کو اللہ کے حوالہ کرنا اور اللہ کیلئے قربان کرنا عبادت ہے. اگر کوئی اس کے بجائے اللہ کی نظر میں حقیر چیز کو عظیم اور بڑا سمجھے تو عبودیت ختم ہوگئی اور وہ اپنے نفس کو اللہ کیلئے قربان کرنے پر قادر نہ ہوگا. جب دل میں یہ جذبہ ہونے کی وجہ سے باطن فاسد ہوگیا تو ہیبت ووقعت جاتی رہے گی.

کیونکہ جب کوئی دنیا کو عظمت کی نگاہ سے دیکھے گا تو لامحالہ اللہ کے حقوق پر دنیا کو ترجیح دے گا کیونکہ اللہ کے حقوق کی عظمت اور دنیا کی عظمت دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے. ہاں جو اپنے نفس کو اللہ کے حوالہ کردے اور اس کو اللہ کی طرف متوجہ کردے اور قربان کردے تو وہ اللہ کے بندوں میں سے ہوجاتا ہے اور اس کے خاص غلاموں اور مقربوں میں سے ہوجاتا ہے۔ اور اس پر رعب وہیبت اور جلال نمایاں ہوتا ہے جیسے کوئی بادشاہ کا غلام خاص ہو تو بادشاہ کے غلام ہونے کی وجہ سے اس کو ایک وقعت اور ہیبت حاصل ہوتی ہے اسی طرح اللہ کے بندوں پر طلاوت وحلاوت وعلاحت اور مہابت نمایاں ہوتی ہے. پس جب وہ اسکو چھوڑ کر دنیا کو عظیم خیال کرنے لگیں تو ان کی ہیبت ختم ہوجاتی ہے کیونکہ وہ اب بادشاہ کا غلام نہیں رہا بلکہ وہ اپنے نفس اور خواہش دنیا اور شہوات اور اپنی سلطانی کا غلام ہوگیا۔ (نوادر الاصول: ۲/۲۷۰)

حاصل یہ کہ جب اللہ کو چھوڑ کر امت مال ودولت کی پجاری بن جائے، اور دنیا کو عظیم چیز خیال کرنے لگے تو اس پر سے اسلام کا رعب وجلال نکال لیا جائے گا کیونکہ دنیا جیسی حقیر وذلیل چیز کو عظیم واعلی سمجھنے کی بنا پر وہ اب اللہ کی مقرب ومحبوب نہیں رہی، رعب تو اس کو ملتا ہے جو بادشاہ کا غلام ہو اور اس کا مقرب ہو، اور یہ بات بادشاہ کو عظیم اور اس کی ساری دولت کو اس کے بالمقابل حقیر سمجھنے اور بادشاہ کے سامنے ہر چیز کو ناقابلِ التفات خیال کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جب اس امت نے اس کے برعکس دنیا کو عظیم سمجھا تو گویا اس نے اللہ کی توہین کی اس لئے وہ اب اللہ کی مقرب نہیں رہی، اور اس لئے اس کو اس کی سزا یہ دی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کی نظر میں ذلیل وحقیر کردی جاتی ہے اور کسی عظمت وعزت کی مستحق نہیں رہتی۔

مسلمانو! آج کے حالات پر غور کرو کہ کیا آج امت کا بیشتر طبقہ مال ودولت کی عزت وتعظیم

نہیں کررہا ہے اور اس کو عزت وذلت کا معیار بنایا ہوا نہیں ہے؟ اور کیا دنیا کے عہدے اور مناصب اور دنیا کی ڈگریاں اس کی نظر میں عظیم بنی ہوئی نہیں ہیں اور اس پر لوگوں کی ذلت، عزت کو پرکھا نہیں جارہا ہے؟ اور بالکل کافرانہ وفاسقانہ روش کے مطابق صبح سے شام اور شام سے صبح تک دنیا کی تحصیل اور مال ودولت کے جمع کرنے اور من مانی خواہشات کے پورا کرنے میں امت کا بہت بڑا طبقہ لگا ہوا نہیں ہے؟ حتی کہ نماز جیسی اہم چیز ان کو قطعاً یاد نہیں ہے اور یاد ہے تو اس کی کوئی پرواہ نہیں، پھر اس پر بھی غور کرو کہ آج امت کی کوئی حیثیت ووقعت، ہیبت وعزت لوگوں کی نگاہ میں باقی ہے؟ جب لوگوں نے دنیا جیسی حقیر چیز کو بڑا سمجھ لیا تو اللہ نے دنیا والوں کی نگاہ میں ان کو حقیر وذلیل بنادیا، یہی حاصل ہے اللہ کے نبی ﷺ کی اس پیشن گوئی کا۔

برکتِ وحی سے محرومی:

(۲) دوسری بات یہ کہ امت اگر ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہوجائے گی۔

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' وہ عظیم کام ہے جو حضرات انبیاء کو بطور منصب کے عطا فرمایا گیا، اس پر دین وشریعت کے بقاء وتحفظ کا مدار ہے، امر بالمعروف سے دین کے اوامر واحکام اور دین کے کمالات وخوبیاں دنیا میں ظاہر ہوتے اور باقی رہتے ہیں اور نہی عن المنکر سے دین اور دینی معاشرہ، برائیوں اور رذائل سے پاک رہتا ہے، تحریف وتبدیل، حذف واضافہ، ایجاد واختراع سے محفوظ رہتا ہے اور ان کے ترک کرنے سے نہ دین کا تحفظ ہوسکتا ہے اور نہ اس کی خوبیاں لوگوں کے سامنے آسکتی ہیں، لہٰذا جب امر ونہی کا سلسلہ بند ہوگا تو دین کی بصیرت اور قلب کا نور ختم ہوجاتا ہے، حق وباطل کی تمیز اُٹھ جاتی ہے حتی کہ معاشرہ میں ایمان وکفر

کا، سنت و بدعت کا، حق و باطل کا فرق باقی نہیں رہتا جب ایسا ہوگا تو کیا ہوگا؟

حکیم ترمذی فرماتے ہیں: ''قرآن و وحی الٰہی کو پڑھنے کے باوجود اس میں سے کوئی بات اس کے کانوں میں اترے گی نہیں اور وہ اس کے فہم سے محروم ہو جائے گا حالانکہ وہ لغت کو خوب جانتا ہوگا، اور تفسیر سے اچھی طرح واقف ہوگا اور وہ اس کلام کے لطائف و معنی وعدہ و وعید اور اس کی امثال سے اندھا ہوگا، یہی وحی کی برکات ہیں جس سے وہ محروم ہوگا۔

(نوادر الاصول: ۲/۲۷۱)

غرض وحی کی یہ برکتیں کہ قرآن سمجھا جائے، اس سے نصیحت لی جائے، وعدہ خداوندی پر خوشی اور وعید ربانی پر ڈر و خوف پیدا ہو، اس زمانہ کے لوگوں کو حاصل نہ ہونگی بلکہ وہ ان سے محروم ہونگے۔

گالی گلوچ خدا کی نظر سے گرنے کا سبب:

(۳) اور آخری بات یہ فرمائی کہ امت جب آپس میں گالی گلوچ کرے، تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

کیونکہ یہ گالی گلوچ دراصل کبر اور مسلمانوں کی حقارت اور حسد و بغض اور دنیوی امور میں ایک دوسرے کی ریس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور یہ باتیں وہ ہیں جن سے آدمی اللہ کی نگاہ سے گر جاتا ہے اور جو اللہ کی نگاہ سے گر جائے وہ اللہ کی حفاظت و نگرانی سے نکل جاتا ہے جس سے اس پر دین و دنیا کے فتنے اور حوادث پیش آتے ہیں کیونکہ اللہ کی نگاہ اور اس کی حفاظت کے زائل ہونے سے اس کی عظمت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کسی بڑے گڑھے میں گر جاتا ہے۔

(نوادر الاصول: ۲/۲۷۱)

افسوس کہ آج امت میں یہ فتنہ بھی ظاہر ہو چکا ہے اور ایک دوسرے کے خلاف گالی گلوچ کا بازار گرم نظر آتا ہے جس سے وہ اللہ کی نگاہوں سے گر چکی ہے۔ اے اللہ! تو ہی اس کا علاج فرما اور امت کو اس کی عظمت رفتہ عطاء فرما۔

حدیث ﴿۳۱﴾

﴿عَنِ ابْنِ مَسْعُوْد رضی اللہ عنہ (سَاَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَاَعْلَا مِہَا فَقَالَ) یَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ لِلسَّاعَةِ اَعْلَامًا وَاِنَّ لِلسَّاعَةِ اَشْرَاطًا، اَنْ یَّكُوْنَ الْوَلَدُ غَيْظًا وَاَنْ يَّكُوْنَ الْمَطَرُ قَيْضًا وَاَنْ يَّفِيْضَ الْاَشْرَارُ فَيْضًا، يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ يُّصَدَّقَ الْكَاذِبُ وَاَنْ يُّكَذَّبَ الصَّادِقُ، يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ يُّؤْتَمَنَ الْخَائِنُ وَاَنْ يُّخَوَّنَ الْاَمِيْنُ، يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ يُّوَاصَلَ الْاَطْبَاقُ وَاَنْ يُّقَاطَعَ الْاَرْحَامُ، يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ يَّسُوْدَ كُلَّ قَبِيْلَةٍ مُّنَافِقُوْهَا وَكُلَّ سُوْقٍ فُجَّارُهَا، يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُؤْمِنُ فِى الْقَبِيْلَةِ اَذَلَّ مِنَ النَّقَدِ، يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا انْ تُزَخْرَفَ الْمَحَارِيْبُ وَتُخْرَبَ الْقُلُوْبُ، يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ يَّكْتَفِىَ الرِّجَالُ بِالرِّجَالِ وَالنِّسَاءُ بِالنِّسَاءِ، يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ يُّكْنَفَ

الْمَسَاجِدُ وَتَعْلُوْ الْمَنَابِرُ، يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ يُعْمَرَ خَرَابُ الدُّنْيَا وَيُخْرَبَ عُمْرَانُهَا، يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ تَظْهَرَ الْمَعَازِفُ وَشُرْبُ الْخُمُوْرِ، يَاابْنَ مَسْعُوْدٍ اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ تُشْرَبَ الْخُمُوْرُ، يَاابْنَ مَسْعُوْدٍ اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ تُكْثَرَ الشُّرَطُ وَالْهَمَّازُوْنَ وَالْغَمَّازُوْنَ وَاللَّمَّازُوْنَ، يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ ! اِنَّ مِنْ اَعْلَامِ السَّاعَةِ وَاَشْرَاطِهَا اَنْ تُكْثَرَ اَوْلَادُ الزِّنَا﴾

(ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آنحضرت ﷺ سے قیامت کے آثار وعلامات کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے کچھ آثار ہیں، وہ یہ کہ اولاد (نافرمانی کے سبب) غم وغصہ کا باعث ہوگی، بارش کے باوجود گرمی ہوگی اور بدکاروں اور شریروں کا طوفان برپا ہوگا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ خائن کو امین اور امین خائن بتلایا جائے گا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ بیگانوں سے تعلق جوڑا جائے گا اور یگانوں سے توڑا جائے گا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ ہر قبیلے کی

قیادت اس کے منافقوں کے ہاتھوں میں ہوگی اور ہر بازار کی قیادت اس کے بدکاروں کے ہاتھ میں۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ مؤمن اپنے قبیلہ میں بھیڑ بکری سے زیادہ حقیر سمجھا جائے گا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ محرابیں سجائی جائیں گی اور دل ویران ہوں گے۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے جنسی لذت حاصل کریں گی۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ مسجدوں کے احاطے عالیشان بنائے جائیں گے اور اونچے اونچے منبر رکھے جائیں گے۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ دنیا کے ویرانوں کو آباد اور آبادیوں کو ویران کیا جائے گا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ گانے بجانے کا سامان عام ہوگا اور شراب نوشی کا دور دورہ ہوگا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ طرح طرح کی شرابیں (پانی کی طرح) پی جائیں گی۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ (معاشرے میں) پولیس والوں اور عیب چینوں، غیبت کرنے والوں اور طعنہ بازوں کی بہتات ہوگی۔

اے ابن مسعود بے شک قیامت کے آثار وعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ ناجائز بچوں کی کثرت ہوگی۔

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر (۱۰/۲۲۹) اور معجم اوسط (۵/۱۲۷) میں روایت کیا ہے، البتہ معجم کبیر میں حدیث کے آخر میں کچھ الفاظ کا اضافہ ہے، جس کو ہم شرح میں بیان کریں گے۔ اس حدیث میں ایک روای سیف بن مسکین ہے۔ جس کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

چنانچہ دارقطنی نے فرمایا کہ وہ قوی نہیں اور ابن حبان نے فرمایا کہ یہ الٹی سیدھی روایات بیان کرتا ہے اور موضوع احادیث روایت کرتا ہے اور ثقہ حضرات کی مخالفت کی وجہ سے اس سے احتجاج کرنا جائز نہیں (میزان الاعتدال:۳/۲۵۵، لسان المیزان:۳/۱۳۲، الضعفاء والمتروکین:۲/۳۶) اور ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (۱۳/۸۴) میں طبرانی کے حوالہ سے اس حدیث کا ذکر کیا اور اس پر سکوت فرمایا، جو قابل احتجاج ہونے کی علامت ہے۔ (کما هو مشهور بين العلماء)

توڑ جوڑ:

اس حدیث میں بھی قیامت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں اور اس حدیث کے جملوں میں سے بہت سے جملے، حضرت ابوموسیٰ اشعری کی جو حدیث نمبر ۲۱ پر گذر چکی ہے اس میں اور بعض اور احادیث میں اوپر گذر چکے ہیں۔ اور ان کی شرح بھی ہم نے وہیں کردی ہے، یہاں صرف ان جملوں کی شرح لکھی جاتی ہے جو اوپر نہیں گذرے ۔

(۱)ان یواصل الا طباق وان یقاطع الارحام ''(بیگانوں اور غیروں سے تعلق جوڑا جائے گا اور رشتہ داروں سے قطعِ تعلق کیا جائے گا) یعنی یہ بھی علاماتِ قیامت میں سے ہے کہ غیروں کو اپنایا جائے اور اپنوں کو کاٹا جائے اور یہ کیفیت آج شروع ہو چکی ہے کہ رشتہ داری کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا بلکہ رشتہ کو کاٹا جاتا ہے اور غیروں کو رشتہ داروں کی طرح اپنایا جاتا ہے، ہر جگہ ان کو مقام دیا جاتا اور ہر تقریب میں ان کو شریک کیا جاتا ہے مگر رشتہ داروں کو ہر جگہ کاٹا جاتا ہے۔

نا اھلوں کی سرداری:

(۲)''ان یسود کل قبیلة منافقوها وکل مسوق فجارها ''(یعنی قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ ہر قبیلہ کے سردار و قائد اس کے منافق لوگ ہونگے اور ہر بازار کی قیادت اس کے فاسق و فاجر لوگ کریں گے)اوپر حدیث گذر چکی ہے کہ جب نا اہل لوگوں کو عہدے تفویض کیے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو اور آج یہ بھی نظر آرہا ہے، ہر عہدے اور منصب پر اور ہر قیادت وسیادت کی کرسی پر فساق و فجار اور منافق لوگوں کا قبضہ ہے، قبیلہ اور خاندان میں عالم و فاضل ہو تب بھی لوگ اس کو نہیں مانتے، بلکہ منافق و فاجر کی مانتے اور ان کی سرداری کو تسلیم کرتے ہیں۔

مؤمن کی تحقیر:

(۳) ''وان یکون المؤمن فی القبیلة اذل من النقد ''(یعنی ایک علامت یہ ہے کہ مؤمن اپنے قبیلہ میں بھیڑ بکری سے زیادہ حقیر و ذلیل ہوگا)

یعنی لوگوں کی نظر میں مؤمن کی کوئی حیثیت نہ ہوگی، کیونکہ مال دولت، دنیوی عہدے

ومناصب اور دنیوی ڈگریاں اور سندیں، لوگوں کی نگاہوں میں بڑی عظیم ہوں گی، وہاں مومن کی اور ایمان کی وقعت کا کیا سوال؟ آج یہ بھی دیکھنے کو مل رہا ہے کہ بہت سے لوگ جو مال ودولت اور دنیوی عہدے ومنصب کو سب کچھ سمجھتے ہیں، وہ اہل ایمان واہل علم واہل صلاح کو حقیر نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

۞دل ویران ہوں گے:

(۴)''ان تزخرف المحاریب وتخرب القلوب''(اور یہ کہ محرابیں سجائی جائیں گی اور دل ویران ہوں گے)مساجد کو سجانے اور آراستہ کرنے پر پوری توجہ دی جائے گی، محراب ومنبر کی آرائش وزیبائش کا اہتمام کیا جائے گا، بام ودر کی بناوٹ وسجاوٹ پر ہزاروں ہزار خرچ کیے جائیں گے، مگر دل اللہ کی محبت وتعلق، دین وشریعت کی عظمت وبڑائی اور شعائر اسلام کی تعظیم وتکریم سے خالی وویران ہوں گے، نماز تو ہوگی مگر خشوع وخضوع نہ ہوگا، تلاوت تو ہوگی مگر روح سے خالی اور تعلیم وتعلم تو ہوگا، مگر سب رسمی ورواجی۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اسی کو فرمایا تھا:

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں، روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

بستیاں اُجاڑی جائیں گی :

(۵)''ان یعمر خراب الدنیا ویخرب عمر انہا'' (کہ دنیا کے غیر آباد و ویران علاقوں کو آباد کیا جائے گا اور آباد حصوں کو ویران کیا جائیگا)

اس کا مطلب یہ ہے کہ آبادی والے حصوں پر ظلم وزیادتی کر کے اور بم باری وغیرہ کے ذریعہ ان کو وَیران کیا جائے گا اور جہاں پر آبادی نہیں ہے ان کو ضرورت کی بنا پر آباد کیا جائے گا، جیسا کہ آج یہ حال دیکھنے میں آرہا ہے کہ مختلف ممالک میں آبادی والے حصوں پر بم باری وغیرہ کے ذریعہ ہلاکت وتباہی مچائی جارہی ہے اور ان کو ویرانوں میں تبدیل کیا جارہا ہے، اور ویرانی بھی ایسی کہ پھر وہ علاقے پھر انسانوں کی بود باش کے لئے کام نہیں آسکتے، جس کی وجہ سے ویرانوں کو آباد کرنا پڑ رہا ہے۔

حدیث ﴿۳۲﴾

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ أُمَرَاءُ كُمْ خِيَارَكُمْ ،وَاَغْنِيَاءُ كُمْ سُمَحَاءَ كُمْ وَاُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَاِذَا كَانَ اُمَرَاءُ كُمْ شِرَارَكُمْ وَاَغْنِيَاءُ كُمْ بُخَلَاءَ كُمْ وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے حاکم، نیک اور پسندیدہ ہوں، تمہارے مالدار، کشادہ دل اور سخی ہوں، اور تمہارے معاملات باہمی (خیر خواہانہ) مشورے سے طے ہوں تو تمہارے لئے زمین کی پشت اس کے

پیٹ سے بہتر ہے، (یعنی مرنے سے جینا بہتر ہے) اور جب تمہارے حاکم شریر ہوں، تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں (کہ بیگمات جو فیصلہ کردیں وفادار نوکر کی طرح تم اس کو نافذ کرنے لگو) تو تمہارے لئے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے، (یعنی ایسی زندگی سے مرجانا بہتر ہے)۔

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کی تخریج امام ترمذی نے سنن کتاب الفتن: (۲۱۹۲) میں ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء: (۱۷۶/۶) میں اور خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد: (۱۹۰/۲) میں کی ہے اور الترغیب: (۲۵۹/۳) اور السنن الواردۃ: (۶۶۳/۳) میں بھی اس کو نقل کیا گیا ہے، اس حدیث کا راوی صالح المری کو علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ صالح کی احادیث میں غرائب ہیں، جن کی متابعت نہیں کی جاتی، البتہ صالح ایک صالح آدمی تھے۔ (ترمذی: ۵۲/۲) علامہ منذری نے ترغیب میں فرمایا کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب فرمایا ہے، ترغیب: (۳۵۹/۳)، مگر موجودہ نسخہ میں صرف غریب لکھا ہے، حسن نہیں ہے اسی طرح ابونعیم نے حلیہ میں اس کو غریب فرمایا ہے۔

ایسی زندگی سے موت اچھی:

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ جب حاکم نیک سیرت اور مالدار لوگ سخی اور کشادہ دل ہوں اور مسلمانوں کے معاملات مشوروں سے طے ہوں، کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی جاتی ہو، تو مسلمانوں

کے لئے زمین کی پشت زمین کے پیٹ سے بہتر ہے، یعنی زندہ رہنا مر کر قبر میں جانے سے بہتر ہے، اس کے برخلاف اگر حاکم لوگ شرارت پسند اور خبیث النفس ہوں، مالدار بخیل ہوں کہ دینی وملی ضرورت پر مال خرچ نہ کرتے ہوں اور آپسی معاملات کے حل کے لئے عورتوں کو حکم بنادیا گیا ہو اور عورتوں کی باتوں پر (بلا تامل) عمل کیا جاتا ہو، چاہے وہ حق پر ہوں یا باطل پر، تو پھر امت کے لئے زمین کے اندر چلے جانا، یعنی مرجانا بہتر ہے، اب اس کا جینا کسی فائدہ کا نہیں ہے، ایسی زندگی سے موت اچھی۔

بعض احادیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں سے مشورہ کرو اور ان کی مخالفت کرو کہ ان کی مخالفت میں برکت ہے۔ یہ حدیث عیسی راوی کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کی بات مان کر چلنا شرمندگی کا سبب ہے۔ یہ حدیث متعدد ضعیف طرق سے آئی ہے۔ علامہ مبارک پوری نے کہا ہے کہ علامہ ابن الجوزی کا اس حدیث کو موضوع کہنا صحیح نہیں۔ (تحفۃ الاحوذی:٦/٤٤٩) میں کہتا ہوں کہ اسی طرح شیخ ناصر الدّین البانی صاحب کا سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (١/٦٢٤) میں اس حدیث کا موضوع کہنا صحیح نہیں۔

عورتوں سے مشورہ:

معلوم ہوا کہ ہر معاملہ میں عورتوں کی بات مان کر چلنا، خیر وبرکت سے دور کر دیتا ہے، کیونکہ عورتوں کے ناقصۃ العقل ہونے کی وجہ سے وہ عموماً غلط اور بے ڈھنگے مشورے دیا کرتی ہیں، لہٰذا ان کے مشورہ میں خیر نہیں اور ان کی باتوں پر چلنے میں برکت نہیں، ہاں اگر کسی عورت کی بات دین وشریعت اور نبی علیہ السلام کی باتوں کے عین مطابق ہو، تو وہ پھر اللہ ورسول کی بات

ہے، اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح بعض عورتیں، بعض مردوں کے لحاظ سے عقل وعلم میں بڑھی ہوئی ہوتی ہیں، لہٰذا ان کی بات ماننا یا ان سے مشورہ کرنا غلط نہیں ہے۔ اس حدیث میں عام عورتوں کا ذکر ہے جو عام طور پر ناقص العقل اور ناقص الدین ہوتی ہیں ورنہ خود اللہ کے رسول علیہ السلام نے غزوۂ حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت ام سلمٰیؓ سے مشورہ کیا ہے اور ان کے مشورہ پر عمل بھی فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عام ناقص العقل والدین عورتوں کے ہاتھ میں معاملات دے کر ہر اچھے بُرے میں ان کی ہاں میں ہاں ملانا اور ان کے مشوروں پر چلنا، ہلاکت ورسوائی کا سبب ہے۔

آج بہت سے معاملات میں عورتوں کی حکمرانی، مردوں پر قائم ہوگئی ہے اور ان کے حکموں پر سارے معاملات طے کئے جاتے ہیں، جو انتہائی سنگین غلطی ہے، پھر اگر خاندان اور گھرانوں سے بڑھ کر عورت کی سیادت وحکومت قوم وملت پر قائم ہو جائے اور عورت ہی قوم وملک کے سیاہ وسفید کی مالک وحاکم بن جائے اور اس کے حکم واشارہ پر سارے معاملاتِ ملیہ وقومیہ طے کئے جائیں تو پھر اس قوم وملک کی تباہی میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ جیسے بعض مسلم ملکوں میں بھی عورت کو وزیر اعظم بنادیا گیا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں امت کے لئے زمین کے پیٹ کو اس کی پشت سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

حدیث ﴿۳۳﴾

﴿عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِیِّ وَاَبِیْ عُبَیْدَۃَ بْنِ الْجَرَّاحِ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ بَدَأَ ھٰذَا الْاَمْرَ نُبُوَّۃً وَرَحْمَۃً

وَكَائِنًا خِلَافَةً وَرَحْمَةً وَكَائِنًا مُلْكًا عَضُوضًا وَكَائِنًا عُتُوَّةً وَجَبْرِيَةً وَفَسَادًا فِيْ الْأُمَّةِ، تَسْتَحِلُّوْنَ الْفُرُوْجَ وَالْخُمُوْرَ وَالْحَرِيْرَ وَيُنْصَرُوْنَ عَلٰى ذَالِكَ وَيُرْزَقُوْنَ اَبَدًا حَتّٰى يَلْقُوْا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ ﴾

ترجمہ: ابوثعلبہ خشنی، ابوعبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس دین کی ابتدا نبوت ورحمت سے فرمائی پھر (دورنبوت کے بعد) خلافت ورحمت کا دور ہوگا، اس کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی، اس کے بعد خالص آمیریت جبر واستبداد اور امت کے عمومی بگاڑ کا دور آئے گا، یہ لوگ زناکاری، شراب نوشی اور ریشمی لباس پہننے کو حلال کرلیں گے اور اس کے باوجود ان کی مدد بھی ہوتی رہے گی اور انہیں رزق بھی ملتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حضور پیش ہوں گے (یعنی مرتے دم تک)۔

تشریح

✿تخریج ودرجۂ حدیث

اس حدیث کو ابو داؤد الطیالسی نے اپنے مسند (۱/۳۱) میں، ابو یعلیٰ نے اپنے مسند (۲/۱۷۷) میں، بیہقی نے سنن کبریٰ (۸/۱۵۹) میں اور شعب الایمان نے (۵/۱۶) میں، طبرانی نے معجم کبیر (۱/۱۵۶) میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت معاذ بن جبل دونوں سے روایت کیا ہے اور نعیم بن حماد نے کتاب الفتن (۱/۱۰۰) میں حضرت ابوعبیدہ اور حضرت بشیر بن سعید ﷺ سے روایت کیا ہے، اس حدیث کو امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۵/۱۸۹) میں روایت کرکے فرمایا کہ اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ہے اور وہ ثقہ ہے، مگر مدلس ہے اور باقی راوی سب ثقات ہیں۔ بندہ کہتا ہے کہ لیث کی حدیث حسن سے کم نہیں ہے۔(کما حققہ

فی رسالتی " عرف الزهرة فی مسح الرقبة)۔

پہلا دور، دورِ نبوت:

اس حدیث میں چند اہم امور مذکور ہوئے ہیں

(۱) ایک یہ کہ اس دین کی ابتداء یا اس کا ظہور نبوت اور رحمت سے ہوا ہے، یعنی لوگوں کے دین ودنیا کی اصلاح کے لئے اللہ نے جس چیز کو اتارا، یعنی اسلام اس کی ابتداء نبوت ورحمت سے ہوئی ہے، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر محمد ﷺ تک یہ سلسلۂ نبوت جاری رہا، جس کو اللہ نے بندوں پر رحمت وشفقت کے طور پر جاری فرمایا تھا۔

دوسرا دور، دورِ خلافت:

(۲) دوسرے یہ کہ اس نبوت ورحمت کے دور کے بعد دوسرا دور خلافت ورحمت کا ہوگا، چنانچہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد آپ کی پیش گوئی کے مطابق خلافت کا دور آیا اور یہ تیس برس تک قائم رہا جیسا کہ بعض احادیث میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے (ترمذی:۲۱۵۲، احمد:۲۰۹۱۰) اور یہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے دور تک قائم رہا اور یہ دور بھی خدائی رحمت وشفقت کا دور تھا، اسی لئے نبوت کے منہاج پر چلنے والے خلفاء اس میں خلافت پر متمکن ہوئے

تیسرا دور، دورِ بادشاہت:

(۳) اس کے بعد فرمایا کہ "پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی" یہاں ملکِ عضوض کا لفظ آیا ہے، "عضوض" عین کے فتح کے ساتھ مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں خوب کاٹ کھانے والا، یعنی خلافت کے بعد ایسے بادشاہ ہوں گے جو لوگوں پر ظلم وزیادتی کریں گے اور بعض نے فرمایا کہ یہ لفظ "عضوض" عین کے پیش کے ساتھ ہے، جو عِض (بکسرِ عین) کی جمع

ہے جس کے معنی ہیں ''شریر وخبیث'' یعنی ایسے بادشاہ ہوں گے جو شریر وخبیث ہوں گے اور لوگوں پر ظلم کریں گے۔ یہ باعتبار غالب کے فرمایا ہے ورنہ بعض عادل بادشاہ بھی اسی دور میں گذرے ہیں جیسے عمر بن عبدالعزیزؒ جن کے واقعات اور مناقب مشہور ہیں۔

(مرقات ۱۰/۱۰۶، التعلیق الصبیح: ۶/۱۲۹)

چوتھا دور، دورِ جبر وظلم:

(۴) پھر فرمایا کہ ''اس کے بعد خالص آمریت، جبر واستبداد اور زمین میں فساد وبگاڑ کا دور ہوگا'' یعنی ایسے بادشاہ ہوں گے جو جبر واستبداد اور قہر وغلبہ سے کام لیں گے اور زمین میں فساد وبگاڑ پیدا کریں گے جیسا کہ دیکھا جارہا ہے۔ اوپر بھی کئی جگہ ہم نے اس صورت حال کا ذکر کیا ہے۔

اس دور میں لوگوں کی حالت:

(۵) پھر فرمایا کہ ''یہ لوگ زناکاری اور شراب نوشی اور ریشمی لباس کو حلال کرلیں گے اور اس کے باوجود ان کی مدد کی جائے گی اور ان کو رزق بھی دیا جائے گا''

یہ ان لوگوں کو اللہ کی طرف سے ڈھیل اور آزمائش کے طور پر ہوگا اور اہل عقل ودانش غور کریں تو یہ سارے حالات آج واضح طور پر دکھائی دیں گے، بے ایمانی اور بدعملی کے ساتھ مال ودولت کی فراوانی اور اسبابِ عیش وآرائش کی زیادتی اور حکومت وسلطنت اور قوت وشوکت کا ملجانا، دلیلِ صداقت وحقانیت نہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے جس پر اچانک پکڑ ہوتی ہے جیسا کہ یہ مضمون قرآن پاک میں بھی آیا ہے:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا

فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُبْلِسُوْنَ﴾

(ترجمہ: جب انہوں نے بھلا دیا اس چیز کو جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دوراز ے کھول دیئے حتی کہ جب وہ ان کو دی گئی چیزوں پر خوش ہو گئے تو اچانک ہم نے ان کی پکڑ کی پس وہ اس وقت ناامید رہ گئے)

(انعام: ٤٤)

اس حدیث میں اسی بات کو اس طرح فرمایا کہ حرام کو حلال کرنے والوں کو اللہ کی طرف سے برابر رزق دیا جائے گا اور ظاہری طور پر نصرت بھی ہوتی رہے گی مگر پھر اچانک پکڑ کی جائے گی۔

حدیث ﴿۳۴﴾

﴿ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یُبَالِیْ الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ، اَمِنَ الْحَلَالِ اَمِنَ الْحَرَامِ﴾

(ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ﷛ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں آدمی کو (خودرائی اور حرص کی بنا پر) یہ پرواہ نہیں ہوگی کہ جو کچھ وہ لیتا ہے، آیا یہ حلال ہے یا حرام؟

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو متعدد محدثین نے روایت کیا ہے، بخاری نے الصحیح الجامع: ۱۹۱۸ میں، نسائی

نے السنن: ۸/ ۴۳۷، احمد نے مسند: ۹۲۴۷، دارمی نے السنن: ۲۴۲۴، ابن حبان نے الصحیح: ۱۵/ ۱۲۰، ابن الجعد نے مسند: ۱/ ۴۱۶، بیہقی نے السنن الکبریٰ: ۵/ ۲۶۴، میں روایت کیا ہے اور حدیث کا صحیح ہونا واضح ہے۔

حلال وحرام کی تمیز اُٹھ جائے گی:

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں مال ودولت کی حرص اور دین سے جہالت کی بناپر لوگوں کو حرام وحلال کا امتیاز ہی نہ ہوگا اور لوگ اس کی پرواہ ہی نہیں کرینگے اور جو ملا ہڑپ کر جائیں گے۔ یہ یا تو شریعت کے احکام سے جہالت کی وجہ سے ہوگا یا حرص وطمع کی بناپر، اور آج یہ بات بھی نظر آرہی ہے کہ بعض لوگ تو شریعت سے لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے حلال وحرام کی تمیز ہی نہیں کر پاتے اور جب تمیز ہی نہیں کر سکتے تو بچیں گے کیسے؟ اور بعض وہ ہیں جن کو شریعت کا علم تو ہے مگر مال ودولت کی اندھی محبت اور آخرت سے غفلت نے ان کو حلال وحرام کے امتیاز وفرق سے اندھا کر دیا ہے اور جو بھی ملے اس کو لینے پر آمادہ کر رکھا ہے۔

کتنے مسلمان ایسے ہیں جو سود ورشوت اور پرائی چیز کو اٹھا لینے کی حرمت کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں مگر حرص وطمع کی وجہ سے ان حرام چیزوں کو لیتے اور مزہ سے استعمال کرتے ہیں اور اگر ان کو حرام وحلال کے احکام بتائیں تو کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں حلال وحرام کو دیکھیں تو ترقی نہیں ہوسکتی حالانکہ آج مسلمان کی ترقی میں رکاوٹ تو یہی اللہ کے احکامات سے روگردانی اور حلال و حرام میں امتیاز نہ کرنے کی وجہ سے ہے مگر یہ لوگ اپنی جہالت سے یہ سمجھتے ہیں کہ احکام پر عمل کرنے سے رکاوٹ ہوتی ہے۔

حدیث ﴿۳۵﴾

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ لَیَأْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا اَکَلَ الرِّبٰو فَاِنْ لَّمْ یَأْکُلْهُ اَصَابَهٗ مِنْ بُخَارِهٖ وَیُرْوٰی مِنْ غُبَارِهٖ.﴾

(ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً لوگوں پر ایسا دور بھی آئے گا جب کہ کوئی شخص بھی سود سے محفوظ نہیں رہے گا چنانچہ اگر کسی نے براہِ راست سود نہ بھی کھایا تب بھی سود کا بخار یا غبار (یعنی اثر) تو اسے بہر صورت پہنچ کر ہی رہے گا (گو اس صورت میں براہِ راست سود خوری کا مجرم نہ ہو لیکن پاکیزہ مال کی برکت سے تو محروم رہا)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث

اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے احمد: (۱۰۰۰۴)، ابو داؤد: (۲۸۹۳)، نسائی: (۴۳۷۹)، ابن ماجہ: (۲۲۶۹)، بیہقی: (۲۷۶/۵) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے کیونکہ اس کی سند میں حضرت حسن بصریؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور حضرت حسن کے حضرت ابو ہریرہ سے سماع کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے ثابت مانا ہے اور بعض نے انکار کیا ہے، جن کے نزدیک ان کا سماع ثابت ہے ان کے نزدیک یہ حدیث متصل ہے اور جن کے پاس ان کا سماع ثابت نہیں، ان کے پاس یہ حدیث منقطع ہے، چنانچہ امام منذریؒ نے فرمایا کہ اس کے راوی

حضرت حسن بصریؒ نے حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت کیا ہے مگر انہوں نے حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے سنا نہیں، لہٰذا روایت منقطع ہے۔ (عون المعبود: ۱۲۹/۶)

اور حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے مگر علامہ ذہبیؒ نے فرمایا کہ صحیح اس وقت ہوگی جبکہ حضرت حسنؒ کا سماع حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے ثابت ہو۔ (فیض القدیر: ۳۴۶/۵) میں کہتا ہوں کہ یہ ان حضرات کے نقطۂ خیال کے مطابق ہے جو ان کے سماع کا انکار کرتے ہیں اور جو اس کے قائل ہیں ان کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

سود خوری کا سیلاب:

اس میں فرمایا گیا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سود کا عالم چلن ہو جائے گا اور کوئی بھی شخص ایسا نہ رہے گا جو کسی نہ کسی طرح سود میں ملوث نہ ہو اور اگر کوئی بفرض محال باقی بھی رہ گیا تو سود کا غبار اور اس کی دھول تو اس کو لگے گی۔ اور یہ سود کا عام ہونا اس طرح کہ تجارتوں اور معاملات میں سودی لین دین اور شرعی فساد داخل ہوگا جس سے ہر تجارت اور معاملہ فاسد ہو کر بعض صورتوں میں ربا یا ربا کا شبہ پیدا ہو جائے گا۔ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدثؒ نے اس کی شرح میں فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ سود لوگوں میں اس طرح پھیل جائے گا کہ ہر ایک اس کو کھائے گا کیونکہ لوگوں کی تجارتیں اور معاملات فاسد ہوں گے۔ (آگے چل کر فرمایا کہ) اس زمانہ میں اسی طرح ہے کیونکہ ہر قسم کی تجارتیں کفار کے ہاتھوں مین ہیں اور ان کے معاملات فاسد ہیں جو ربا (سود) کے حکم میں ہیں (بذل المجھود: ۲۳۹/۵)

اور اس حدیث میں جو فرمایا کہ سود نہیں تو سود کے اثرات و بخارات تو اس کو پہنچیں گے، وہ اس طرح کہ خود تو سود نہیں کھایا مگر سودی معاملہ کا گواہ بن گیا، یا سودی لین دین کو لکھنے کے کام میں

لگ گیا جیسے بینک کے کلرک ہوتے ہیں یا سودی رقم سے کی گئی ضیافت قبول کرلیا یا سود سے دیا گیا ہدیہ لے لیا، اس طرح کہیں نہ کہیں جا کر سود میں ملوث ہوگا یا اس کا اثر و بخار اس کو لگے گا۔

(بذل المجہود: ۵/۲۳۹، عون المعبود: ۹/۱۲۹)

اس جگہ ''بخار'' کا لفظ سود کے اثرات کے لئے جو استعمال کیا گیا ہے، یہ بڑا معنی خیز ہے کیونکہ بخار کے معنی بھاپ کے آتے ہیں جو پانی وغیرہ گرم کرنے پر اس سے نکلتی ہے، اور ظاہر ہے کہ بھاپ اس وقت نکلتی ہے جب آگ جلائی جائے اور پانی کو گرم کیا جائے، چونکہ قیامت کے دن مال آگ بن جائے گا جس سے سود خور کا دماغ کھولے گا اور اس سے بخارات اور بھاپ نکلے گی، اس لئے سود کے اثرات کو ''بخا اور بھاپ'' سے تشبیہ دی گئی ہے۔ پھر اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح بخار اور غبار ان تمام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے جو وہاں حاضر ہوں، اگر چہ کہ اس بخار اور غبار کو اڑانے والا ایک ہی ہوتا ہے، اسی طرح ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سود کی لعنت اور اس کے اثرات سے سبھی متاثر ہوں گے خواہ وہ خود اس لین دین میں ملوث ہوں یا وہ خود ملوث نہ ہوں بلکہ دوسرے ذریعہ سے ان تک وہ پہنچ جائے۔ آج کے دور میں بینکنگ سسٹم کی وجہ سے سود کی لعنت و نحوست گھر گھر پہنچ گئی ہے اور حدیث کے مطابق سود کھانے کا عام رواج ہوگیا ہے یا کم از کم سود کے اثرات سے کسی نہ کسی طرح لوگ ملوث ہوتے جاتے ہیں۔

حدیث ﴿۳۶﴾

﴿عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّهٗ تُصِیْبُ اُمَّتِیْ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ مِنْ سُلْطَانِهِمْ شَدَائِدُ لَا یَنْجُوْمِنْهُ اِلَّا رَجُلٌ

عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَجَاهَدَ عَلَيْهِ بِلِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَقَلْبِهٖ فَذَالِكَ الَّذِىْ سَبَقَتْ لَهُ السَّوَابِقُ وَرَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَصَدَّقَ بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَسَكَتَ عَلَيْهِ فَاِنْ رَاٰى مَنْ يَعْمَلُ الْخَيْرَ اَحَبَّهٗ عَلَيْهِ وَاِنْ رَاٰى مَنْ يَعْمَلُ بِبَاطِلٍ اَبْغَضَهٗ عَلَيْهِ فَذَالِكَ يَنْجُوْ عَلٰى اِبْطَانِهٖ كُلِّهٖ۔﴾

(ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آخری زمانہ میں میری امت کو اربابِ اقتدار کی جانب سے (دین کے معاملہ میں) بہت سی دشواریاں پیش آئیں گی، (ان کے وبال) سے صرف تین قسم کے لوگ محفوظ رہیں گے، اول وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو ٹھیک پہچانا، پھر اس کی خاطر دل، زبان اور ہاتھ (تینوں) سے جہاد کیا، یہ شخص تو (اپنی تینوں) پیش قدمیوں کی وجہ سے سب سے آگے نکل گیا، دوم وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا پھر (زبان سے) اس کی تصدیق بھی کی (یعنی برملا اعلان کیا)، سوم وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا تو سہی مگر خاموش رہا، کسی کو عملِ خیر کرتے دیکھا تو اس سے محبت کی اور کسی کو باطل پر عمل کرتے دیکھا تو اس سے دل میں بغض رکھا، پس یہ شخص اپنی محبت وعداوت کو پوشیدہ رکھنے کے باوجود بھی نجات کا مستحق ہوگا۔

تشریح

۞تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان (۶/۹۵) میں روایت کیا ہے اور امام ابن رجبؒ نے جامع العلوم والحکم میں فرمایا کہ یہ منقطع اور غریب ہے۔ (۱/۳۲۰) مگر اس کے شواہد بھی متعدد پیش

فرمائے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ اسماعیلی نے ابو ہارون العبدی کی حدیث سے جو کہ بہت ضعیف راوی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سے اور انہوں نے حضرت عمر سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ یہ امت ہلاک ہو جائے سوائے تین آدمیوں کے، ایک وہ جس نے برائی پر اپنے ہاتھ، زبان اور دل تینوں سے انکار کیا، پس اگر ہاتھ سے روکنے میں بزدلی کیا تو زبان و دل سے انکار کیا اور اگر زبان و ہاتھ سے روکنے میں بزدلی کیا تو دل سے انکار کیا۔(جامع العلوم والحکم :۱/ ۳۲۱)

امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن مسعود سے موقوفاً اس مضمون کو دوسرے الفاظ میں روایت کیا ہے (معجم کبیر :۹/ ۱۸۱)،ان شواہدات کی روشنی میں اس حدیث کو منقطع ہونے کے باوجود حسن قرار دیا جا سکتا ہے۔(واللہ اعلم)

ارباب اقتدار سے دین کو خطرہ:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اولاً متنبہ فرمایا کہ آخری زمانہ میں میری اُمت کو سلطان (یعنی اربابِ اقتدار) کی طرف سے بڑی دشواریاں اور سختیاں پہنچیں گی۔ان سختیوں اور دشواریوں سے مراد دین کے معاملہ میں دشواریاں و سختیاں ہیں کیونکہ یہ اصحابِ اقتدار طبقہ، دین کو اور دین پر چلنے کو اپنے لئے اور اپنے عیش وعیاشی کے لئے خطرہ سمجھتا ہے، اس لئے حتی الامکان کوشش کرتا ہے کہ لوگ دین کی بات نہ کریں، اس لئے اہل دین حضرات کو وہ سب سے پہلا اور بڑا نشانہ بناتا ہے اور دین پر چلنے والوں کے لئے دشواریاں پیدا کرتا ہے۔

یہ صورتِ حال آج بہت حد تک سامنے آتی جا رہی ہے، اگر چہ اس سے پہلے بھی بعض بادشاہوں کے دور میں امت شدائد و تکالیف سے دو چار ہوئی ہے جیسے حجاج بن یوسف، یزید بن

معاویہ اور مامون رشید وغیرہ کی طرف سے حالات پیش آئے مگر اب اس میں اضافہ دراضافہ ہوتا جارہا ہے اور جب سے امریکہ کا دنیا پر تسلط قائم ہوا ہے، اہلِ دین واہل مدارس نہ صرف کفار کی بستیوں میں بلکہ خود مسلم ممالک میں بھی ان شدائد ومصائب کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ پاکستان، مصر، ترکی اور سعودی عرب سب جگہ کا یہی حال ہے، اگر کچھ فرق ہے تو کمی بیشی کا ہے، باقی ان سب جگہ کے سلاطین، اُمت کے اہل دین طبقہ کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔

جہاد کا پہلا درجہ:

اس کے بعد فرمایا کہ ان شدائد سے (یا ان کے وبال سے) صرف (تین قسم کے لوگ) نجات پائیں گے۔ ایک وہ آدمی جس نے اللہ کے دین کو ٹھیک طور پر جانا پہچانا پھر اس دین کی خاطر اپنی زبان، ہاتھ اور دل تینوں سے جہاد کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین میں پیش آنے والے فتنوں اور مصائب سے نجات حاصل کرنے کا سب سے اعلیٰ وافضل طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے دین کی خاطر اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے زبان، ہاتھ اور دل تینوں ذرائع سے جہاد کیا جائے، زبان سے جہاد یہ ہے کہ زبان سے نصیحت ووعظ کر کے اربابِ اقتدار اور ان کے مصاحبین کو سمجھایا جائے اور ہاتھ سے جہاد اس وقت ہے جبکہ اس کی قوت وقدرت ہو کہ ان مصائب وآفات کا ہاتھ سے مقابلہ کر کے ان کو روکا اور دفع کیا جائے اور دل سے جہاد یہ ہے کہ دل میں ان برائیوں اور خلافِ دین باتوں کو بُرا سمجھے۔ غرض سبھی ذرائع کو استعمال کر کے ان فتنوں کا سد باب کرنا اعلیٰ درجہ ہے۔ جو آدمی یہ کام کرے گا وہ ان شدائد سے یا ان کے وبال سے نجات پائے گا۔

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہ (تینوں ذرائع سے جہاد کرنے والا) وہ شخص ہے جس کے لئے اعلیٰ درجہ کی سعادتیں مقدر ہیں، کیونکہ اس نے علم وعمل اور کمال وتکمیل کے سب

مراتب کو جمع کرلیا ہے، علم تو یہ کہ وہ دین کو جانتا ہے، عمل یہ کہ دین پر عمل کرتا ہے، پھر اس کمالِ علم وعمل کے ساتھ دوسروں کو کامل بنانے کے لئے زبان، ہاتھ اور دل سب کو استعمال کر کے دینی جدو جہد میں لگا ہوا ہے۔

جہاد کا دوسرا درجہ:

اس کے بعد دوسرے شخص کا ذکر کیا کہ وہ شخص جس نے دین کو جانا اور اس کی تصدیق اور اس کا برملا اعلان کیا، یعنی ہاتھ سے جہاد کی قوت نہ ہونے کی وجہ سے صرف زبان سے حق کی تصدیق وتائید کرتا رہا، برائی کو برائی اور نیکی کو نیکی بتاتا رہا کسی نے برائی کی تو زبان سے اس کو سمجھاتا رہا اور ضرورت پڑی اس کی مذمت وانکار کرتا رہا اور اوامر واحکامِ خداوندی کی زبان سے اشاعت کرتا رہا اور باطل کی زبان سے تردید کرتا رہا تو ایسا آدمی بھی نجات پا جائے گا۔

جہاد کا تیسرا درجہ:

اس کے بعد تیسرے شخص کا ذکر فرمایا کہ ''جو دین کو جانا، اور خاموش رہا، اور اگر کسی کو عمل خیر کرتا دیکھا تو اس کی وجہ سے اس سے محبت کرنے لگا اور کسی کو باطل کام کرتے دیکھا تو اس سے بغض ونفرت رکھا، تو یہ وہ ہے جو (اہل حق سے محبت کو چھپانے اور اہل باطل سے نفرت کو پوشیدہ رکھنے کے باوجود) نجات پا جائے گا، یہ اس شخص کے لئے ہے جس کو زبان سے کہنے اور ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو، لہٰذا وہ صرف دل سے حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھے گا تو نجات پا جائیگا۔
اگر کوئی شخص ان تینوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار نہیں کرے گا تو اس کا ان فتنوں کے وبال سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔

حدیث ﴿۳۷﴾

﴿عَنْ حُذَيْفَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْهُ، فَتَدْعُوْنَهُ فَلَا يَسْتَجِيبَ لَكُمْ﴾

(ترجمہ: حضرت حذیفہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تمہیں نیکی کا حکم کرنا ہوگا اور برائی سے روکنا ہوگا، ورنہ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب نازل فرمائیں، پھر تم اللہ سے (اس عذاب کے ٹلنے کی) دعائیں بھی کروگے تو قبول نہ ہوں گی۔)

تشریح

تخریج و درجہ حدیث:

اس حدیث کو امام ترمذی نے (السنن: ۲۰۹۵) میں اور امام احمدؒ نے (مسند: ۳۸۸/۵) میں روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن فرمایا ہے۔

دعائوں کے قبول نہ ہونے کا دور:

اس حدیث میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو چھوڑ دینے پر سخت وعید بیان کی گئی ہے کہ یا تو تم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو یا نہیں تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیجے گا اور پھر تم خدا سے دعا بھی کرو تو قبول نہیں کی جائے گی۔ معلوم ہوا کہ معروفات کے اشاعت وتبلیغ اور منکرات

کی اصلاح وتردید، اتنا اہم وضروری کام ہے کہ اس کے ترک کرنے پر وعید شدید آئی ہے، ایک تو عذابِ خداوندی کی وعید دوسرے دعاء کے مقبول نہ ہونے کی وعید۔ اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ تم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر تمھارے شریر لوگوں کو مسلط کردے گا پھر تمہارے نیک وصالح لوگ دعا بھی کریں تو مقبول نہ ہوگی۔

(مسند بزار:۱/۲۹۳، مسند الحارث:۲/۷۶۷، مسند ابن الجعد:۱/۳۹۴)

یہ حدیث اگر چہ ایک راوی براء بن یزید کی وجہ سے ضعیف ہے مگر اوپر کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ کرنے پر اللہ کی طرف سے یہ سزا وعذاب آتا ہے کہ شریر وخبیث لوگوں کو حاکم وگورنر مقرر کردیا جاتا ہے، گویا پہلی حدیث میں مذکور "عذاب" کی تفسیر اس دوسری روایت نے کردی۔

آج ظالم وشریر حاکموں کا تسلط اور سیاسی عہدوں ومناصب پر ان کا قبضہ غالباً اسی کا نتیجہ ہے کہ امت کے بیشتر لوگ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اس اہم ترین فریضہ کے تارک بنے ہوئے ہیں بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ لوگ امر بالمعروف کی جگہ امر بالمنکر اور نہی عن المنکر کی جگہ نہی عن المعروف کررہے ہیں، چند دن قبل ایک نوجوان میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کا وعظ سنکر ڈاڑھی رکھ لی ہے، مگر میرے والد مجھے اس پر ٹوکتے اور کہتے ہیں کہ ڈاڑھی منڈالے اور اصرار کرکے پیسے دیتے ہیں کہ حجام کے پاس جاکر ڈاڑھی منڈا کر آؤں۔

ڈاڑھی کے رکھنے پر باپ کو خوش ہونا چاہئے تھا مگر وہ سنت سے ناراض ہے اور منکر کا حکم دے رہا ہے، ایسے سینکڑوں واقعات ملیں گے۔ اس صورت حال کے پیدا ہونے پر وعید سنائی گئی کہ تم دعائیں بھی کروگے تو قبول نہ ہوں گی۔ آج بہت سے لوگ اللہ کی شکایت کرتے ہیں کہ

ہماری دعائیں اللہ نے قبول نہیں کیں، ہم روز دعا کرتے اور گڑگڑاتے ہیں مگر ہماری یہ آہ وزاری اور ہمارا گڑگڑانا بھی قبول نہیں ہوتا، بے شک قبول نہیں ہوتا، کیونکہ ہم نے آج امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا ہے بلکہ اور آگے بڑھکر امر بالمنکر اور نہی عن المعروف میں مشغول ہیں، پھر کس طرح اور کیوں دعائیں قبول کی جائیں؟ اور قبول نہ ہوں تو اللہ کا کیا قصور؟ قصور ہمارا ہے کہ ہم نے قبولیت دعا کی شرائط کو پورا نہیں کیا۔

اس حدیث کو فتن کے باب میں لانے کی وجہ یہی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک بھی ایک فتنہ ہے جیسا کہ اس دور میں یہ فتنہ رونما ہو چکا ہے۔

حدیث ﴿۳۸﴾

﴿عَنِ الْحَسَنِ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ تَحْتَ يَدِاللّٰهِ وَفِيْ كَنَفِهٖ مَالَمْ تَمَالْ قُرَّاءُ هَا اُمَرَاءَ هَا وَلَمْ يُزَكِّ صَالِحُوْهَا فُجَّارَهَا، وَمَالَمْ يَمُنَّ خِيَارُهَا شِرَارَهَا، فَاِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ رَفَعَ اللّٰهُ عَنْهُمْ يَدَهٗ، ثُمَّ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ جَبَابِرَتَهُمْ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ وضَرَبَهُمْ بِالْفَاقَةِ وَالْفَقْرِ وَمَلَأَ قُلُوْبَهُمْ رُعْبًا﴾

(ترجمہ: حسن بصری رحمۃ اللہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ یہ اُمت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دستِ حفاظت کے تحت رہے گی اور اس کی پناہ میں رہے گی جب تک کہ اس امت کے عالم اور قاری، حکمرانوں کی ہاں میں ہاں نہیں ملائیں گے اور امت کے نیک لوگ (ازراہِ خوشامد) بدکاروں کی صفائی پیش نہیں کریں گے اور جب تک کہ امت کے اچھے لوگ

(اپنے مفاد کی خاطر) بُرے لوگوں کو امیدیں نہیں دلائیں گے لیکن جب وہ ایسا کرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے (سروں سے) اپنا ہاتھ اٹھا لے گا، پھر ان میں کے جبار و قہار اور سرکش لوگوں کو ان پر مسلط کردے گا جو انہیں بدترین عذاب کا مزا چکھائیں گے اور انہیں فقر و فاقہ میں مبتلا کردے گا اور ان کے دلوں کو (دشمنوں کے) رعب سے بھر دے گا۔

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس کو امام عبداللہ بن المبارکؒ نے اپنی کتاب "الرقائق" میں برقم: ۸۲۱، (ص: ۲۴۸) میں روایت کیا ہے اور السنن الواردۃ فی الفتن: (۳/۶۹۶) میں بھی اسکو روایت کیا گیا ہے۔ اس کی سند میں صالح المری ہیں، جن کے بارے میں اوپر گذرا کہ وہ حدیث میں ضعیف ہیں، اگرچہ صالح و نیک آدمی تھے لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہوگی۔

علماء ارباب اقتدار سے ہاتھ نہ ملائیں:

یہ حدیث بڑی عبرت خیز و سبق آموز ہے۔ اس میں حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس امت کو اللہ کی طرف سے حفاظت و حمایت حاصل ہوتی رہے گی مگر چند شرطوں کے ساتھ:

(۱) ایک یہ کہ اس امت کے قاری و عالم حکمرانوں اور سیاست دانوں کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں۔ معلوم ہوا کہ اگر یہ عالم و فاضل اور دینی مقتدا اور رہبر جن کو امت مخلص و بے لوث خدامِ دین سمجھتی ہے اور حق و باطل میں امتیاز کیلئے ان کے قول و فعل کو دلیل جانتی ہے، یہ لوگ سیاسی کھلاڑیوں اور حکمرانوں کی اچھی و بری اور صحیح و غلط ہر بات میں تصدیق و تائید کرنے لگیں گے تو

امت اللہ کی حفاظت وحمایت سے محروم کردی جائے گی، وجہ یہ ہے کہ ان دنیا پرست وعہدے پرست علماءِ سوء کی وجہ سے حق وباطل میں امتیاز نہ رہے گا۔لوگ ان کی وجہ سے حق کوحق اور باطل کو باطل نہیں سمجھیں گے بلکہ حق کو باطل اور باطل کوحق سمجھ بیٹھیں گے اور دین سے بُعد ودوری ہوجائے گی اور آخرالامر ہلاک وتباہ ہونگے۔اسی لئے اکثر علماءِ اسلاف نے بادشاہوں کے درباروں میں حاضری اوران کی طرف سے دیئے جانے والے عہدوں اور مناصب کے قبول کرنے کوروا یا اچھا نہیں سمجھا کہ کہیں ان عہدوں ومناصب کی وجہ سے ان کی ہاں میں ہاں ملانے کی نوبت آجائے اور ہم اس حدیث کا مصداق بن جائیں۔امام ابوحنیفہؒ نے ابوجعفر منصور بادشاہ کی طرف سے عہدۂ قضاء پیش کئے جانے پراس سے انکار اسی بنا پر کیا تھا۔

غرض جب علماء سیاست دانوں کے غلام اور مطیع وفرمانبردار بن جائیں اوران کی اچھی وبری ہر بات میں ہاں میں ہاں ملائیں تو اس وقت اللہ کی حمایت وحفاظت اٹھالی جاتی ہے۔

فاسق کی تعریف:

(۲) دوسری شرط یہ کہ نیک وصالح لوگ فساق وفجار کی خوشامد کرتے ہوئے ان کی صفائی وپاکبازی کی سند وتوثیق نہ کریں۔اگر نیک لوگ فجار وفساق کی ازراہِ خوشامد تعریف کرنے لگیں تو سمجھو کہ اللہ کی حفاظت اُٹھ گئی جیسے بعض لوگ بعض بڑے عہدوں ومناصب پر فائز لوگوں کی تعریفیں کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ خوش ہوں اور کام بن جائے حالانکہ وہ لوگ خدا کی نظر میں گنہگار اور فساق وفجار ہوتے ہیں،ان کی ایسی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بس ان سے اچھا اور بہتر کوئی آدمی نہیں،ان کے لئے ایسے القاب وآداب بیان کئے جاتے ہیں جیسے ابوحنیفۂ زماں ہے،یا کوئی غزالیٔ وقت ہے،یا کوئی جنیدِ وقت ہے،حالانکہ ایک ضعیف

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ غضبناک ہوتے ہیں اور اس کا عرش حرکت میں آجاتا ہے۔(شعب الایمان:۴/۲۳۰،دیلمی:۱/۳۳۶)

اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کام سے اللہ کی مدد و حفاظت اٹھالی جاتی ہے۔افسوس کہ بعض علماء بھی اس بدترین گناہ میں آج ملوث ہیں اور امت کے لئے ان کا یہ فعل خطرہ بنا ہوا ہے۔

شریروں کی ہمت افزائی:

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ امت کے اچھے لوگ بُرے لوگوں کو امیدیں نہ دلائیں۔غالباً یہ مطلب ہے کہ شریروں کی اصلاح کے بجائے ان کی شرارتوں پر انکی حوصلہ افزائی کریں اور ان کی ان حرکات پر ان کو امید دلائیں کہ اس کام سے بڑا فائدہ ہوگا حالانکہ وہ فائدہ کا نہیں، ضرور نقصان کا کام ہوگا، محض خوشامد و چاپلوسی اور دنیوی مفاد کی خاطر وہ ایسا کریں تو پھر اللہ کی حفاظت سے امت محروم کردی جائے گی۔

انتخابات کے موقعہ پر یہ صورت حال خوب دیکھنے کوملتی ہے کہ صاحبِ جبہ و دستار لوگ بھی کسی نہ کسی سیاسی کھلاڑی اور سیاست باز لیڈر کی حوصلہ افزائی اور اس کو امید دلانے میں (کہ آپ ضرور کامیاب ہوں گے، آپ سے امت اور ملت کو یہ فائدہ ہوگا) لگے ہوتے ہیں اور اس کے پیچھے وہی مفاد پرستی و چاپلوسی کارفرما ہوتی ہے۔

اللہ کی حفاظت اٹھالی جائے گی:

اس صورتِ حال پر اللہ کے نبی ﷺ نے اگلے جملوں میں فرمایا کہ اللہ اپنا ہاتھ امت سے اٹھالے گا اور ان پر جبار و قہار بادشاہوں اور حاکموں کو مسلط کردیگا جو انہیں بدترین عذاب کا مزا

چکھائیں گے اوران کوفقر وفاقہ میں مبتلا کردے گا اوران کے دلوں کودشمنوں کے رعب سے بھر دے گا۔

کیا آج کے دور میں امت ان سارے حالات وحوادث کا شکار نہیں ہے؟ ظالم بادشاہوں کا تسلط بھی ہے،فقر وفاقہ بھی بہت سے مما لک میں ہےاور دشمنوں کے رعب سے قلوب کا بھر جانا بھی دکھائی دیتا ہے،اس سے چھٹکارااس وقت حاصل ہوگا جبکہ ان شرائط کو پورا کیا جائے جو ابھی مذکور ہوئے۔

حدیث ﴿٣٩﴾

﴿عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ،اَرَاهُ مَرْفُوْعًا، قَالَ: يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَدْعُوْالْمُؤْمِنُ لِلْجَمَاعَةِ فَلَا يُسْتَجَابُ لَهُ، يَقُوْلُ اللّٰهُ اُدْعُنِيْ لِنَفْسِكَ وَلِمَا يَحْزُبُكَ مِنْ خَاصَّةِ اَمْرِكَ، فَاُجِيْبَكَ وَاَمَّاالْجَمَاعَةُ فَلَا،اِنَّهُمْ اَغْضَبُوْنِيْ (وَفِيْ رِوَايَةٍ) فَاِنِّيْ عَلَيْهِمْ غَضْبَانُ ﴾

(ترجمہ:حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایالوگوں پرایک ایسادور آئے گا کہ مؤمن، مسلمانوں کی جماعت کے لئے دعا کرے گامگرقبول نہیں کی جائیگی ،اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:تو اپنی ذات کے لئے اوراپنی پیش آمدہ ضروریات کے لئے دعا کر، میں قبول کرتا ہوں،لیکن عام لوگوں کے حق میں قبول نہیں کروں گا،اس لئے کہ انہوں نے مجھے ناراض کرلیا ہےاورایک روایت میں ہے کہ میں ان سے ناراض ہوں۔

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو ابن المبارک نے کتاب الرقائق میں دو جگہ برقم: (۴۵۸) (ص:۱۵۹) وبرقم: (۱۰۸۶) (ص:۳۱۷) پر روایت کیا ہے، نیز ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء: (۱۷۵/۶) میں، دیلمی نے مسند الفردوس (۴۴۵/۵) میں روایت کیا ہے۔ ابونعیم نے اس کو روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث صالح (المری) کی روایت سے غریب ہے، اس کی روایت میں داؤد بن المحبّ متفرد ہیں۔ (حلیہ: ۱۷۵/۶) میں کہتا ہوں کہ صالح المری کی تضعیف اوپر کی حدیث اور اس سے قبل حدیث نمبر ۲۳ میں گذر چکی ہے اور اس حدیث کا راوی داؤد بن المحبر بھی انتہائی ضعیف ہے۔

امام بخاری نے فرمایا کہ یہ منکر الحدیث ہے اور امام احمد نے فرمایا کہ یہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا اور اس کو حدیث کیا ہے اس کا علم ہی نہیں، ابوحاتم نے فرمایا کہ غیر ثقہ منکر الحدیث ہے، اسی طرح ابوزرعہ وابوداؤد وغیرہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور ابن حبان نے حد کر دی کہ فرمایا کہ وہ حدیث وضع کرتا تھا اور علماء نے اس کے ترک پر اجماع کیا ہے (دیکھو، تاریخ کبیر: ۲۶۷/۳، الجرح والتعدیل: ۴۲۴/۳، المغنی فی الضعفاء: ۲۲۰/۱، الضعفا والمتروکین: ۲۶۷/۱)، البتہ یحییٰ بن معین نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ ثقہ ہیں، لیکن حدیث کا مشغلہ چھوڑ دیا تھا اور زہد و عبادت اختیار کر لی تھی اور بڑی عمر میں حدیث بیان کی تو غلطی کرنے لگے۔

...... (میزان الاعتدال: ۳۳/۳)

اور تہذیب ومیزان میں ہے کہ یحییٰ نے فرمایا کہ یہ برابر حدیث کے سلسلہ میں معروف تھے

پھراس کوترک کردیااور معتزلہ کے ساتھ رہنے لگے،انہوں نے ان کو بگاڑدیا،ویسے وہ ثقہ ہیں (تہذیب :۳/۱۴۴/۳ ومیزان الاعتدال: ۳۴/۳)مگر داوٗد بن المحب کی متابعت عبد اللہ بن المبارک اورہیثم بن جمیل نے کی ہے(جیسا کہ کتاب الرقائق سے ظاہر ہے)لھٰذایہ ضعف ختم ہو گیا،اب صرف صالح المری کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے(واللہ اعلم)

❁خدا کی ناراضی کا دور :

حدیث کی مراد واضح ہے کہ امت عام طور پر گناہوں میں مبتلا ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض وغضبناک ہوں گے،اگرکوئی آدمی نیک ومتقی ہوگا اوروہ امت کے لئے دعا کرے گا تو یہ کہدیا جائے گا کہ تو اپنے لئے دعا کرتو قبول کرلی جائے گی مگرامت کے عام لوگ چونکہ مجھے غضبناک وناراض کرچکے ہیں،اس لئے ان کے حق میں دعا قبول نہیں کروں گا۔

آج جواللہ کے اوٗلیاءوبزرگانِ دین امت کے لئے دعا کرتے ہیں مگرقبول نہیں ہوتی، اس کی وجہ اس حدیث سے سمجھ میں آتی ہے کہ جب امت عموماً گناہوں کی وجہ سے خدا کی ناراضی کامحل بنی ہوئی ہے تو کسی بزرگ کا دعا کرنا کافی نہ ہوگا جب تک کہ گناہوں سے باز آ کراللہ سے تعلق نہ پیدا کرلیا جائے۔

اس پرحضرت اقدس مرشدی ومولائی مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم کا ملفوظ جوبارہاسنا ہواہے یادآیا،حضرت نے فرمایا کہ بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ آج ہرجگہ امت کے لئے دعائیں ہورہی ہیں،حرم شریف میں،مساجد میں، بزرگوں کے پاس،مگر یہ دعائیں کیوں قبول نہیں ہورہی ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ اگرکوئی لڑکا باپ کی دکان پربیٹھ کرغلطی کردے اور باپ اس کودکان سے نکالدے اوراس لڑکے کے چچا،تایااور دیگر رشتہ دار،سب ملکراس لڑکے کے باپ سے معافی مانگیں اوروہ لڑکا خودمعافی نہ مانگے،توکیاباپ معاف کردے گا؟اسی طرح امام

حرم اور بزرگانِ امت معافی مانگیں اور خود مجرم وگنہ گار لوگ معافی نہ مانگیں، تو اللہ تعالیٰ کیسے معاف کریں گے؟

غرض یہ کہ امت عام طور پر گناہوں میں مبتلا ہو اور معافی نہ مانگے اور کوئی اللہ والا ان کے حق میں معافی مانگے اور ان کی ضروریات وحاجات کی درخواست کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہ کریں گے۔

حدیث ﴿۱۰﴾

﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ هِمَّةُ أَحَدِهِمْ فِيْهِ بَطْنُهُ وَدِيْنُهُ هَوَاهُ۔﴾

(ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں پر ایک دور آئے گا جس میں آدمی کا اہم مقصد شکم پروری بن جائے گا اور خواہش پرستی اس کا دین ہوگا۔

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے امام ابن المبارکؒ نے اپنی کتاب الرقائق میں برقم: (۶۱۳) (ص: ۲۰۴) میں روایت کیا ہے۔

اور ابن المبارک تک اس کی سند صحیح ہے کیونکہ ابن المبارک نے سعید بن ابی ایوب سے اور انہوں نے صفوان بن سلیم سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے، سعید بن ابی ایوب

محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں (تہذیب الکمال : ۱۰/۳۴۴) اور صفوان بن سلیم بڑے ائمہ وحفاظ حدیث میں سے ہیں (دیکھو سیر اعلام النبلاء : ۵/۳۶۵ والجرح والتعدیل : ۴/۴۲۴) اور امام احمد نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کا جہاں ذکر ہو، آسمان سے بارش ہوتی ہے۔

(طبقات الحفاظ : ۱/۶۱)

جیب اور پیٹ کا دور :

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں آدمی کا بڑا اہم مقصد پیٹ کا مسئلہ ہوگا اور خواہش پرستی اس کا دین ہوگا۔ آج کے دور پر یہ دونوں باتیں صادق آتی ہیں اور پورے طور پر صادق آتی ہیں، چنانچہ پیٹ کا مسئلہ آج سارے مسائل میں سب سے بڑا اور اہم مسئلہ بنا ہوا ہے، آج کی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی شکم پروری ہے، گراجویٹ، ڈاکٹر، انجینئر اور دیگر ماہرین علوم وفنون کے پیش نظر اگر کوئی چیز ہے تو وہ یہی پیٹ کا مسئلہ ہے اور اسی لئے اس ذہنیت کے لوگ علماء وطلباء اور مدارس اسلامیہ کو دیکھ کر پریشان ہوتے ہیں کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو اپنے پیٹ کے لئے کوئی راستہ وسبیل نہیں نکالتے اور اس قسم کے لوگ علماء کو مشورہ بھی دیتے ہیں کہ مدارس میں دینوی تعلیم کا نظام رکھا جائے، صنعت وحرفت سکھائی جائے اور کچھ ٹکنالوجی کی تعلیم دی جائے وغیرہ، مگر ان بیچاروں کو خبر نہیں کہ دنیا کا اہم مسئلہ پیٹ نہیں ہے، یہ کافرانہ ذوق کی باتیں ہیں، اسلامی ذوق تو یہ کہتا ہے کہ پیٹ کا مسئلہ ایک ضمنی مسئلہ ہے، اصل مسئلہ دل کا مسئلہ ہے یا یوں کہئے کہ بطن کا مسئلہ اصل نہیں، باطن کا مسئلہ اہم ہے۔

غرض یہ کہ آج ہر کس وناکس پر پیٹ کے مسئلہ کا بھوت سوار ہے جس کی وجہ سے حرام وحلال کی تمیز نہیں کی جاتی اور جس طرح چاہے مال حاصل کرنے کی فکر کی جاتی ہے۔

دین داری یا ھوا پرستی:

اسی طرح آج شہوتوں اور خواہشوں کی اتباع کو دین و مذہب اور اپنا اصلی کام سمجھ لیا گیا ہے جیسے ایک دیندار آدمی دین پر چلنے کو اصلی کام سمجھتا ہے، اسی طرح یہ لوگ خواہش کی پیروی کو اصلی واہم کام سمجھتے ہیں، اس کے آثار آج بالکل واضح طور پر دکھائی

آج سیرت کے جلسے منائے جاتے ہیں، مگر سارے کام نفس و خواہش پرستی کے ہوتے ہیں، جلوس نکالا جاتا ہے، اس میں بینڈ، باجا بھی ہوتا ہے، ناچ بھی ہوتا ہے، گانے بھی ہوتے ہیں، شور و ہنگامہ بھی کیا جاتا ہے، عریاں تصاویر کی نمائش بھی ہوتی ہے۔ سوچئے کہ کیا ان چیزوں کو دین و شریعت اور نبی کی سیرت سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہے؟

اسی طرح بعض جلسے کئے جاتے ہیں جس میں نام دین کا ہوتا ہے مگر وہاں بے پردہ عورتیں بھی بلائی جاتی ہیں، ویڈیو اور تصویر کشی کا نظم بھی ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات ان جلسوں میں بے دین اور ملحدانہ ذہنیت رکھنے والوں کو بلا کر ان کی آؤ بھگت کی جاتی ہے اور ایسے لوگوں سے تقاریر کروائی جاتی ہیں جن میں وہ اسلام اور مدارس اور علماء کے خلاف اپنی بھڑاس نکالتے ہیں مگر وہاں کوئی حق کہنے والا نہیں ہوتا بلکہ علماء بھی محض مدعو ہونے کی وجہ سے ان کی تعریف کر کے چلے آتے ہیں، کیا یہ دین ہے یا خواہش پرستی ہے؟

ابھی مجھے ایک سیرت کے جلسے کا دعوت نامہ ملا ہے، جس میں مجھے بھی بحیثیت مقرر دعوت دی گئی تھی اور میں نے قبول بھی کر لیا تھا مگر دعوت نامہ دیکھ کر انکار کرنا پڑا کیونکہ اس سیرت کے جلسے میں ایک غیر مسلم رہنما کے ہاتھوں ڈاکٹر امبیڈکر کی مورتی کو ہار پہنایا جائے گا، آخر سیرت محمدی ﷺ کے جلسے سے اس کو کیا تعلق؟ یہ محض دین کے نام پر نفس پرستی یا مفاد پرستی نہیں تو اور کیا

ہے؟ بنگلور میں ایک دینی مدرسہ کا طلائی جلسہ ہوا تو وہاں وہ سب کچھ ہوا جو ایک سیاسی وغیر مذہبی جلسہ میں ہوتا ہے اور دیکھنے والوں نے بتایا کہ دور دور تک کوئی بات ایسی نظر نہیں آئی جو یہ محسوس کرادے کہ دینی مدرسہ کا جلسہ ہے۔

اس قسم کی بے شمار مثالیں معاشرے میں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آج دین کے نام پر نفس پرستی کی عیاری کس طرح پھیلی ہوئی ہے۔

حدیث ﴿۲۱﴾

﴿عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اَقْوَامٌ، اِخْوَانُ الْعَلَانِيَةِ اَعْدَاءُ السَّرِيْرَةِ، فَقِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ يَكُوْنُ ذَالِكَ؟ قَالَ: ذَالِكَ بِرَغْبَةِ بَعْضِهِمْ اِلٰى بَعْضٍ وَرَهْبَةِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ﴾۔

(ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں کہ آخری زمانہ میں ایسی قومیں ہوں گی جو اوپر سے خیر سگالی کا مظاہرہ کریں گی اور اندر سے ایک دوسرے کی دشمن ہوں گی، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا ایک دوسرے سے (شدید نفرت رکھنے کے باوجود صرف) خوف اور لالچ کی وجہ سے (بظاہر دوستی کا مظاہرہ کریں گے)۔

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو امام احمد نے مسند: (۲۱۰۴۳)، بزار نے مسند: (۹۴/۷)، طبرانی نے معجم

اوسط: (۱/۱۳۸)، اور مسند الشامیین: (۲/۳۴۱)، میں روایت کیا ہے۔ طبرانی نے معجم اوسط میں فرمایا کہ اس حدیث کو حضرت معاذ سے اس سند کے سواء دوسری سند سے روایت نہیں کیا گیا ہے اور ابو بکر ابن ابی مریم اس کی روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ اور علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد: (۷/۲۸۶) میں فرمایا کہ اس کی سند میں ابو بکر ابن ابی مریم ہے جو کہ ضعیف ہے۔

راقم کہتا ہے کہ ابو بکر بن ابی مریم کی احمد، ابن معین، ابو زرعہ نے تضعیف کی ہے جوزجانی نے فرمایا کہ قوی نہیں ہے، اسی طرح نسائی و دار قطنی نے ضعیف کہا ہے اور ابن عدی نے فرمایا کہ ان کی حدیثیں صالح ہیں، مگر ان سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا ہے۔

(دیکھو تہذیب الکمال: ۳۳/۱۰۹، تہذیب: ۱۲/۲۹، میزان الاعتدال: ۷/۳۳۵)

ظاہر داری و چاپلوسی کا دور:

اس حدیث میں آخری زمانہ کی ایک حالت بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ لوگ ظاہر میں دوست اور بھائی بنے ہوئے ہوں گے اور اندرونی طور پر دشمن ہوں گے، یعنی ظاہراً دوستی کا مظاہرہ کریں گے اور حقیقت میں دوستی نہ ہوگی، بلکہ دل میں بغض و نفرت اور عداوت ہوگی۔

صحابہ کرام ﷺ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ایسا کیوں ہوگا؟ یعنی لوگ ایسا کیوں کریں گے۔ آپ ﷺ نے وجہ بیان فرمائی کہ اس کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ ایک دوسرے سے حرص ولالچ رکھیں گے، اس لئے دل میں بغض و عداوت ہونے کے باوجود محبت اور دوستی ظاہر کریں گے، تا کہ اس کی وجہ سے کچھ مال و دولت وہ دیدے یا اس لئے ایسا کریں گے کہ ایک دوسرے کا خوف ہوگا کہ ہم دشمنی ظاہر کریں گے تو کہیں ہمارے خلاف کارروائی نہ ہو جائے، محض دنیوی حرص ولالچ اور خوف و ڈر کی بنا پر یہ ظاہری دوستی ہوگی، ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو دل میں

عداوت ہوگی۔

حدیث ﴿۴۲﴾

﴿عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ اُمَّتِيْ الْمَالُ﴾

(ترجمہ: حضرت کعب بن عیاض ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا خاص فتنہ مال ہے۔)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس کو ترمذی نے برقم: (۲۲۵۸) احمد نے برقم: (۱۶۸۲۶) اور ابن حبان نے صحیح (۱۷/۸) حاکم نے مستدرک (۳۵۴/۲) طبرانی نے معجم اوسط (۳۲۵/۳) و معجم کبیر (۱۷۹/۱۹) قضاعی نے مسند الشہاب (۱۲۴/۲) بیہقی نے شعب الایمان (۲۸۰/۷) اور دیلمی نے مسند الفردوس (۳۳۸/۳) میں روایت کیا ہے حاکم نے صحیح الاسناد کہا اور ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

مالی فتنوں کا دور:

بعض علماء نے فتنہ کی تفسیر آزمائش وامتحان سے کی ہے، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے ﴿اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (کہ تمہارے اموال واولاد آزمائش ہیں) اور بعض نے فرمایا کہ فتنہ سے مراد معصیت وگناہ ہے، یعنی مال کے ذریعہ گناہوں اور معصیتوں میں ابتلاء ہوتا ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر امت کو کسی نہ کسی طرح کا فتنہ (یعنی آزمائش) پیش آیا ہے اور میری امت کے لئے مال کو آزمائش وامتحان کا ذریعہ بنایا گیا، لہٰذا اگر وہ مال کو اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کا شکر کرتی اور اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتی ہے تو کامیاب ہوگی اور اگر محض اپنی محنت وقابلیت کا نتیجہ سمجھ کر من مانی کرے گی اور حرام وحلال کی تمیز کے بغیر بٹور یگی اور اس کے خرچ کرنے میں شریعت کے احکام سے غفلت برتے گی تو ناکام ہوگی۔ یہ ہے آزمائش ہونے کا مطلب اور اگر فتنہ کے دوسرے معنی مراد لیں تو معنی یہ ہونگے کہ ہر امت کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئی ہے اور میری امت کا گناہ میں ابتلاء مال کی وجہ سے ہوگا کہ وہ مال کی محبت میں گرفتار ہو کر اچھے بُرے کی تمیز کھو دے گی اور حرام وحلال ہر چیز اختیار کرے گی اور گمراہ ہوگی۔

❁ مالی فتنہ کی شکلیں:

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مال کا فتنہ مختلف شکلوں سے پیش آتا ہے۔

(۱) مال کے حاصل کرنے میں حرام وحلال کی تمیز نہ کرنا،

(۲) مال کے حاصل کرنے میں حد سے تجاوز کرنا، جس سے دیگر احکامات شرعیہ میں فتور واقع ہو، مثلاً اس طرح مشغول ہو گیا کہ نمازوں کی خبر نہ رہی۔

(۳) مال کی محبت میں مبتلا ہو جانا۔

(۴) مال کے خرچ کرنے میں اچھے اور بُرے مصرف کا خیال نہ کرنا۔

(۵) حرام کاموں کے لئے مال کو خرچ کرنا۔

(۶) فضول طور پر مال کو اڑانا۔

(۷) مال کے صحیح جگہ خرچ کرنے میں بخل کرنا۔

(۸)مال سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا نہ کرنا ،مثلاً زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا، ماں باپ، بیوی بچوں اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق مالیہ ادا کرنے میں کوتاہی کرنا اور مساکین وغرباء وغیرہ کو دینے میں پہلوتہی کرنا وغیرہ۔ان شکلوں میں سے کچھ لوگ کسی میں مبتلا ہیں تو دوسرے کسی اور میں مبتلا ہیں،اس طرح یہ مالی فتنہ امت کو اپنے نرغہ میں لے چکا ہے، الاّ ماشاءاللہ!

حدیث ﴿۳۱﴾

﴿عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ الْمُطَّلِبِ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :يَظْهَرُ هٰذَا الدِّيْنُ حَتّٰى يُجَاوِزَ الْبِحَارَ وَحَتّٰى يُخَاضَ الْخَيْلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ يَأْتِيْ اَقْوَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا قَرَءُوْهُ قَالُوْا: قَدْ قَرَأْنَا الْقُرْاٰنَ فَمَنْ اَقْرَءُ مِنَّا ؟ مَنْ اَعْلَمُ مِنَّا؟ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَالَ: هَلْ تَرَوْنَ فِيْ اُولٰئِكَ مِنْ خَيْرٍ ؟ قَالُوْا : لَا، قَالَ :فَاُولٰئِكَ مِنْكُمْ وَاُولٰٓئِكَ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَاُولٰٓئِكَ وَقُوْدُ النَّارِ﴾

(ترجمہ: حضرت عباس ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ دین یہاں تک پھیلے گا کہ سمندر تک پہنچ جائے گا اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بر و بحر میں گھوڑے دوڑائے جائیں گے،اس کے بعد ایسے گروہ آئیں گے جو قرآنِ مجید پڑھ لینے کے بعد کہیں گے، ”ہم نے قرآن تو پڑھ لیا،اب ہم سے بڑا قاری کون ہے؟ ہم سے بڑھ کر عالم کون ہے؟ پھر آپ ﷺ نے صحابہ ؓ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ ان میں ذرا بھی خیر ہوگی؟ صحابہ ؓ نے عرض کیا نہیں ،فرمایا: مگر ایسے لوگ بھی تم مسلمانوں ہی میں شمار ہوں گے ،ایسے

لوگ بھی اسی امت میں ہوں گے، یہ لوگ (دوزخ کی) آگ کا ایندھن ہوں گے۔

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو بزار نے مسند: (۱۴۹/۴) میں، ابویعلی نے اپنے مسند: (۵۹/۱۲) میں، دیلمی نے فردوس: (۵۱۵/۵) میں، ابن المبارک نے الزھد: (۱۵۷/۴۵) میں، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور طبرانی نے معجم اوسط: (۲۲۱/۶) میں، بزار نے مسند: (۴۰۵/۱) میں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

عباس بن عبدالمطلب کی روایت میں موسیٰ بن عبیدہ الزبیدی راوی ہے اور وہ ضعیف ہے (کمافی مجمع الزوائد: ۱۸۶/۱) اور حضرت عمر والی روایت میں بزار کے تمام راوی قابل وثوق واعتبار ہیں۔ (کمافی المجمع ایضا: ۱۸۲/۱) لہٰذا پہلی روایت کی شاہد یہ دوسری روایت ہو جائے گی اور قابل اعتبار ٹھہرے گی۔

خود پسندی کا دور:

اس حدیث میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے اولاً بشارت سنائی کہ دین سمندروں تک پھیل جائیگا یعنی سمندر پار کے ملکوں میں بھی پہنچ جائے گا اور دین کی حفاظت واشاعت کے لئے اللہ کے راستہ میں گھوڑے دوڑائے جائیں گے، جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے:

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لیکر صفت جام پھرے

کوہ میں، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھکو کبھی ناکام پھرے؟
دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے!
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے!

پھر آپ نے اس صورتِ حال میں تبدیلی وانقلاب کا ذکر فرمایا کہ اس کے بعد کچھ لوگ آئیں گے، جو قرآن پڑھیں گے اور اپنے آپ کو سب سے بڑا قاری وعالم کہیں گے یعنی تھوڑا علم حاصل کر کے بڑے بڑے دعوے کریں گے، یہ ظاہر پرست اور مکار وچالباز علماء ہوں گے، یا خوش الحان قراء ہونگے، جو اس ظاہر پرستی اور خوش الحانی کو سب کچھ سمجھ لیں گے۔ آخر حدیث میں آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اسی امت میں سے ہوں گے اور یہ لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

علماء سوء سے اسلام کو نقصان:

اس حدیث میں بڑی اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اولاً تو اسلام کی ترقیات وفتوحات کا ذکر کیا پھر کچھ علماء وقراء کا ذکر کیا جو خود پسندی یا انانیت میں مبتلا ہوں گے اور اس گروہ کو اس طور پر ذکر کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی ترقیات اور فتوحات میں یہی لوگ رکاوٹ ہیں، کیونکہ اس گروہ کو آپ نے اسلام کی ترقی کا ذکر کرنے کے بعد بطور تقابل پیش کیا ہے۔

یہ بڑی قابل عبرت بات ہے اور سو فیصد صحیح ہے کیونکہ خود پسندی اور انا پرستی کی وجہ سے یہ لوگ نہ علماءِ حق کا ساتھ دیتے ہیں اور نہ علماءِ حق کو آگے آنے دیتے ہیں، بلکہ ان کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش میں اپنی ہمت اور وقت واستعداد خرچ کرتے ہیں، مقصد صرف اپنی انا

کی تسکین اور اپنی عزت وشہرت کا بقاء وتحفظ ہوتا ہے، پھر دین کو ترقی کیسے ہوگی اور فتوحات کا دروازہ کہاں سے کھلے گا؟

اس سے معلوم ہوا کہ علماء سوء ہی اسلام کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتے ہیں، للہذا اس حدیث میں قرآن پڑھنے والوں سے مراد علماء سوء ہیں جو صرف اپنے دنیوی مفادات اور نام وشہرت کے لئے دینی علوم حاصل کرتے اور اس کی خدمت کرتے ہیں۔

جدت پسند طبقہ سے اسلام کو نقصان:

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو صحیح معنے میں نہ قرآن پڑھتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں، بلکہ تھوڑا بہت الٹا سیدھا پڑھکر اجتہاد کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور علماء سے بھی ٹکر لینے کی کوشش کرتے ہیں، جیسا کہ آج جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں ایک طبقہ اسلامیات سے دل چسپی رکھتا ہے مگر اس کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ اپنی انانیت وخود پسندی کی وجہ سے علم شریعت کی تحصیل میں کسی اصول وضابطہ کی پابندی نہیں کرنا چاہتا اور نہ کسی کی شاگردی کا قائل ہے، بلکہ اپنی بے بصیرتی کے ساتھ قرآن پڑھکر اپنی ذہنی وعقلی تاویلات رکیکہ وفاسدہ ہی کو تفسیر قرآن وتفہیم قرآن کا نام دیدیتا ہے اور علماء کو بھی انہی تاویلات کو ماننے کی دعوت دیتا ہے، ورنہ ان پر جمود وتعطل کا حکم لگاتا اور فہم قرآن سے بے بہرہ قرار دیتا ہے، اس میں کیا شک ہے کہ یہ گروہ بھی اسلام کی ترقی میں رکاوٹ ہے، غرض یہ کہ اس حدیث میں قرآن پڑھنے والوں سے علماء سوء مراد ہیں یا عالم نما جہلاء مراد ہیں جن سے اسلام کی ترقی رک گئی ہے۔

حديث (۸۸)

﴿عَنْ حُذَيْفَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :مِنْ اِقْتِرَابِ السَّاعَةِ اِثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ خَصْلَةً، اِذَا رَأَيْتُمُ النَّاسَ اَمَاتُوْا الصَّلٰوةَ، وَاَضَاعُوْا الْاَمَانَةَ وَاَكَلُوْا الرِّبَا، وَاسْتَحَلُّوْا الْكِذْبَ وَاسْتَخَفُّوْا بِالدِّمَاءِ،وَاسْتَعْلَوْا الْبِنَاءَ، وَبَاعُوْا الدِّيْنَ بِالدُّنْيَا وَتُقَطَّعَتِ الْاَرْحَامُ،وَيَكُوْنُ الْحُكْمُ ضَعْفًا، وَالْكِذْبُ صِدْقًا،وَالْحَرِيْرُ لِبَاسًا،وَظَهَرَ الْجَوْرُ، وَكَثُرَتِ الطَّلَاقُ وَمَوْتُ الْفُجَاءَةِ،وَاُئْتُمِنَ الْخَائِنُ ، وَخُوْنَ الْاَمِيْنُ ، وَصُدِّقَ الْكَاذِبُ ، وَكُذِّبَ الصَّادِقُ وَكَثُرَ الْقَذْفُ، وَكَانَ الْمَطَرُ قَيْظًا، وَالْوَلَدُ غَيْظًا ، وَفَاضَ اللِّئَامُ فَيْضًا، وَغَاضَ الْكِرَامُ غَيْضًا وَكَانَ الْاُمَرَاءُ وَالْوُزَرَاءُ كَذَبَةً وَالْاُمَنَاءُ خَوَنَةً وَالْعُرَفَاءُ ظَلَمَةً وَالْقُرَّاءُ فَسَقَةً،اِذَا لَبِسُوْا مُسُوْكَ الضَّانِ ، قُلُوْبُهُمْ اَنْتَنُ مِنَ الْجِيَفِ ، وَاَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ، يُغْشِيْهِمُ اللّٰهُ فِتْنَةً يَتَهَا رَكُوْنَ فِيْهَا تَهَا رُكَ الْيَهُوْدِ الظَّلَمَةِ وَتَظْهَرُ الصَّفْرَاءُ يَعْنِيْ الدَّنَانِيْرَ، وَتُطْلَبُ الْبَيْضَاءُ، وَتَكْثُرُا لْخَطَايَا، وَيَقِلُّ الْاَمَنَ، وَحُلِّيَتِ الْمَصَاحِفُ، وَصُوِّرَتِ الْمَسَاجِدُ وَطُوِّلَتِ الْمَنَابِرُ وَخُرِّبَتِ الْقُلُوْبُ ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَعُطِّلَتِ الْحُدُوْدُ، وَ وَلَدَتِ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَتَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ قَدْ صَارُوْا مُلُوْكًا، وَشَارَكَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا فِيْ التِّجَارَةِ، وَتَشَبَّهَ الرِّجَالُ بِالنِّسَاءِ، وَالنِّسَاءُ بِالرِّجَالِ،وَحُلِفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُسْتَحْلَفَ،وَشَهِدَ الْمُؤْمِنُ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُسْتَشْهَدَ،وَسُلِّمَ لِلْمَعْرِفَةِ، تُفُقِّهَ لِغَيْرِ

دِیْنِ اللّٰہِ، وَطُلِبَ الدُّنْیَابِعَمَلِ الْاٰخِرَۃِ، وَاتُّخِذَالْمَغْنَمُ دُوَلًا وَالْاَمَانَۃُ مَغْنَمًا ،وَالزَّکٰوۃُ مَغْرَمًا،وَکَانَ زَعِیْمَ الْقَوْمِ اَرْذَلُھُمْ وَعَقَّ الرَّجُلُ اَبَاہُ، وَجَفَا اُمَّہٗ وَضَرَّ صَدِیْقَہٗ،وَاَطَاعَ اِمْرَأَتَہٗ، وَعَلَتْ اَصْوَاتُ الْفَسَقَۃِ فِی الْمَسَاجِدِ وَاتُّخِذَ الْقِیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ فِی الطُّرُقِ وَاتُّخِذَ الظُّلْمُ فَخْرًا، وَبِیْعَ الْحُکْمُ وَکَثُرَتِ الشُّرَطُ، وَاتُّخِذَ الْقُرْاٰنُ مَزَامِیْرَ، وَجُلُوْدُ السِّبَاعِ خِفَافًا وَلَعَنَ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَوَّلَھَا فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذَالِکَ رِیْحًا حَمْرَاءَ وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰیَاتٍ ﴾

(ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بہتر چیزیں قربِ قیامت کی علامت ہیں، جب تم دیکھو کہ:

(۱) لوگ نمازیں غارت کرنے لگیں (۲) امانت ضائع کرنے لگیں (۳) سود کھانے لگیں (۴) جھوٹ کو حلال سمجھنے لگیں (۵) معمولی بات پر خون ریزی کرنے لگیں (۶) اونچی اونچی بلڈنگیں بنانے لگیں (۷) دین بیچ کر دنیا سمیٹنے لگیں (۸) قطعِ رحمی یعنی رشتہ داروں سے بدسلوکی ہونے لگے (۹) انصاف کمزور ہو جائے (۱۰) جھوٹ سچ بن جائے (۱۱) لباس ریشم کا ہو جائے (۱۲،۱۳،۱۴) ظلم، طلاق اور ناگہانی موت عام ہو جائے (۱۵،۱۶) خیانت کار کو امین اور امانت دار کو خائن سمجھا جائے (۱۷،۱۸) جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا کہا جائے (۱۹) تہمت تراشی عام ہو جائے (۲۰) بارش کے باوجود گرمی ہو (۲۱) اولاد غم و غصہ کا موجب ہو (۲۲) امیر و وزیر جھوٹ کے عادی بن جائیں (۲۳) شریفوں کے ناک میں دم آجائے (۲۴) کمینوں کے ٹھاٹ ہوں (۲۵) امین خیانت کرنے لگیں (۲۶) چودھری ظلم پیشہ ہوں (۲۷) عالم اور قاری

بدکارہوں (۲۸) جب لوگ بھیڑ کی کھالیں (پوستین) پہننے لگیں (۲۹،۳۰) ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار اور ایلوے سے زیادہ تلخ ہوں، اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں ایسے فتنے میں ڈال دے گا جس میں یہودی ظالموں کی طرح بھٹکتے پھریں گے (۳۱) اور (جب) سونا عام ہوجائے گا (۳۲) چاندی کی مانگ ہوگی (۳۳) گناہ زیاد ہوجائیں گے (۳۴) اُمن کم ہوجائیگا (۳۵) مصاحف (قرآن) کو آراستہ کیا جائے گا (۳۶) مساجد میں نقش ونگار کئے جائیں گے (۳۷) اونچے اونچے منار بنائے جائیں گے (۳۸) دل ویران ہوں گے (۳۹) شرابیں پی جائیں گی (۴۰) شرعی سزاؤں کو معطل کردیا جائے گا (۴۱) لونڈی اپنی آقا کو جنے گی (۴۲) جو لوگ (کسی زمانے میں) پابرہنہ اور ننگے بدن رہا کرتے تھے، وہ بادشاہ بن بیٹھیں گے (۴۳) زندگی کی دوڑ میں اور تجارت میں عورت، مرد کے ساتھ شریک ہوجائے گی (۴۴، ۴۵) مرد، عورتوں کی اور عورتیں، مردوں کی نقالی کرنے لگیں گی (۴۶) غیر اللہ کی قسمیں کھائی جائیں گی (۴۷) مسلمان بھی بغیر کہے (جھوٹی) گواہی دینے کو تیار ہوگا (۴۸) جان پہچان پر سلام کیا جائے گا (۴۹) غیر دین کے لئے شرعی قانون پڑھا جائے گا (۵۰) آخرت کے عمل سے دنیا کمائی جائے گی (۵۱،۵۲،۵۳) غنیمت کو دولت، امانت کو غنیمت کا مال اور زکوۃ کو تاوان قرار دیدیا جائے گا (۵۴) سب سے رذیل آدمی قوم کا قائد بن بیٹھے گا (۵۵) آدمی اپنے باپ کا نافرمان ہوگا (۵۶) ماں سے بدسلوکی کرے گا (۵۷) دوست کو نقصان پہنچانے سے گریز نہ کرے گا (۵۸) اور بیوی کی اطاعت کرے گا (۵۹) بدکاروں کی آوازیں مسجدوں میں بلند ہونے لگیں گی (۶۰) گانے والی عورتیں داشتہ رکھی جائیں گی (۶۱) اور گانے کا سامان رکھا جائیگا (۶۲) سرراہ شرابیں اڑائی جائیں گی (۶۳) ظلم کو فخر سمجھا جائے گا (۶۴) انصاف بکنے لگے گا

(۶۵) پولیس کی کثرت ہو جائے گی. (۶۶) قرآن کو نغمہ سرائی کا ذریعہ بنالیا جائے گا (۶۷) درندوں کی کھال کے موزے بنائے جائیں گے (۶۸) اور امت کا پچھلا حصہ پہلے لوگوں کو لعن طعن کرنے لگے گا (۶۹) اس وقت سرخ آندھی (۷۰) زمین میں دھنس جانے (۷۱) شکلیں بگڑ جانے (۷۲) اور آسمان سے پتھر برسنے کے جیسے عذابوں کا انتظار کیا جائے

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء (۳۵۸/۳) میں روایت کیا ہے اور امام سیوطی نے انہیں کے حوالہ سے درمنثور میں اس کا ذکر کیا ہے، ابن حجر عسقلانی نے التلخیص الحبیر میں اس حدیث کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس سند میں فرج بن فضالہ راوی ہے، جو عبداللہ بن عبید بن عمیر سے روایت کرتا ہے اور اس میں ضعف وانقطاع ہے (التلخیص الحبیر: ۱۷۷/۲) اور اس کے قریب قریب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت آئی ہے (السنن الواردۃ: ۸۳۹/۴) اور نعیم بن حماد نے الفتن (۶۴۲/۲) میں حضرت ابن مسعود سے دوسرے الفاظ کے ساتھ " باعوا الدين بالدنيا " تک روایت کیا ہے، نیز اوپر حضرت ابو موسیٰ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی طویل حدیثیں گذریں جن میں اس حدیث کے بہت سے جملوں کے شواہدات موجود ہیں اور ان شواہد سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے۔

نمازوں کو ضائع کریں گے:

اوپر کی احادیث میں چونکہ اس حدیث کے بہت سے جملوں کی شرح گذر چکی ہے، لہٰذا

یہاں صرف ان جملوں کی تشریح لکھتا ہوں جو واضح نہیں یا جو اوپر گذرے نہیں۔

(۱) فرمایا کہ قیامت کی ۷۲ علامات ہیں، ایک یہ کہ لوگ نمازوں کو غارت کریں گے اسکا مطلب یہ ہے کہ امت نماز میں غفلت و سستی کرے گی یا یہ معنی ہے کہ نماز کو اس کے شرائط، فرائض، واجبات، وآداب کی رعایت سے ادا نہیں کرے گی یا ظاہری شرائط واجبات وآداب کی رعایت تو کرے گی مگر اخلاص اور خشوع وخضوع میں کمی کرے گی جس کی وجہ سے نمازیں غارت ہوں گی۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ آج ان میں سے سبھی باتیں پائی جاتی ہیں، کچھ لوگ تو سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے، کچھ لوگ پڑھتے ہیں مگر جماعت کا اہتمام نہیں کرتے، اور بعض ایسے ہیں جو نماز کے اہم ارکان ووظائف اور مسائل وآداب تک سے واقف نہیں، بس ویسے ہی نماز پڑھتے ہیں اور جو اس کے پابند ہیں، وہ اخلاص وخشوع وخضوع سے عاری وخالی ہیں اور یہ عام بیماری ہے، اس طرح پوری امت آج نماز کو غارت کررہی ہے۔ الا ماشاء الله۔

(۲) ''امانت کو ضائع کریں گے'' امانت کا مفہوم بڑا وسیع ہے اس میں جہاں لوگوں کی امانتیں داخل ہیں، وہیں اس میں اللہ ورسول کی امانتیں بھی داخل ہیں اور اللہ ورسول کی امانتوں سے مراد اللہ ورسول کے احکامات ہیں، لھٰذا اس حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ لوگ اللہ ورسول کے احکامات کو ضائع کریں گے یا یہ معنے ہے کہ لوگوں کی امانتیں رکھکر اس کی حفاظت ونگہداشت نہیں کریں گے یا یہ کہ خود کھا جائیں گے اور اس طرح امانتوں کو ضائع کریں گے۔

(۳) ''سود کھائیں گے'' اوپر گذر چکا کہ لوگ سود کھائیں گے اور سود نہیں تو کم از کم اس کا گرد وغبار تو ان کو ضرور لگے گا۔

(۴) ''انصاف کمزور ہوجائے گا'' یعنی انصاف کا مادہ کمزور ہوجائے گا، یا اہل حق کمزور ہوجائیں گے اور ان کے بالمقابل اہل باطل کو قوت وطاقت مل جائے گی۔

طلاق کی کثرت:

(۵) ''طلاق عام ہوجائے گی'' آج یہ بات کھلے طور پر دیکھی جارہی ہے، ذرا ذرا سی بات پر لوگ طلاق دے دیتے ہیں اور طلاق بھی ایک دو نہیں، مکمل تین طلاق، حالانکہ طلاق اسلام میں ناپسندیدہ ہے، صرف بضرورت استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿ابغض الحلال الی الله الطلاق﴾م (ابوداؤد:۱۸۶۳، ابن ماجہ:۲۰۰۸) یعنی اللہ کے نزدیک سبھی حلال چیزوں میں ناپسندیدہ اور مبغوض چیز طلاق ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام میں خاص حالات اور شدید ضرورت کے وقت طلاق کے استعمال کو مشروع کیا گیا ہے اور اس میں بے شمار حکمتیں اور مصالح ہیں، انہی مصالح کے پیشِ نظر اسلام نے طلاق کو ضرورت کے وقت جائز قرار دیا ہے، مثلاً اگر میاں اور بیوی کے درمیان تمام کوششوں کے باوجود نباہ کی کوئی صورت نہ ہوسکے اور ایک دوسرے کے حقوق کو یہ لوگ ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو ایسی صورت میں اسلام ان کو طلاق کے راستہ جدا ہوجانے کی اجازت دیتا ہے تاکہ یہ اپنی پسند کے مطابق شادی کرکے سکون کی زندگی گزار سکیں، ظاہر ہے کہ اگر عیسائی مذہب اور ہندو مذہب کی طرح شادی کے بعد طلاق کی صورت ہی نہ ہوتی تو ایسے جوڑے ہمیشہ تنگی اور پریشانی میں مبتلا رہتے اور ان کو سکون کی زندگی کبھی حاصل نہ ہوتی، اس لئے اسلام نے اس صورتِ حال کے لئے طلاق کو مشروع فرما کر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ مگر اس کا بے موقعہ اور بے ضرورت استعمال اللہ کو انتہائی ناپسند ہے جس کا حدیثِ مذکور میں ذکر ہے۔

نیز اسلام میں طلاق کا ایک خاص طریقہ بھی مقرر ہے اور اس کا وقت بھی بتایا گیا ہے، اس طریقہ کی رعایت کے بغیر طلاق دینا گناہ کی بات ہے، اسی طرح بات بات پر طلاق دینا جرم ہے، اسی کو اس جگہ قیامت کی علامت بتایا گیا ہے۔

(۶) ''امیر و وزیر جھوٹ کے عادی بن جائیں گے'' آج کے سیاست دان، اسکا پوری طرح مصداق ہیں، جو دن رات جھوٹ بولتے ہیں، مگر شرم وحیا ان کو نہیں آتی۔

(۷) ''امانت رکھنے والے خیانت پیشہ ہو جائیں گے'' یعنی جن کو ان کی وضع قطع کے اعتبار سے لوگ امین خیال کریں گے، وہ بھی خیانت کرنے لگیں گے، اور کوئی شخص بھی قابل وثوق واعتبار نہ رہے گا۔

بھیڑ کی کھال کا رواج:

(۸) ''لوگ بھیڑ کی کھالیں پہننے لگیں گے'' اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو زاہد وراہب اور صوفی و بزرگ ظاہر کرنے کیلئے لوگ بھیڑ کی کھال کا لباس پہنیں گے حالانکہ ان کے دل دنیا کی محبت میں گرفتار ہوں گے۔

ابن ابی عاصم نے '' الزہد'' میں حضرت وہب ابن منبہؒ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے علماء سے فرمایا کہ غیرِ دین کے لئے فقہ پڑھتے ہو، بے عملی کے لئے علم حاصل کرتے ہو، اور آخرت کے عمل سے دنیا طلب کرتے ہو اور بھیڑ کے چمڑوں کا لباس پہنتے ہو اور اپنے اندر بھیڑیا کا دل چھپا کر رکھتے ہو اور اپنے پینے کی چیزوں میں سے تنکا پڑا ہو تو نکالتے ہو اور پہاڑ جیسی حرام چیزیں ہڑپ کر جاتے ہو؟۔ (کتاب الزہد: ۱/ ۵۳) اور ابن ابی عاصمؒ ہی نے حضرت ربیع ابن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء میں سے

ایک نبی پر وحی کی کہ آپ کی قوم کا کیا حال ہے کہ وہ بھیڑ کی کھالیں پہنتے ہیں، اور راھبوں جیسی شکل بناتے ہیں، جن کا کلام شہد سے میٹھا اور دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہیں، کیا مجھ سے دھوکہ کھا رہے ہیں، یا مجھکو دھوکہ دے رہے ہیں۔ الخ (کتاب الزہد:۱/۵۲)

ان روایتوں میں بھیڑ کی کھال کو زھد ورہبانیت کی علامت بتایا گیا ہے۔ اور سابقہ اقوام کے علماء کی شکایت کی گئی ہے کہ وہ بھیڑ کی کھال پہنکر اپنے بھیڑیئے جیسے دلوں کو اسمیں چھپاتے ہیں، بیہقی نے شعب الایمان میں سعید المقبری سے اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں نوف البکالی سے نقل کیا ہے کہ میں اللہ کی کتاب (توریت) میں اس امت کی ایک قوم کا ذکر پاتا ہوں، جو دین کے ذریعہ دنیا کمائے گی، اور جن کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی اور ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہونگے جو لوگوں کو دکھانے بھیڑ کی کھال پہنیں گے اور ان کے دل بھیڑیئے جیسے ہونگے۔

(شعب الایمان:۵/۳۶۲، حلیۃ الاولیاء:۶/۴۹، تفسیر طبری:۲/۳۱۳، تفسیر ابن کثیر:۲/۲۴۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اس امت میں بھی ایسے دھوکہ باز ہونگے جو "بھیڑ کے روپ میں بھیڑیئے" کے مصداق ہونگے۔

❁ بدبو دار اور تلخ دل:

(۹) "ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار اور ایلوے سے زیادہ تلخ ہوں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان پر فتنہ ڈالدیں گے جسمیں وہ یہودی ظالموں کی طرح حیران وپریشان بھٹکتے پھریں گے"

مطلب یہ ہے کہ گناہ کرتے کرتے ان کے دل انتہائی بدبودار اور تلخ ہوجائیں گے، ان میں محبت الٰہی وعشق رسول کی حلاوت نہ ہوگی، اور نہ دین وشریعت سے تعلق ووابستگی کی خوشبو

ہوگی، اور یہ بدبو اور تلخی اگر چہ محسوس نہیں ہوتی مگر موجود ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے آدمی حق وباطل کی تمیز کھو بیٹھتا ہے اور حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھ لیتا ہے اور یہودی ظالموں کی طرح حیراں وسرگرداں رہتا ہے چنانچہ یہود بے بہود بڑے بڑے معجزات دیکھنے کے باوجود ہمیشہ تذبذب کا شکار رہے اور برابر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پریشان کرتے رہے، یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہود کو ان کی بدبختیوں کی وجہ سے وادئ تیہ میں حیراں وسرگرداں رکھا، اسی طرح ان لوگوں کو بھی حیراں وسرگرداں رکھے گا۔

سونا عام ہوگا:

(۱۰) ''سونا عام ہو جائے گا اور چاندی کی مانگ ہوگی'' اس سے مراد عیاشی اور دنیا پرستی اور اسبابِ آسائش وآرائش میں اضافہ اور بڑھوتری ہے کہ قیمتی اشیاء جیسے سونا عام ہو جائے گا، حتی کہ لوگوں کو چاندی دیکھنے کو بھی نہ ملے گی کہ وہ معمولی وحقیر چیز ہو جائے گی، جیسا کہ آج چاندی کا کوئی مقام نہیں رہا، اس لئے لوگ اس کو طلب کریں گے، کیونکہ جب کوئی چیز کم ہو جاتی ہے تو اس کی مانگ زیادہ ہو جاتی ہے۔

ظاہر داری:

(۱۱) ''قرآن شریف کو مزین کیا جائے گا، مساجد کو منقش کیا جائے گا اور اونچے اونچے مینار بنائے جائیں گے، مگر دل ویران ہوں گے''۔

یعنی ظاہر پر محنت ہوگی اور دکھاوا ہوگا، ناموری وشہرت مقصد ہوگا، مگر دل کی اصلاح کی فکر نہ ہوگی اور وہ اللہ ورسول کی محبت وعظمت سے خالی ہوں گے۔

(۱۲) ''شرعی سزاؤں کو معطل کر دیا جائے گا'' یعنی اسلام میں مقررہ سزاؤں کو ختم کر کے من

مانی سزائیں جاری کی جائیں گی، جس سے لوگوں میں مزید برائیاں پھیلیں گی، چوری اور شراب نوشی وغیرہ بدعملیاں اور رذائل عام ہوں گے، کیونکہ جب سزا نہ ہوگی تو اس کا یہی نتیجہ ہوگا، آج یہ حدیث عموماً سبھی ملکوں پر اور بالخصوص اسلامی ملکوں پر صادق آتی ہے، جہاں آج اسلامی سزاؤں کو انگریزوں اور یہودیوں کے اعتراضات کی وجہ سے معطل کر کے رکھ دیا گیا ہے یا جزوی طور پر چند سزاؤں کو باقی رکھا گیا ہے اور اکثر حدود کو معطل کر رکھا ہے۔

لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی:

(۱۳) ''لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی'' اور بعض روایات میں ہے کہ ''باندی اپنے آقا کو جنے گی''

اس کی تشریح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، اکثر علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آخری دور میں باندیوں اور ان سے اولاد کا سلسلہ بہت بڑھ جائے گا اور باندی سے جو اولاد اس کے آقا کو ہوگی وہ آقا کی اولاد ہونے کی وجہ سے اس باندی کی آقا و مالکن شمار ہوگی، حالانکہ وہ اسی باندی سے جنے ہوئے ہیں، بعض نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ باندی کے بچوں میں بادشاہ ہونے لگیں گے، جب باندی کا بچہ بادشاہ ہوگا تو یہ باندی بھی اس کی رعایا میں ہونے کی وجہ سے اس کی باندی اور وہ اس کا آقا ہوگا، بعض نے فرمایا کہ آخری دور میں باندیوں کی خرید و فروخت عام ہو جائے گی اور باندیاں ادھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر جب منتقل ہونگی تو بسا اوقات لاعلمی سے باندی کا لڑکا بھی اس باندی کو خرید لیگا، جس سے وہ پیدا ہوا ہے۔

(شرح مسلم للنووی: ۲۸/۱، ارشاد الساری: ۲۰۵/۱، فتح الملہم: ۱۶۹/۱)

فقیر بادشاہ بن جائیں گے:

(۱۴) ''جو لوگ کسی وقت ننگے پیر اور ننگے بدن رہنے پر مجبور تھے وہ بادشاہ بن جائیں گے''

یعنی معمولی درجہ کے اور غریب ومحتاج لوگ جن کو کپڑا تک میسر نہ تھا، وہ بادشاہ بن بیٹھیں گے، اور ظاہر ہے کہ وہ ناتجربہ کار ہوں گے اور لوگوں کے لئے دردسری بن جائیں گے۔

(۱۵) ''عورت زندگی کی دوڑ میں مرد کے ساتھ تجارت میں شریک ہوجائے گی'' اس کی شرح حدیث نمبر ۴۵ کے تحت آئے گی۔

(۱۶) ''جان پہچان والوں ہی کو سلام کیا جائے گا'' یہ دور بھی آج دیکھنے کو مل رہا ہے کہ لوگ اسلام کی بنیاد پر سلام نہیں کرتے بلکہ جان پہچان کی بنا پر کرتے ہیں۔ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کی علامت میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی صرف اپنی پہچان والوں کو سلام کرے گا۔(احمد: ۳۶۵۵) حالانکہ حکم یہ ہے کہ جان پہچان ہو یا نہ ہو سب کو سلام کرو،

(۱۷) ''غیر دین کیلئے قانون شرعی (فقہ) پڑھا جائے گا اور آخرت کے عمل سے دنیا کمائی جائے گی'' یہ علماء سوء کا کردار ہے جو صرف مال پیسہ کی خاطر، قرآن وحدیث اور فقہ پڑھتے پڑھاتے ہیں اور آخرت مقصود نہیں ہوتی، اس لئے ایسے لوگ عالم ہونے کے باوجود دنیا پرست ودنیادار ہوتے ہیں، حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ کے لئے دین کا علم حاصل کرنا جتنا عمدہ اور بڑھیا کام ہے، علم دین کو دنیا کے لئے سیکھنا اسی قدر بدترین کام ہے۔

ظلم پر فخر:

(۱۸) ''ظلم کو فخر سمجھا جائے گا'' حالانکہ ظلم انتہائی ذلیل حرکت ہے جس سے شرمانا چاہئے تھا، مگر بے شرمی اتنی بڑھ جائے گی کہ لوگ عیب کے کاموں پر فخر کریں گے، اسی طرح ظلم پر شرمانا چاہئے تھا مگر اس پر فخر کریں گے، آج یہ بات بہت حد تک دکھائی دیتی ہے کہ لوگ ظلم بھی کرتے ہیں اور ان کا سر نیچا نہیں ہوتا، بلکہ گردن اور اکڑ جاتی ہے، اس کی زندہ مثال امریکہ اور اسرائیل

کے موجودہ و گذشتہ بہت سے سربراہ ہیں، امریکی صدر بش نے افغانیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے پھر بھی فخر وناز سے دنیا میں حکومت کر رہا ہے۔

انصاف بکنے لگے گا:

(۱۹) ''انصاف بکنے لگے گا'' چنانچہ آج عدالت گاہوں میں رشوت کی گرم بازاری ہے جس میں انصاف بکتا ہے، مظلوم آہیں بھرتا رہ جاتا ہے، مگر کوئی شنوائی نہیں ہوتی، جس طرح ظالم کی رسوائی نہیں ہوتی، بلکہ ظالم روپے پیسے کے ذریعہ انصاف کو خریدتا اور اس کا گلا گھونٹتا ہے، کیا اس کی مثال دینے کی ضرورت ہے؟ ہر روز ہزاروں ہزار اس کی مثالیں تیار ہوتی ہیں۔

کھال کا لباس:

(۲۰) ''درندوں کی کھال کے موزے بنائے جائیں گے'' متعدد احادیث میں درندوں کی کھال کے استعمال سے منع فرمایا گیا ہے۔ (دیکھو، طبرانی اوسط:۶/۲۶۵، احمد:۴/۱۰۱، مسند ابو یعلی:۱۳/۳۶۴، طبرانی کبیر:۱۲/۲۵۰، مسند الشامیین:۲/۳۲۳)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ درندوں کی کھالوں کا استعمال کر اس سے فرش وغیرہ بنائیں، یہ جبار وقہار قسم کے بادشاہوں کا طریقہ اور عیش پسند طبقہ کا وتیرہ ہے، اس لئے اس کو ناپسند کیا گیا ہے۔

(فیض القدیر:۶/۳۲۵)

آخر حدیث میں فرمایا کہ جب ایسا ہونے لگے تو سرخ آندھی، زمین میں دھنسنے، شکلیں بگڑنے اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کرو۔

نوٹ اس حدیث کے مزید بعض جملوں کی شرح حدیث نمبر ۶۰ کے تحت آئے گی۔

حدیث ﴿۵۹﴾

﴿عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ تَسْلِیْمُ الْخَاصَّةِ وَفَشُوُّ التِّجَارَةِ حَتّٰی تُعِیْنَ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا عَلَی التِّجَارَةِ وَقَطْعُ الْاَرْحَامِ وَفُشُوُّ الْقَلَمِ وَظُهُوْرُ شَهَادَةِ الزُّوْرِ وَكِتْمَانُ شَهَادَةِ الْحَقِّ۔﴾

(ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت سے کچھ پہلے یہ علامتیں ظاہر ہوں گی: خاص خاص لوگوں کو سلام کہنا، تجارت کا یہاں تک پھیل جانا کہ عورتیں مردوں کے ساتھ تجارت میں شریک اور مددگار ہوں گی، رشتہ داروں سے قطع تعلق، قلم کا طوفان برپا ہونا، جھوٹی گواہی کا عام ہونا اور سچی گواہی کو چھپانا۔)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس کو امام احمد نے مسند: (۳۶۷۶) میں، بخاری نے الادب المفرد: (۱/۳۶۰) میں، خطیب بغدادی نے الجامع لاخلاق الراوی: (۱/۱۷۲) میں، حاکم نے مستدرک: (۴/۴۹۳) میں روایت کیا ہے، مگر حاکم میں ظہورِ شہادت و کتمانِ شہادت کا ذکر نہیں ہے، اور نہ فشو القلم کا ذکر ہے، حاکم نے اس کی ایک سند کو صحیح کہا ہے۔ دار قطنی نے اپنی کتاب العلل: (۵/۱۱۰) میں اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ اس کے راوی ابو الحکم کو طارق سے کچھ سماعت حاصل نہیں اور نہ وہ ان سے روایت کرتا ہے، اور ابن حجر نے تہذیب میں دارِ قطنی کی بات سے اتفاق کیا ہے اور

بخاری، مسلم، ابن حبان، دولابی وغیرہ نے جو ابوالحکم کی طارق سے سماعت کو مانا ہے، اس کو وھم قرار دیا ہے۔ (تهذيب: ٢٩٢/٤)

غرض یہ کہ ابوالحکم (جن کا نام سیار ہے) کی طارق بن شہاب سیسماعت کے بارے میں علماء محدثین کی دو رائیں ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم، امام ابن حبان وغیرہ نے اس کا ثابت مانا ہے جبکہ امام یحیی بن معین، امام احمد، امام دارقطنی وغیرہ حضرات نے اس کا انکار کیا ہے اور جن حضرات نے ان کے سماع کو مانا ہے ان پر انکار کیا اور اس کو ان کا وھم قرار دیا ہے، لہٰذا یہ روایت منقطع ہوگی۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیخ ناصر الدین البانی نے (الصحيحة: ٢٧٦٧) میں جو اس حدیث کو صحیح کہا ہے، یہ یا تو بخاری و مسلم کی تقلید ہے یا ان کا وھم ہے ۔

سلام میں تخصیص کی بدعت:

اس حدیث میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے قیامت کی چند علامات بیان کی ہیں:

(ا) ''تسليم الخاصة'' (خاص خاص لوگوں کو سلام کرنا) یعنی لوگ صرف جان پہچان کے لوگوں کو یا کچھ بڑے عہدے و منصب والوں کو سلام کریں گے، عام لوگوں کو اور انجانے لوگوں کو سلام نہ کریں گے، اور ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کی علامات میں سے یہ ہے کہ پہچان و تعارف کی بنا پر سلام ہوگا (اس کی تخریج گذشتہ حدیث کی شرح میں گذر چکی ہے) اور زیر شرح حدیث میں اس سلسلہ کا قصہ بھی امام احمد و بخاری و حاکم نے ذکر کیا ہے کہ ایک صاحب نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، اور دوسرے لوگ بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے نماز کے بعد جلدی کی اور آپ کے پاس آئے اور آپکو مخاطب کر کے کہا: عليكم السلام يا ابا عبد الرحمن ! تو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے فرمایا: صدق الله و

صدق رسولہ کہ اللہ و رسول نے سچ کہا، یہ کہہ کر اپنے کام سے اندر چلے گئے، لوگوں نے آپس میں کہا کہ سلام کے جواب میں" صدق اللہ ورسولہ" کہنے کا کیا مطلب؟ پوچھنا چاہیے، جب آپ باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس آدمی کے سلام پر صدق اللہ ورسولہ کیوں کہا؟ تب آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے کہ قیامت کے قریب خاص خاص لوگوں کو سلام کیا جائے گا الخ۔ (اور اس آدمی نے خاص مجھے سلام کیا اس لئے میں نے کہا کہ صدق اللہ ورسولہ)

اور خطیب بغدادی نے ذکر کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص نے آپ کو سلام کرتے ہوئے کہا کہ السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ کیا ان سب آدمیوں کے درمیان صرف مجھے سلام؟

(الجامع لاخلاق الراوی: ۱۷۲/۱)

آج یہ بات امت میں عام ہوگئی ہے اولاً تو سلام کا رواج نہیں، اور جو سلام کرتے ہیں وہ یا تو جان پہچان والوں کو کرتے ہیں یا خاص لوگوں کو، جیسے عہدے والے منصب والے کو، یا امام و خطیب یا عالم یا بزرگ کو، عام لوگوں کو سلام نہیں کرتے، یہ قیامت کی علامت ہے۔

تجارت اور عورت:

(۲) وفشو التجارة حتی تعین "الخ (یعنی قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ تجارت پھیل جائے گی یہاں تک کہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ تجارت میں شریک ہوگی) گذشتہ حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے مگر اس کی شرح کے لئے اس حدیث کا حوالہ دیا گیا تھا، مطلب یہ ہے کہ دنیوی کاروبار کو خوب فروغ وترقی ہوگی اور ایک ایک آدمی کا کاروبار کئی ممالک تک وسیع ہوگا

حتی کہ پردہ نشین عورتوں کو بھی مرد اپنے ساتھ شریک تجارت کریگا اور ان کو اس کے لئے اپنے پردہ وحجاب اور طبیعت ومزاج کی قربانی دینی پڑے گی۔

آج کیا یہ صورتِ حال صاف طور پر مشاہد نہیں ہورہی ہے؟ کیا عورتیں بے حجاب و بے حیا ہوکر ہر منڈی وبازار اور ہر دفتر ودکان اور ہر کارخانہ وفیکٹری میں تجارت وکاروبار اور کسبِ معاش وطلبِ مال کے لئے ماری ماری نہیں پھر رہی ہیں؟ غیر مسلم اور نصاریٰ و یہود اور ہنود و مجوس کو ایک طرف رکھئے، اس سے پہلے یہ سوچئے کہ مسلم گھرانوں کی لڑکیوں اور عورتوں کی صورتِ حال کیا اس سے کچھ مختلف ہے؟ یہ دراصل دنیا کا لالچ وحرص ہے جو عورتوں کو تجارت کی منڈیوں میں لا رہا ہے اور ان کی فطرت وطبیعت سے بغاوت پر ان کو مجبور کررہا ہے، اور یہ مرض دنیا پرست عیسائیوں اور یہودیوں کی دیکھا دیکھی اور ان کے غلط پروپگنڈے سے ان میں پیدا ہوا ہے اور عورتوں سے زیادہ مردوں میں پیدا ہوا ہے اور وہ اپنی عورتوں میں یہ مرض پیدا کرنے کی فکر کررہے ہیں۔

اللہ کے نبی ﷺ نے چودہ سو سال قبل اس صورت حال کو بیان کردیا جو آج من وعن دکھائی دے رہی ہے۔

(۳)"قطع الارحام" (یعنی رشتہ داروں سے قطع تعلق کیا جائے گا) یہ مضمون پہلے گذر چکا ہے (دیکھو حدیث:۸، کی شرح)

قلم کا طوفان:

(۴)"فشوا القلم" (یعنی قیامت سے پہلے قلم کی بڑی اشاعت ہوگی) ہمارے مصنف ؒ نے اس کا محاوری ترجمہ بڑا خوب کیا ہے، یعنی "قلم کا طوفان برپا ہوگا" علامہ ابن عبد البرؒ

نے اسکا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کتابوں اور کتاب لکھنے والوں کی بھر مار و کثرت ہوگی۔ (تمہید: ۱۷/۲۹۷) یعنی مؤلفین و مصنفین کی کثرت ہوگی، اور وہ کتابیں لکھیں گے، اس طرح کتابوں کی بھر مار ہوگی۔ چنانچہ آج کے دور پر یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے، ہر کس و ناکس، عالم و جاہل مصنف و مؤلف بنا ہوا ہے، یہ خود ساختہ محقق حق و باطل کی تمیز کے بغیر محض اپنے جاہلانہ خیالات و نظریات پر کتابیں لکھتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، کوئی جاہل تفسیر لکھ رہا ہے، کوئی حدیث پر تحقیق کا مدعی ہے، کوئی فقہ و فتاوی پر رائے زنی کر رہا ہے، کوئی ریسرچ کے نام پر ائمۂ اسلاف و مقتدایانِ امت پر حرف گیری کر رہا ہے، اور خوبصورت ٹائٹل اور دیدہ زیب کتابت و عمدہ طباعت کے ساتھ ان کتابوں کو پھیلا کر ایک طوفانِ بدتمیزی برپا کیا جا رہا ہے۔

اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جاہل لوگ اپنے آپ کو علماء سے مستغنی سمجھنے لگتے ہیں اور ان جاہلانہ کتابوں پر اعتماد کر کے بددین و بدعقیدہ ہو جاتے ہیں، چنانچہ مستشرقین کی کتابیں پڑھ کر کتنے لوگ دین سے بدظن اور اسلام سے مرتد ہو چکے ہیں، یا کم از کم شک و شبہ میں گرفتار ہو کر متذبذبانہ زندگی گذار رہے ہیں، اسی طرح منکرینِ حدیث کی کتابوں سے کتنے لوگ حدیثوں سے بدظن ہو گئے اور ائمۂ محدثین کی محنتوں اور جانفشانیوں کا مذاق اڑانے لگے، اس طرح شیعہ، قادیانی، اہل بدعت اور تجدد پسند طبقے کی ہفوات و بکواس پڑھ کر کتنے لوگ کفر و ارتداد اور بدعت و ضلالت کے مہیب گڑھے میں گر چکے ہیں۔ یہ سب دراصل وہی [فشــو الـقـلـم] (قلم کا طوفان) ہے۔ جس نے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ (اللهم احفظنا)

قلم اور علماء اسلام کے کارنامے:

اسی قلم کے فتنہ و طوفان کا اللہ کے نبی ﷺ نے ذکر کیا ہے، رہا قلم کا دین کی اشاعت و

حفاظت اور علومِ دینیہ کی تحقیق و ترویج کے لئے استعمال، یہ اس حدیث میں مراد نہیں ہے، کیونکہ یہ شروع دور سے ہوتا آیا ہے اور اسلام کے جلیل القدر ائمہ نے اپنے بے بہا قلم سے علم کے ہزاروں ہزار بلکہ لاکھوں موتی کتابوں میں بکھیرے بھی ہیں اور جمع بھی فرمائے ہیں اور ایک ایک مصنف نے سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں اور بعض نے ہزاروں کتابیں لکھی ہیں، امام محمدؒ نے ایک ہزار کتابیں لکھی ہیں، امام غزالیؒ کی ایک ہزار تصانیف ہیں، امام سیوطی کی کتب پانچ سو تک پہنچتی ہیں جن میں سے بعض کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں، امام ابن تیمیہؒ نے سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں اور ان کے صرف فتاویٰ پینتیس جلدوں میں ہیں، اسی طرح شیخ اکبر کی کتابیں دو سو سے زائد ہیں اور ان کی صرف تفسیر سو جلدوں میں ہے، ابھی قریب دور میں مولانا تھانویؒ نے ایک ہزار کے قریب تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں، اور علامہ ابن شاھین محدثؒ نے تین سو تیس تصانیف فرمائی ہیں اور ان کی قرآن پاک کی تفسیر ایک ہزار جلدوں میں اور بخاری شریف کی تشریح پانچ سو جلدوں میں ہے، امام مرغینانیؒ نے فقہ حنفی کی ایک کتاب [بداية المبتدی] کی شرح لکھی تو وہ اسّی جلدوں میں تیار ہوئی، پھر اس کی تلخیص فرمائی تو اس کی چار عظیم و ضخیم جلدیں ھدایہ کے نام سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں، پھر ابن حجر، نووی ابن کثیر، ابن قیم، ابن عبدالبر، بیہقی، ملا علی قاری، شمس الدین الذھبی، شوکانی، عبدالحی لکھنوی، صدیق حسن بھوپالی، شیخ زکریا کاندھلوی، اور نہ معلوم کون کون، ان کی کتب و تصانیف اور تحقیقات بے حد و شمار ہیں، علامہ یوسف النبہانی نے صحیح کہا کہ تمام اہلِ مذاہب کی تمام کتابیں لا کر بھی ہمارے ایک مصنف کی کتابوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں، غرض یہ کہ علماء اسلام کی قلم کے ذریعہ کی جانے والی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور ان کے صرف نام نام بھی گنائے جائیں تا بلا مبالغہ ہزاروں ضخیم جلدیں.

تیار ہو جائیں گی، مگر یہ سب اس زیرِ بحث حدیث میں مراد نہیں ہے، بلکہ مرادِ دہ قلم کا طوفانِ بد تمیزی ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔

جھوٹی گواہی عام ہوگی:

(۵)''وظهور شهادة الزور'' الخ (یعنی جھوٹی گواہی عام ہو جائے گی اور سچی گواہی کو چھپایا جائے گا)، جھوٹی گواہی میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کے حق میں اس کے نااہل ہونے کے باوجود ووٹ دیا جائے، یا کسی کو جھوٹی سند دی جائے، جیسے بعض یونیورسٹیوں اور اداروں سے نااہل لوگوں کو رشوت کی بنیاد پر جھوٹی سند دی جاتی ہے، اسی طرح ڈاکٹر لوگ بھی جھوٹی میڈیکل سرٹیفیکٹ، دیدیتے ہیں، آج یہ سارے دھندے کھلے عام ہو رہے ہیں۔ اور سچی گواہی کو چھپانا یہ ہے کہ معلوم ہونے کے باوجود اور ضرورت ہونے کے باوجود کسی کے حق میں شہادت نہ دی جائے، جیسے بعض لوگ اس لئے سچی گواہی دینا نہیں چاہتے ہیں کہ کون کسی کے بکھیڑے میں پڑے؟ یہ بھی ناجائز ہے، قرآن مجید میں ہے:﴿ولا تکتموا الشهادة، و من یکتمها فانه آثم قلبه ﴾(یعنی: گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو اس کو چھپائے گا اس کا دل گنہ گار ہے)

معلوم ہوا کہ ضرورت پر گواہی پیش کرنا چاہئے تا کہ حق دار کو حق پہنچ جائے اور اس کی حق تلفی نہ ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ گواہی کو چھپانا قیامت کی علامات میں سے ہے۔

حدیث ﴿۴۶﴾

﴿عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ مِنْ

اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّمُرَّ الرَّجُلُ فِي الْمَسْجِدِ لَايُصَلِّيْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ وَاَنْ لَا يُسَلِّمَ الرَّجُلُ اِلَّا عَلٰى مَنْ يَّعْرِفُهٗ وَاَنْ يُّبْرِدَ الصَّبِيُّ الشَّيْخَ لِفَقْرِهٖ وَاَنْ تَتَطَاوَلَ الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ رِعَاءُ الشَّاءِ فِي الْبُنْيَانِ﴾

(ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی مسجد سے گزر جائے گا مگر اس میں دو رکعت نماز نہیں پڑھے گا اور یہ کہ آدمی صرف اپنی جان پہچان کے لوگوں کو سلام کہے گا اور یہ کہ ایک معمولی بچہ بھی بوڑھے آدمی کو محض اس کی تنگ دستی کی وجہ سے لتاڑے گا اور یہ کہ جو لوگ کبھی ننگے بھوکے بکریاں چرایا کرتے تھے، وہی اونچی اونچی بلڈنگوں میں ڈینگیں ماریں گے)

تشریح

تخریج و درجہ حدیث:

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح: (۲۸۳/۲) میں، امام بیہقی نے شعب الایمان: (۴۳۱/۶) میں آخری جملہ کے بغیر اور دیلمی نے مسند الفردوس: (۲۱۳/۱) میں ایک جملہ کے اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے، اور ذرا سے تغیر کے ساتھ طبرانی نے معجم کبیر: (۲۹۷/۹) میں اور ابوسعید الشاشی نے مسند الشاشی: (۴۰۰/۱) میں روایت کیا ہے اور ابوعمرو الدانی نے السنن الواردۃ: (۸۵۰/۴) میں اور عبدالرزاق نے مصنف: (۱۵۶/۳) میں اس کو حضرت ابن مسعود سے موقوفاً روایت کیا ہے اور کا آخری جملہ دیلمی، عبدالرزاق اور ابوعمرو الدانی کی روایت میں ہے۔

اس حدیث کی بعض سند میں (جیسے طبرانی و بیہقی و ابن خزیمہ کی سند میں) ایک راوی حکم بن

عبدالملک ضعیف ہے، یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور ابو حاتم نے مضطرب الحدیث فرمایا اور ابو داؤد نے منکر الحدیث اور نسائی نے لیس بقوی فرمایا ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۳/۱۲۳، الکامل لابن عدی: ۲/۲۱۲، میزان: ۲/۲۴۲) اور اس کے دوسرے راوی ابو الجعد کو ابن حزم نے مجہول کہا ہے لیکن ان کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ وہ معروف بھی ہیں اور ثقہ بھی ہیں۔ (میزان: ۸/۹۹، تہذیب: ۳/۲۳۰، تقریب: ۱/۳۰۴، الکاشف: ۱/۳۸۹)

پھر یہ حدیث دوسری سندوں سے بھی آئی ہے، جیسے طبرانی نے ایک دوسرے طریق سے اس کو روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابو حمزہ میمون ہے جس کو متروک الحدیث کہا گیا ہے۔

(کامل لابن عدی: ۶/۴۱۲، تہذیب الکمال: ۲۹/۲۴۲)

نیز یہ حدیث موقوفاً بھی متعدد سندوں سے آئی ہے کیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، غرض یہ کہ یہ حدیث اگرچہ انفراداً ضعیف ہے، تاہم تعدد سند کی وجہ سے حسن کے درجہ کی ہے۔

مسجد کو راستہ بنالیا جائیگا :

اس حدیث میں قیامت کی چند علامات کا ذکر ہے:

(۱) یہ کہ آدمی مسجد میں سے گذرے گا مگر اس میں دو رکعت نماز تک نہ پڑھے گا، یعنی مسجد ایک راستہ وگذرگاہ بن کر رہ جائے گی، اس میں مساجد کے ویران ہونے کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ بعض مساجد آج بھی محض سامانِ تفریح و مقام سیاحت بنی ہوئی ہیں، اور آگے چلکر اس صورتِ حال میں مزید اضافہ ہوگا اور مساجد میں لوگ صرف سیر و سیاحت یا ویسے ہی گذرنے کے لئے آئیں گے یا محض اپنی کوئی دنیوی ضرورت و حاجت پورا کرنے آئیں گے جیسا کہ بعض لوگ مساجد میں صرف بیت الخلاء جانے کے لئے آتے ہیں، نماز اور عبادت کے لئے نہیں، اس

طرح مساجد محض ایک گذرگاہ بن کر رہ جائیں گی اور ویران ہوں گی۔

(۲) صرف جان پہچان والوں کو سلام کیا جائے گا۔ (اس کا ذکر اوپر ہو چکا)

بڑوں کی توہین :

(۳) ''بچہ بھی بوڑھے آدمی کو اس کے فقر و محتاجی کی وجہ سے اپنا قاصد بنا لے گا'' یعنی اس کو اپنے مقاصد کے لئے بطور قاصد استعمال کرے گا، اس مطلب کی توضیح دیلمی کی روایت سے ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

''وان یکون الشیخ بین الاثنین کالغلام بریداً''

''یعنی بوڑھا آدمی دو آدمیوں کے درمیان لڑکے کی طرح قاصد ہوگا'' نیز علامہ عبدالرؤف المناوی نے بھی فیض القدیر میں اس جملہ [وان یبرد الصبی الشیخ لفقرہ] کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ (فیض القدیر: ٦/ ٩)

اسی طرح طبرانی میں ''ان یبعث الغلام الشیخ بریدا بین الافقین'' اور السنن الواردۃ میں ''ان یسیر الشیخ بریدا لصبی من الصبیان بین الافقین'' اور عبدالرزاق میں ''ان یبعث الصبی من الصبیان'' آیا ہے اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ ایک بچہ بوڑھے آدمی کو دنیا کے دو کناروں (مشرق سے مغرب تک) قاصد بنا کر بھیجے گا، ان روایات میں افقین کا لفظ اس معنے کے مراد ہونے کی جانب مشیر ہے، مگر ہمارے مصنف علامؒ نے '' ان یبرد '' کا ''معنی لتاڑے گا'' سے کیا ہے، مگر مجھے لغت میں یہ معنی نہیں ملا اور نہ شراح نے یہ بیان کیا ہے۔

یہ لفظ اِبراد سے ہے جس کے ایک معنی قاصد بنانے کے ہیں، ایک دوسری حدیث میں یہ

لفظ اسی معنے میں آیا ہے، فرمایا کہ:

﴿اذا ابردتم الیٰ بریدًا فاجعلوہ حسَن الوجہ حسَن الاسم﴾

(یعنی: تم جب میرے پاس کسی کو قاصد بنا کر بھیجو تو حسین اور اچھے نام والے کو بھیجو)

(رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط، کذا فی مجمع الزوائد: ۸؍۴۷) اور یہی مراد ہے (واللہ اعلم)

اور غالباً مقصد یہ ہے کہ بڑوں کی تعظیم و توقیر باقی نہ رہے گی اور بوڑھے لوگ جن کا حق یہ تھا کہ جوان لوگ ان کے کام آتے اور ان کی خدمت کرتے، اس کے بجائے ان سے خود معمولی خدمتیں لی جائیں گی۔ اور یہ بات آج دیکھی جا سکتی ہے، چنانچہ جوان اور بچے، ان بوڑھے لوگوں سے اس طرح کام لیتے اور سلوک کرتے ہیں گویا کہ ان کی کوئی حیثیت ہی نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی قیامت کی علامات میں سے ہے، جس سے بچنا چاہئے۔ ہاں اگر کوئی کام بڑے بوڑھے کے سپرد ہو اور وہ اپنی ذمہ داری انجام دے کر تنخواہ لے تو یہ صورت اس میں داخل نہیں ہے، البتہ اس صورت میں بھی ان کے ساتھ بڑوں جیسا سلوک اور ان کی عزت و تکریم کرنا چاہئے، خلاصہ یہ کہ فقر و فاقہ کی وجہ سے بوڑھے آدمی کا احترام نہ کرنا اور اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے معمولی درجہ کے کام لینا، علاماتِ قیامت میں سے ہے۔

(۴) وان تری الحفاۃ، والے جملے کی تشریح اوپر گذر چکی ہے۔

حدیث ﴿۴۷﴾

﴿ عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنْهُ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَزَالُ الْاُمَّةُ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مَالَمْ يَظْهَرْ فِيْهِمْ ثَلَاثٌ، مَالَمْ يُقْبَضْ مِنْهُمُ الْعِلْمُ، وَيَكْثُرْ فِيْهِمْ

وَلَدُ الْخُبْثِ وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السَّقَّارُوْنَ قَالُوْا: وَمَا السَّقَّارُوْنَ؟ قَالَ: بَشَرٌ يَكُوْنُوْنَ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ، تَكُوْنُ تَحِيَّتُهُمْ بَيْنَهُمْ إِذَا تَلَاقَوْا التَّلَاعُنَ ﴾

(ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ یہ امت شریعت پر قائم رہے گی، جب تک کہ ان میں تین چیزیں ظاہر نہ ہوں جب تک کہ ان سے علم (اور علماء) کو نہ اٹھالیا جائے اور ان میں ناجائز اولاد کی کثرت نہ ہو جائے، اور لعنت باز لوگ پیدا نہ ہو جائیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "لعنت بازوں" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: آخری زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو ملاقات کے وقت سلام کے بجائے لعنت اور گالی گلوچ کا تبادلہ کیا کریں گے۔

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس کو امام احمدؒ نے مسند میں برقم: (۱۵۰۷۵) اور حاکم نے مستدرک: (۴/۴۹۱) میں روایت کیا ہے اور حاکم نے فرمایا کہ یہ شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط کے مطابق صحیح ہے مگر علامہ ذھبیؒ نے اس پر نکیر کی ہے اور حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی زبان بن فائد ہے جسکو جمہور علماء حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے، امام احمد نے فرمایا کہ اس کی احادیث منکر ہیں، یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ یہ شیخ ضعیف ہے اور ابن حبان نے فرمایا کہ اس سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا، البتہ ان کے صلاح و تقوی کی علماء نے تعریف کی ہے، ابو حاتم نے ان کو صالح فرمایا ہے۔ (دیکھو الجرح والتعدیل: ۳/۶۱۳، الضعفا والمتروکین: ۱/۲۹۲،

میزان:۳/۹۶) حافظ ابن حجر نے ان کے بارے میں فیصلہ یہ کیا ہے کہ یہ اپنے صلاح وعبادت کے باوجود حدیث میں ضعیف ہیں۔ (تقریب:۱/۲۱۳)

امت کے زوال کی علامتیں:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت شریعت پر قائم رہے گی جب تک کہ ان میں تین باتیں ظاہر نہ ہوں، جب تین باتیں ان میں پیدا ہو جائیں گی تو وہ شریعت سے ہٹ جائے گی، وہ تین باتیں یہ ہیں:

جہالت:

''ایک یہ کہ ان میں سے علم دین اٹھالیا جائے'' ظاہر ہے کہ علم کے اٹھا لئے جانے کا معنی یہ ہے کہ علماء کو اٹھالیا جائے جیسا کہ پہلے حدیث گذر چکی ہے، جب ان سے اس طرح علم اٹھالیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ شریعت کیا ہے، اس کے احکام کیا ہیں، اور حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے؟ اس کا علم نہ ہو سکے گا اور اس طرح وہ دین سے دور ہو کر ہلاکت وتباہی میں پڑ جائے گی۔ آج امت کے کتنے افراد ہیں جو علمِ دین سے واقف اور اس پر عامل ہیں؟ شاید دو چار فی صد بھی نہ ہوں گے، اور اس کی وجہ سے وہ گمراہی کی طرف روز بروز بڑھتے اور نت نئے فتنوں کا شکار ہوتے جارہے ہیں، اعتقادات، عبادات، معاشرات، معاملات، اخلاقیات، سبھی شعبوں میں اغلاط وخرابیاں شامل و داخل ہوگئی ہیں۔ اگر ان خرابیوں اور اغلاط کو دور کرنا ہو تو سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ علمِ دین حاصل کیا جائے۔ افسوس کہ آج امت کا ایک بہت بڑا طبقہ علمِ دین سے بالکل کورا اور دور ہے، حتی کہ علمِ دین کی تحقیر وتوہین بھی کرتا ہے علماء اور طلباء علومِ دین کو حقیر نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے امت روز بروز گمراہی کی طرف بڑھتی جارہی ہے۔

زنا کی کثرت:

" دوسرے یہ کہ ولد الحرام (حرامی بچوں) کی کثرت ہو جائے" اس سے زنا کاری وفحاشی کی کثرت اور خبائث ورذائل کی بہتات کی طرف اشارہ ہے، آج یہ بھی مشاہد ہے کہ فحاشی وعریانی، بے حیائی وبے شرمی، عورتوں میں بے پردگی، مردوں عورتوں کا اختلاط، وغیرہ خبائث عام ہیں اور روز افزوں بھی، جس کے نتیجہ میں حرام اولاد کی کثرت ہو رہی ہے، حتی کہ یہ بھی ہو رہا ہے کہ حرام اولاد کو سڑکوں اور کوڑے دانوں میں پھینکا جا رہا ہے۔ اور زنا بالرضا تو ہے ہی اس کے ساتھ زنا بالجبر بھی کثرت کے ساتھ جاری ہے۔

سلام کی جگہ لعنت :

"تیسرے یہ کہ سقارون کی کثرت ہوگی" یہ لفظ سقارون وصقارون (بالسین وبالصاد) دونوں طرح سے آیا ہے اور لغت میں بھی دونوں طرح لکھا ہے، اور دونوں کے معنی ایک ہیں، یعنی لعنت کرنے والے یا ان لوگوں پر لعنت کرنے والے جو لعنت کے مستحق نہیں ہیں اور اصل میں یہ لفظ "صقر" سے بنا ہے اور صقر کے معنی ہیں پتھر کی چٹان کو کلہاڑی سے مارنا، چونکہ لعنت کرنے والا اپنی زبان سے لوگوں کے دلوں کو مار کر زخمی کرتا ہے، اس لئے لعنت کرنے والوں کو سقارون یا صقارون کہتے ہیں (دیکھو لسان العرب: ۴/۲۷۲) اس حدیث میں اس کی تفسیر بھی حضور ﷺ نے خود ہی فرمادی ہے، چنانچہ جب صحابہ نے پوچھا کہ سقارون کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو ملاقات کے وقت ایک دوسرے پر لعنت کریں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ملاقات پر سلام کے بجائے اپنے حسد وکینہ بغض وعداوت کی وجہ سے ایک دوسرے پر لعنت ملامت اور گالی گلوج کریں گے۔

حدیث ﴿۴۸﴾

﴿عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ هَلَاكَ الْعَرَبِ﴾

(ترجمہ: حضرت طلحہ بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرب قیامت کی ایک علامت عرب کی تباہی بھی ہے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو امام ترمذی نے السنن میں برقم: (۳۸۶۴)، ابن ابی شیبہ نے المصنف: (۵۵۷/۷) میں اور بیہقی نے البعث میں (کمافی الدرمنثور: ۴۷۷/۷) اور بخاری نے التاریخ الکبیر: (۴/ ۳۴۴) میں ابن ابی شیبہ نے مصنف: ۴۱۱/۶ میں، طبرانی نے معجم کبیر: ۳۰۹/۸، ومعجم اوسط: ۸۱/۳ میں اور ابوبکر الشیبانی نے الآحاد المثانی: ۱۹۱/۲ میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں ''ام الحریر'' ایک راویہ ہے جو حضرت طلحہ بن مالک ﷛ راوی حدیث کی باندی ہے مگر اس کا حال معلوم نہیں، چنانچہ علماء نے ان کو مجہول قرار دیا ہے۔

(میزان: ۵۳۷/۷، لسان المیزان: ۵۴۱/۷)

اسی طرح اس کی سند میں ام محمد ایک اور راویہ بھی مجہول ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۲۹۷/۱۰)

لہٰذا روایت ضعیف ہوگی، اس کے باوجود علامہ عراقی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

(فیض القدیر: ۱۰/۶)

عرب کی تباهی :

اس میں قیامت کی علامت کے طور پر عرب کی ہلاکت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ کعبۃ اللہ کی بے حرمتی اور اس کی تخریب خود اس کے ماننے والوں اور اہل عرب کی طرف سے ہوگی جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کے ہاتھ پر رکن (حجر اسود) اور مقام (ابراہیم) کے درمیان بیعت لی جائے گی اور اس بیت اللہ کی بے حرمتی اس جگہ رہنے والے کریں گے، پس جب وہ اس کی بے حرمتی کریں تو عرب کی ہلاکت کے بارے میں نہ پوچھنا، پھر حبشہ کے لوگ آئینگے اور اس کعبہ کو اس طرح توڑ پھوڑ کر برباد کردیں گے کہ اس کے بعد پھر کبھی اس کی تعمیر نہ ہو سکے گی۔ مستدرک حاکم: ۹۹۴/۴)

حدیث ﴿۷۹﴾

﴿عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رضی اللہ عنہ قَالَ: يَكُوْنُ فِتْنَةٌ فَيَقُوْمُ لَهَا رِجَالٌ فَيَضْرِبُوْنَ خَيْشُوْمَهَا حَتّٰى تَذْهَبَ، ثُمَّ تَكُوْنُ اُخْرٰى فَيَقُوْمُ لَهَا رِجَالٌ فَيَضْرِبُوْنَ خَيْشُوْمَهَا حَتّٰى تَذْهَبَ، ثُمَّ تَكُوْنُ اُخْرٰى فَيَقُوْمُ لَهَا رِجَالٌ فَيَضْرِبُوْنَ خَيْشُوْمَهَا حَتّٰى تَذْهَبَ، ثُمَّ تَكُوْنُ اُخْرٰى فَيَقُوْمُ لَهَا رِجَالٌ فَيَضْرِبُوْنَ خَيْشُوْمَهَا حَتّٰى تَذْهَبَ، ثُمَّ تَكُوْنُ الْخَامِسَةُ وَهِيَ مُجَلِّلَةٌ، تَنْشَقُّ فِي الْاَرْضِ كَمَا يَنْشَقُّ الْمَاءُ﴾

(ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بڑا فتنہ کھڑا ہوگا جس کے مقابلہ

کے لئے کچھ مردانِ خدا کھڑے ہوں گے، اور اس کی ناک پر ایسی ضربیں لگائیں گے جس سے وہ ختم ہو جائے گا، پھر ایک اور فتنہ کھڑا ہوگا، اس کے مقابلہ میں بھی کچھ مرد کھڑے ہوں گے، اور اس کی ناک پر ضرب لگا کر ختم کر دیں گے، پھر ایک اور فتنہ کھڑا ہوگا، اس کے مقابلہ میں بھی کچھ مردانِ کار کھڑے ہونگے اور اس کا منہ توڑ دیں گے، پھر ایک اور فتنہ کھڑا ہوگا، اس کے مقابلہ میں بھی اللہ کے کچھ بندے کھڑے ہوں گے اور اسے مٹا کر دم لیں گے، پھر پانچواں فتنہ برپا ہوگا، وہ عالمگیر ہوگا، یہ تمام روئے زمین میں سرایت کر جائے گا، جس طرح پانی زمین میں سرایت کر جاتا ہے)

تشریح

تخریج ودرجہ حدیث:

اس کو ابن ابی شیبہ نے المصنف: (۱۶۳/۸) کتاب الفتن میں روایت کیا ہے اور یہ روایت صحیح ہے، اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے حماد بن سلمہ کے، ان کے بارے میں بعض کی رائے ہے کہ آخر زمانہ میں ان کے حافظہ میں تغیر ہو گیا تھا، مگر جمہور نے ان کو ثقہ ہی قرار دیا۔ (تہذیب التہذیب: ۱۲/۳-۱۳) میں کہتا ہوں کہ اس کی شاہد حضرت علی ؓ کا قول ہے جس کو حاکم نے روایت کر کے صحیح قرار دیا ہے، اس میں ہے کہ حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ اس اُمت میں پانچ فتنے رکھے گئے ہیں، ایک عام فتنہ، پھر ایک خاص فتنہ، پھر ایک عام فتنہ، پھر ایک خاص فتنہ، پھر اندھا بہرا فتنہ آئے گا جو سب کو ڈھانپ لے گا، جس میں آدمی چوپائے جانوروں کی طرح ہوں گے۔ (مستدرک: ۴/۴۸۴)

عالمگیر اور لاعلاج فتنہ:

اس اثر میں حضرت حذیفہ ؓ نے فرمایا ہے کہ یکے بعد دیگرے پانچ فتنے آئیں گے۔ اس سے مراد بڑے بڑے فتنے ہیں، ورنہ فتنے تو بہت سارے ہوں گے جیسا کہ احادیث کے مطالعہ سے واضح ہے، اور فرمایا کہ ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مردانِ خدا کھڑے ہوں گے اور ان فتنوں کی ناک پر ضرب کاری لگائیں گے اور وہ فتنے دب جائیں گے، یا ختم ہو جائیں گے مگر جب پانچواں فتنہ آئیگا تو وہ عالمگیر ہوگا اور ساری روئے زمین پر پھیل جائے گا، جس طرح پانی زمین میں سرایت کر جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے گا کیونکہ وہ عالمگیر فتنہ ہوگا، بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عالمگیر فتنہ دجال کا فتنہ ہوگا، ایک روایت میں حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ ہی سے آیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اسلام میں چار فتنے ہوں گے اور چوتھا فتنہ لوگوں کو دجال کے حوالہ کر دے گا جو سیاہ اور اندھیرا ہوگا۔ (نعیم فی الفتن: ۵۳/۱)

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا مقابلہ نہ ہو سکے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عام علماء اور عام لوگوں سے اس کا مقابلہ نہ ہو سکے گا، اسی لئے اسکے مقابلہ کے واسطے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا اور ان کے ساتھ حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے اور اس کا مقابلہ کیا جائے گا، اور جو بعض روایات میں پانچ فتنوں کا اور بعض میں چار فتنوں کا ذکر آیا ہے، ان دو باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ فتنے تو بہت سے ہوں گے ان میں سے بعض کا ذکر مقصود ہے، کسی وقت ان میں سے چار کا ذکر کر دیا اور کسی وقت پانچ کا ذکر کر دیا، لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

حدیث ﴿۵۰﴾

﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: یَکُوْنُ فِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَرْبَعُ فِتَنٍ اٰخِرُهَا الْفِنَاءُ﴾

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس امت میں خاص نوعیت کے چار فتنے ہوں گے، ان میں آخری اور سب سے بڑا فتنہ راگ ورنگ اور گانا بجانا ہوگا)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو ابوداؤد نے السنن میں برقم: (۳۷۰۳)، ابن ابی شیبہ نے المصنف میں (۶۶۶/۸) میں اور نعیم بن حماد نے الفتن: (۵۳/۱) میں روایت کیا ہے۔ ابوداؤد اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں شعبی نے ایک مبہم شخص کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور وہ شخص مجہول ہے اور اس کی وجہ سے روایت ضعیف ہوگی مگر نعیم بن حماد نے فتن میں اسکو براہ راست شعبی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے اور بیچ میں مبہم شخص کا واسطہ بیان نہیں کیا ہے اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ شعبی جہاں بہت سے صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں، وہیں حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی وہ روایت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث شعبی نے براہ راست ابن مسعود سے سنی ہوگی، اور کبھی کسی اور شخص سے بھی سنی ہوگی، اس طرح وہ بالواسطہ وبلا واسطہ دونوں

طرح روایت کرتے ہوں گے اوراس سے بلاواسطہ روایت پر کوئی الزام نہیں آتا (کما لا یخفی) اور ابوداؤد اور ابن ابی شیبہ کے باقی راوی سب ثقہ ہیں۔

آخری زمانہ کا سب سے بڑا فتنہ:

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے چار فتنوں کا ذکر کیا ہے اوراس سے مراد خاص قسم کے اور بڑے بڑے فتنے ہیں، (جیسا کہ اس سے ماقبل کی حدیث میں بھی عرض کر چکا ہوں) اور آپ ﷺ نے ان چار میں سے اس حدیث میں صرف ایک آخری فتنہ کا ذکر فرمایا ہے، اور حضرت عمران بن حصین ﷛ سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چار فتنے ہوں گے، پہلے میں (لوگوں کا) خون حلال کرلیا جائے گا دوسرے میں خون اور مال حلال کرلیا جائے گا اور تیسرے میں خون، مال اور شرم گاہیں حلال کر لی جائیں گی (طبرانی فی الکبیر: ۱۸/۱۷۰، والاوسط: ۸/۱۰۹) اور نعیم بن حماد نے حضرت ابو ہریرہ ﷛ کی روایت سے نبی کریم ﷺ سے یہی بات نقل کی ہے اوراس میں چوتھے فتنہ کا بھی ذکر ہے کہ وہ اندھا بہرا اور سب کو گھیر لینے والا ہوگا (الفتن: ۱/۵٦) اس سے ان فتنوں کی ایک درجہ میں تعیین ہوگئی جو پہلی حدیث میں مذکور نہیں ہیں، پھر فرمایا کہ آخری فتنہ فنا وتباہی کا ہوگا، اوراس آخری فتنہ سے مراد دجال کا فتنہ ہے جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا گیا، اور نعیم بن حماد نے حضرت عمران کی حدیث میں چوتھے فتنہ میں دجال کا اضافہ بھی کیا ہے (الفتن: ۱/۵۴)، اور بعض احادیث میں اس چوتھے فتنہ کے بارے میں ایک دوسری بات آئی ہے، وہ یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد چار فتنے ہوں گے، اور چوتھا فتنہ بڑا سخت اندھا اور سب پر حاوی ہونے والا فتنہ ہوگا، جس میں امت آزمائش کی وجہ سے اس طرح رگڑی جائے گی، جیسے

چیز ارگڑا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس زمانہ میں معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھا جائے گا اور ان کے دل مرجائیں گے جیسے کہ ان کے بدن مرجاتے ہیں۔ (نعیم فی الفتن: ۱/۶۷)

نوٹ: اس حدیث میں الفاظ ''آخر ھا الفنا'' ف کے ساتھ ہیں مگر ہمارے مصنف علام نے'' آخر الغناء '' غین کے ساتھ نقل کر کے اس کا ترجمہ ''آخری فتنہ راگ ورنگ اور گانا بجانا ہوگا'' سے فرمایا ہے مگر ابوداؤد کے مختلف نسخوں، اور ابن ابی شیبہ، نیز نعیم کی الفتن سب میں یہ لفظ ''الفنا'' ہی آیا ہے۔ اور شراح ابی داؤد میں سے صاحب عون المعبود نے (۱۱/۲۰۷) اور صاحب بذل المجہود نے (۶/۸۸) میں ''الفنا'' ہی کے الفاظ اختیار فرمائے ہیں، اور اسی پر شرح بھی کی ہے، اس لئے غالباً یہاں'' الغنا '' لکھنا مصنف کا سہو ہے۔ (واللہ اعلم)

حدیث ﴿۵۱﴾

﴿عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ وَسَيَجِيْئُ بَعْدِىْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ، لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَاْنُهُمْ﴾

(ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم قرآن کو عرب کے لب ولہجہ اور آواز میں پڑھا کرو، بوالہوسوں کے نغموں کی طرح پڑھنے اور یہود ونصاریٰ کے طرزِ قرأت سے بچو، میرے بعد کچھ لوگ آئیں گے جو قرآن کو موسیقی اور نوحہ کی طرح گا گا کر پڑھا کریں گے (قرآن ان کی زبان ہی زبان پر ہوگا) حلق سے بھی نیچے نہیں اترے گا، ان کے

دل بھی فتنہ میں مبتلا ہوں گے اور اُن کے دل بھی جن کو ان کی نغمہ آرائی پسند آئے گی)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کی تخریج امام بیہقی نے شعب الایمان: (۲/۵۴۰) میں اور دیلمی نے مسند الفردوس: (۳/۲۵۵) میں کی ہے، نیز امام رزین نے بھی اپنی کتاب میں اسکو روایت کیا ہے (کما فی المشکوٰۃ: ۱۹۱)، ابن الجوزی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس کا راوی ابومحمد مجہول ہے اور دوسرا راوی بقیہ ابن الولید ضعیف لوگوں سے روایت کرتا اور ان سے تدلیس کرتا ہے (العلل المتناھیہ: ۱/۱۱۸)، نیز ذہبی نے میزان الاعتدال: (۴/۳۱۳) میں اور حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان: (۲/۳۱۹) میں یہی نقل فرمایا ہے، لھٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

حسنِ قرأت کے مقابلوں کا فتنہ:

اس حدیث میں اولاً تو اس بات کا حکم فرمایا گیا کہ قرآن پاک کو عرب کے لب ولہجہ اور ان ہی کی آواز میں پڑھو اور اہل عشق (بوالہوسوں) کے نغموں اور یہود ونصاریٰ کے انداز پر قرآن نہ پڑھو۔

اہلِ عرب کا طرز وانداز اور ان کا لب ولہجہ تکلف سے خالی اور تصنع وبناوٹ سے پاک ہوتا ہے، اس کے برخلاف گانے بجانے والوں کا انداز پُر تکلف وبناوٹی ہوتا ہے، اور اسمیں قواعد موسیقی کی رعایت کی جاتی ہے اور اہل کتاب یہود ونصاریٰ بھی اسی کے مطابق انجیل وتورات پڑھنے کے عادی ہیں لہٰذا حکم دیا گیا کہ اہل عرب کے لب ولہجہ میں قرآن پاک پڑھا جائے اور

اہل عشق واہل کتاب کے طرز تلاوت سے بچا جائے۔

ہاں قرآن پاک کو تکلف وبناوٹ کے بغیر اور قواعدِ موسیقی کی رعایت کے بغیر اچھی آواز اور اچھے انداز میں پڑھا جائے، تو یہ ممنوع نہیں بلکہ محمود و مستحسن ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے حسین بناؤ کہ اچھی آواز قرآن میں حسن کا اضافہ کردیتی ہے۔(مشکوٰۃ:۱۹۱)

غرض یہ کہ اچھی آواز وعمدہ لب ولہجہ میں قرآن پڑھنا مطلوب ومحمود ہے اور منع یہ ہے کہ تکلف وبناوٹ کے ساتھ یا موسیقی کے طرز پر پڑھا جائے، چنانچہ آگے فرمایا کہ میرے بعد کچھ لوگ آئیں گے جو قرآن پاک کو نغمہ وموسیقی کے انداز پر یا نوحہ کی طرح گا گا کر پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق کے نیچے بھی نہ اترے گا۔ معلوم ہوا کہ نغمہ اور نوحہ کی طرح گا گا کر قرآن پڑھنا منع ہے اور علامات قیامت میں سے ہے، مگر جیسا کہ عرض کرچکا ہوں اس سے مراد اچھی آواز وانداز سے پڑھنا نہیں ہے، بلکہ نغموں اور گانوں کے طرز پر پڑھنا مراد ہے، افسوس کہ آج قراء لوگوں میں یہ بھی عام ہورہا ہے کہ گانے کی طرح قرآن پاک پڑھتے ہیں اور اس کے لئے مجالس وجلسے قائم کئے جاتے ہیں اور ان نغموں کا مظاہرہ ہوتا ہے اور ان کا عمل بالقرآن صفر کے درجہ میں ہوتا ہے گویا قرآن صرف زبانوں پر ہے، دل میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں اور یہ بھی دراصل ایک عظیم فتنہ ہے، اسی لئے آگے فرمایا کہ ان کے دل بھی فتنے میں مبتلا ہوں گے اور ان لوگوں کے دل بھی فتنہ میں مبتلا ہوں گے جو ان کی نغمہ آرائی کو پسند کریں گے۔

آج لوگ قرآن صحیح پڑھنے والے کو پسند نہیں کرتے بلکہ گا گا کر قرآن پڑھنے والے کو پسند کرتے ہیں چاہے وہ قرآن پاک کو غلط ہی کیوں نہ پڑھے کیونکہ مقصود تو گانا سننا ہے نہ کہ قرآن

پاک سننا اور اس پر عمل کرنا، رمضان مبارک میں تراویح میں قرآنِ پاک پڑھنے کے لئے مساجد کے ذمہ دار اور مصلی لوگ ایسے حافظ کو تلاش کرتے ہیں جو گا گا کر اور نغموں اور موسیقی کی طرح قرآن پڑھے اور اس پر اس کو اُجرت بھی دیتے ہیں لیکن کوئی حافظ صحیح پڑھنے والا ہو مگر اس طرح گا گا کر نہ پڑھتا ہو تو ترجیح گانے کی طرح پڑھنے والے کو دیتے ہیں، صحیح پڑھنے والے کو نہیں دیتے، غرض یہ کہ یہ بھی ایک فتنہ ہے جس کی اللہ کے نبی علیہ السلام نے نشاندہی فرمائی ہے۔

حدیث ﴿۵۲﴾

﴿عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَتٰى ذَالِكَ؟ قَالَ: إِذَا ظَهَرَتِ الْقِيَانُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ﴾

(ترجمہ: حضرت عمران بن حصین ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس امت میں زمین میں دھنسنے، شکلیں بگڑنے اور آسمان سے پتھر برسنے کا عذاب نازل ہوگا، کسی صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟ فرمایا: جب گانے اور ناچنے والی عورتیں اور گانے بجانے کا سامان ظاہر ہو جائے گا اور شرابیں اڑائی جائیں گی)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو ترمذی نے حضرت عمران بن حصین سے السنن: (۲۱۳)، میں روایت کیا ہے

نیز السنن الواردۃ فی الفتن: (۷۰۹/۳) میں حضرت عمران ہی سے اور (۷۱۶/۳) میں حضرت عبدالرحمان بن سابطؒ سے بغیر واسطہ صحابی (مرسلاً) روایت کیا ہے علامہ منذری نے فرمایا کہ ترمذی نے اس کو بطریق عبداللہ بن عبدالقدوس روایت کیا ہے اور ان کی توثیق کی گئی ہے اور ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے۔ (ترغیب: ۱۸۲/۲)

میں کہتا ہوں کہ یہ عبداللہ بن عبدالقدوس اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ بلکہ ان کتب میں اس کو رافضی خبیث تک کہا ہے، البتہ محمد بن عیسیٰ نے ان کو ثقہ اور امام بخاری نے صدوق فرمایا ہے۔ ((دیکھو الجرح والتعدیل: ۱۰۴/۵، المغنی فی الضعفاء: ۳۴۶/۱، میزان: ۱۴۲/۴، تہذیب: ۳۰۲/۵) اس لئے یہ حدیث حسن ہے

عذاب الٰہی کے اسباب:

اس کا مطلب واضح ہے اور اوپر اس مضمون کی احادیث اور ان کی شرح گذر چکی ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پچھلی اُمتوں پر جس طرح زمین میں دھنسانے، صورتوں کو مسخ کرنے اور آسمان سے پتھر برسنے کے عذاب آئے تھے، اس امت پر بھی اُس قسم کے عذاب آسکتے ہیں۔

حدیث ﴿۵۳﴾

﴿عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِنْ وَّرَائِکُمْ اَیَّامًا یُرْفَعُ فِیْهَا الْعِلْمُ وَیَکْثُرُ فِیْهَا الْهَرْجُ، قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰه! ما مَاالْهَرْجُ؟ قَالَ الْقَتْلُ﴾

(ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے بعد

ایسا دور ہوگا جس میں علم اٹھالیا جائے گا اور فتنہ وفساد عام ہوگا، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! فتنہ وفساد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا قتل)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث :

اس کو بخاری: (۶۵۳۸)، مسلم: (۴۸۲۶)، ترمذی: (۲۱۲۶)، ابن ماجہ: (۴۰۴۰)، احمد: (۳۵۱۲) نے روایت کیا ہے اور یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری وحضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے آئی ہے اور حدیث کا صحیح ہونا ظاہر ہے۔

فتنہ وفساد کا دور :

اس میں صحابہ کرام کو بتایا گیا ہے کہ تمہارے بعد ایک دور ایسا آئے گا جس میں علم اٹھالیا جائے گا اور فتنہ وفساد عام ہوگا۔ پھر ہرج کی تفسیر قتل سے کر کے بتایا کہ اس دور میں قتل عام ہوجائے گا، اس کی تشریح کے لئے حدیث نمبر ۳ کی شرح دیکھئے۔

حدیث ﴿۵۴﴾

﴿عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ ﷺ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلْعِبَادَةُ فِی الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ اِلَیَّ﴾

(ترجمہ: حضرت معقل بن یسار ﷺ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ فتنہ وفساد کے زمانہ میں عبادت کرنا ایسا ہے جیسے میری طرف ہجرت کر کے آنا)

تشریح

☆تخریج و درجۂ حدیث:

اس کو مسلم نے برقم: (۵۲۴۲)، ترمذی نے برقم: (۲۱۲۷)، ابن ماجہ نے برقم: (۳۹۷۵)، احمد نے برقم: (۱۹۴۱۳) وغیرہ روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے۔

فتنہ کے دور میں عبادت کا ثواب:

ہرج کا ذکر اوپر کی حدیث میں بھی ہوا ہے جس کا معنی قتل و غارت گری ہے، اس حدیث میں فرمایا کہ اس قتل و غارت گری کے ہنگاموں میں عبادت کرنا ایسا ہے جیسے کوئی دار الحرب و دارا لکفر سے ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جائے یعنی مکہ سے ہجرت کرنے کا جو ثواب حضرات مہاجرین کو دیا گیا، وہی ثواب فتنہ و فساد کے دور میں اور قتل و غارت گری کے ہنگاموں میں عبادت کرنے پر عطا فرمایا جاتا ہے۔

اور ہجرت الی الرسول و عبادت فی الہرج میں مناسبت یہ ہے کہ فتنہ و فساد کے زمانہ میں عبادت کرنے والے کو بھی وہی پریشانیاں پیش آتی ہیں جو فتنہ و فساد کی جگہ میں رہنے والوں کو پیش آتی ہیں تو جس طرح وہ اللہ کے لئے ملک و وطن چھوڑتا ہے یہ آدمی بھی اپنی جان جھونکوں میں ڈال کر اللہ کی عبادت کا راستہ نکالتا ہے۔

اور علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ ہرج و فتنہ کے زمانہ میں عبادت کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ اس میں چند افراد کے سواء سب لوگ عبادت سے غافل ہوتے ہیں اور فتنوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور عبادت کے لئے اپنے آپ کو فارغ نہیں کرتے۔ (شرح مسلم: ۲/۴۹۶)

حدیث ﴿۵۵﴾

﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی يَأْخُذَ اللّٰهُ شَرِيْطَتَهُ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَيَبْقٰى مِنْهَا عُجَاجٌ، لَا يَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُوْنَ مُنْكَرًا﴾

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو زمین والوں سے چھین لے گا پھر زمین پر خیر سے بے بہرہ لوگ رہ جائیں گے، جو نہ کسی نیکی کو نیکی سمجھیں گے نہ کسی برائی کو برائی)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو امام احمد نے مسند: (۶۶۷۰) میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً وموقوفاً اور حاکم نے مستدرک: (۴/۴۸۱) میں روایت کیا ہے۔ حاکم نے فرمایا کہ اگر حسنؒ نے ابن عمرو سے سنا ہے تو یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ (مستدرک: ۴/۴۱۸) بزار نے اپنے مسند میں فرمایا کہ حسن نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے مگر میں نہیں جانتا کہ انہوں نے ان سے سنا ہے (نصب الرایۃ: ۱/۹۰)

اس لحاظ سے یہ حدیث منقطع ہے مگر اس کے باوجود علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں احمد کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ (فتح الباری: ۱۳/۸۵)

خیر سے بے بہرہ لوگوں کی بھیڑ:

اس میں قیامت کی ایک علامت بتائی گئی ہے وہ یہ کہ اللہ کے مقبول ومحبوب بندے اٹھالئے جائیں گے، یعنی یکے بعد دیگرے ان کو موت دیکر دنیا سے اٹھالیا جائے گا اور زمین پر صرف خیر سے محروم اور بے بہرہ لوگ رہ جائیں گے، جو نہ کسی نیکی کو نیکی سمجھیں گے اور نہ کسی بُرائی کو بُرائی سمجھیں گے۔

یعنی حق وباطل میں ان کو کوئی امتیاز ہی نہ رہے گا اور ظاہر ہے کہ جب حق و باطل، اچھے وبُرے اور معروف ومنکر میں کوئی فرق وامتیاز نہ ہوگا، تو ان کی زندگی جانوروں جیسی ہوگی، اور یہ بات علم شریعت اور عقل وبصیرت سے محرومی کا نتیجہ ہوگی جیسا کہ اوپر حدیث گذری کہ میری امت شریعت پر قائم رہے گی جب تک کہ ان میں سے علم نہ اٹھالیا جائے۔ (دیکھو حدیث ٤٧)

مسلمانو! آج کتنے لوگ ہیں جو دین کا علم رکھتے ہیں؟ اور اس کی روشنی میں زندگی گذارتے ہیں؟۔

اسکا جواب دیتے ہوئے مسلمانوں کو شرم آتی ہے کیونکہ اس کے جواب میں جو کہا جائے گا وہ نہایت ہی افسوس ناک صورتِ حال ہوگی بلکہ شرمناک صورتِ حال ہوگی۔ اور جب علم دین کی تحصیل میں مسلمان اتنا پیچھے ہے تو حقائق کو سمجھنے اور حق وباطل میں امتیاز کرنے اور معروف و منکر کے فرق کو سمجھنے میں کتنا پیچھے ہوگا؟ چنانچہ آج بہت سے مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ حتی کہ اسلام کے بنیادی عقیدوں کا بھی ان کو صحیح علم نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہ کفریہ وشرکیہ اور ملحدانہ وزندیقانہ اعمال وافعال کو اسلام اور خالص اسلام سمجھتے ہیں، مزارات کی پوجا، اولیاء اللہ کی منتیں ماننا، جھنڈے گاڑ کر اس کو سلامی دینا اور ان مخلوقات کو مشکل کشا اور حاجت

روا سمجھنا اور ولادتِ نبوی کی تاریخ میں گانے بجانے ناچنے اور دیگر خرافات پر مشتمل جلوس نکالنا، مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے میں خالص دین اسلام بلکہ مغزِ اسلام اور حقیقت و معرفت کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں جب کہ ان کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں بلکہ یہ شرکیہ وکفریہ باتیں واعمال ہیں۔

یہ سب اسی لئے ہے کہ شریعت کا علم حاصل نہیں، حضرت عباد بن عباد الخواص الشامی جو ملکِ شام کے فضلاء اور عابدین و زاہدین میں سے تھے، امام داری نے ان کا ایک خط نقل کیا ہے، اس میں آپ نے ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ:

''تم عمل سے پہلے علم حاصل کرو کیونکہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں حق و باطل مشتبہ ہو جائیں گے اور معروف منکر اور منکر معروف ہو جائے گا، پس تم میں بہت سے ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کا قرب ایسی چیزوں سے حاصل کرنا چاہیں گے جو اللہ سے دور کرنے والی ہوں گی اور اللہ سے محبت ایسی چیزوں کے ذریعہ حاصل کرنا چاہیں گے جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں۔

(دارمی: ۱/۱۰۷)

معلوم ہوا کہ علم شریعت سے جاہل رہنا انسان کو اس طرح گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے کہ انسان حق کو باطل اور باطل کو حق اور اللہ سے دور کرنے والی باتوں کو اللہ کے قرب کا ذریعہ اور اللہ کو ناراض کرنے والی باتوں کو اللہ کی محبت کے حصول کا ذریعہ سمجھنے لگتا ہے، جیسے بدعتی لوگ مزارات پر سجدہ اور نیاز اور جھنڈوں کو سلامی ہی کو اللہ ورسول سے محبت و تعلق کی دلیل سمجھتے ہیں جبکہ یہ باتیں اللہ ورسول سے دوری پیدا کرتی ہیں۔

اسی طرح اب بہت سے مسلم ملکوں میں خالص اسلامی افعال واعمال کو معیوب سمجھا جاتا

ہے جیسے ڈاڑھی، پردہ، وغیرہ اور بعض اسلامی ملکوں میں ان پر پابندی بھی ہے، گویا غیرِ اسلام اسلام ہے اور اسلام غیرِ اسلام ہے، معروف منکر ہے اور منکر معروف ہے۔

اگر یہ صورتِ حال ترقی کرتی رہی اور بے دینی ولاعلمی کی فضا آگے بڑھتی رہی تو سوچئے کہ نوبت کہاں پہنچے گی؟ اور کیا وہ صادق نہ آئے گا جو اس حدیث میں پیش گوئی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

حدیث ﴿۵۶﴾

﴿عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَامَرْفُوْعًا: یَكُوْنُ فِیْ اٰخِرِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ رِجَالٌ یَرْكَبُوْنَ عَلَى الْمَیَاثِرِ حَتّٰی یَأْتُوْا اَبْوَابَ الْمَسَاجِدِ، نِسَائُهُمْ كَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ عَلٰی رُؤُسِهِنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْعِجَافِ، اِلْعَنُوْهُنَّ فَاِنَّهُنَّ مَلْعُوْنَاتٌ، لَوْ كَانَتْ وَرَاءَ كُمْ اُمَّةٌ مِّنَ الْاُمَمِ لَخَدَمْتُمْ كَمَا خَدَمَكُمْ نِسَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ﴾

(ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جو ٹھاٹ سے زین پوشوں پر بیٹھ کر مسجدوں کے دروازوں تک پہنچا کریں گے، ان کی بیگمات لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی، ان کے سروں پر لاغر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح بال ہوں گے، ان پر لعنت کرو، کیونکہ وہ ملعون ہیں، اگر تمہارے بعد کوئی اور امت ہوتی تو تم ان کی غلامی کرتے جس طرح پہلی امتوں کی عورتیں تمہاری لونڈیاں بنیں)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کوامام احمد نے اپنے مسند: (٦٧٨٦)، ابن حبان نے صحیح: (۱۳/۶۴)، ابو عبداللہ الحاکم نے مستدرک: (۴/۴۸۳) اور ابوالحسن الہیثمی نے موارد الظمآن: (۱/۳۵۱) میں روایت کیا ہے اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث علی شرط الشیخین صحیح ہے، امام المنذریؒ نے الترغیب: (۳/٦٩) میں حاکم کا قول نقل کرکے اس پر سکوت فرمایا ہے۔

دینداروں میں ٹھاٹ باٹ:

(۱) اس حدیث میں ہے کہ اس اُمت کے آخر میں ایسے آدمی ہوں گے جو دنیوی ٹھاٹ باٹ سے متاثر ہونے اور اس کے عادی ہونے کی وجہ سے میاثر یعنی ریشمی زین پوش پر سوار ہوکر مساجد کو آئیں گے۔ میاثر، مثیرہ کی جمع ہے اور یہ لفظ وثارۃ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں بچھونے کا نرم وملائم ہونا، میاثر وہ بچھونے جو نرم ونازک وملائم ہوں، ابوعبید نے فرمایا کہ میاثر عجمی سواریوں میں سے ہے جو حریر ودیباج کے بنے ہوتے ہیں، اور بعض نے فرمایا کہ گھوڑے یا اونٹ پر ریشم وغیرہ سے بنا کر ڈالے جاتے ہیں۔ (فتح الباری: ۳۰۷/۱۰)

ان حضرات کی یہ تشریح ان کے زمانہ کی چیزوں کے پیش نظر ہے اور آج کے حالات کے اعتبار سے اونٹ وگھوڑے کے بجائے کار وموٹر گاڑیاں اس کا مصداق ہوں گی جن میں آرائش وزیبائش کرنے والے ضرورت سے زیادہ آرائش وزیبائش کا اہتمام کرتے ہیں اور ریشم وحریر کے گدے وصوفے اور سیٹیں بناتے ہیں، ان تعیشات اور آسائشوں اور زیبائشوں کی بُرائی بیان

کرنا اصل مقصود ہے۔

اور بعض احادیث میں صراحت کے ساتھ میاثر پر سواری کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(دیکھو: شعب الایمان: ۴۲۶/۹، مسلم: ۳۸۴۸، بخاری: ۴۷۷۷)

اور اس منع کی وجہ بعض نے یہ بیان کی کہ یہ ریشم سے بنے ہوتے ہیں اور ریشم مردوں کے لئے حرام ہے، لہٰذا اس صورت میں یہ حرمت، ریشم کی وجہ سے ہوگی، اور بعض نے فرمایا کہ اس میں تشبہ بالعجم ہے اور غیروں کی مشابہت اسلام میں منع ہے اور بعض نے فرمایا کہ اسراف وفضول ہونے کی وجہ سے منع ہے اور بعض نے تزین وزیبائش اس کی وجہ بتائی ہے۔

(فتح الباری: ۱۰ / ۳۰۷)

غرض یہ کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں لوگ مساجد تک ایسے ایسے ناز ونخروں اور زیب وزینت اور کافرانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ آئیں گے۔ بہر حال دونوں صورتوں پر یہ بتانا مقصود ہے کہ مساجد کو آنیوالا طبقہ جو دیندار کہلاتا ہے اس میں بھی دنیوی تعیشات اور ٹھاٹ باٹ کا رواج ہوگا، جیسا کہ آج کل مالدار طبقے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ مساجد کو تو آتے ہیں مگر دنیوی عیش سے مست وچور ہوتے ہیں اور ان میں غرور وناز کی مستی صاف دکھائی دیتی ہے۔

بے حیائی کی وباء:

(۲) پھر فرمایا کہ ''ان کی عورتیں کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، ان کے سروں پر لاغر بختی اونٹوں کی کوہان کی طرح بال ہوں گے، ان پر لعنت کرو''

ان جملوں کی شرح حدیث نمبر ۱۴ کے تحت گذر چکی ہے، وہاں دیکھ لی جائے مطلب یہ ہوا کہ نماز پڑھنے کو مساجد میں آنے والوں کی عورتوں کا فیشن پرستی میں اور ٹھاٹ باٹ میں یہ حال

ہوگا کہ کپڑے تو جسم پر ہوں گے مگر اتنے باریک کہ بدن جھلک رہا ہوگا، یا کپڑے آدھے جسم پر ہوں گے اور آدھا جسم ننگا ہوگا، اور سر پر چوٹیاں کوہان کی طرح ہوں گی، یہ سب دنیوی عیش وتنعم اور فیشن پرستی کا نتیجہ ہوگا۔

یہ ملعون ہیں

(۳) آخر میں فرمایا کہ ان (عورتوں) پر لعنت کرو کہ یہ عورتیں ملعون ولعنتی ہیں، اور اگر تمہارے بعد کوئی اور امت آنے والی ہوتی تو ان عورتوں کو اس قوم کی عورتوں کا غلام بنادیا جاتا مگر کوئی اور امت اس کے بعد نہیں ہے، اس لئے یہ تو نہ ہوگا کہ کسی کا غلام بنایا جائے، مگر ذلیل وخوار تو ہو رہی ہیں۔

یہ حدیث بھی آج کے لوگوں پر بہت حد تک صادق آتی ہے، عیش پسندی، تعیش دکھاوے کا عام چلن ہو رہا ہے، حتیٰ نمازی لوگوں میں بھی اس قسم کی بیماریاں بڑھتی جارہی ہیں، ریشم کے گدّوں اور سیٹوں وصوفوں کا رواج بھی ہونے لگا ہے، پھر ان نمازیوں کی عورتوں میں بے پردگی وفیشن پرستی، عریانی وبے حیائی بھی رواج پارہی ہے، اور یہ باتیں عموماً ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں جو مالدار وخوش حال ہیں اور مغربی طرزِ معاشرت اور طرزِ زندگی کو عظمت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان لوگوں میں سے ہونے سے بچائے۔

حدیث ﴿۵۷﴾

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: اِنْ طَالَتْ بِكَ مُدَّةٌ یُوْشَكُ اَنْ تَرٰی قَوْمًا یَغْدُوْنَ فِیْ سَخَطِ اللّٰهِ وَیَرُوْحُوْنَ فِیْ لَعْنَتِهٖ، فِیْ

اَيۡدِ يُهِمۡ مِّثۡلُ اَذۡنَابِ الۡبَقَرِ﴾

(ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اگر تمھاری زندگی طویل ہوئی تو بعید نہیں کہ تم ایسے لوگوں کو دیکھو جن کی صبح وشام اللہ کے غضب ولعنت میں بسر ہوگی، ان کے ہاتھ میں بیل کی دُم جیسے کوڑے ہونگے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو مسلم نے صحیح میں برقم: (۵۰۹۹) و(۵۱۰۰)، احمد نے مسند: (۷۹۴۳) میں، حاکم نے مستدرک: (۴/۴۸۲) میں اور بیہقی نے شعب الایمان: (۴/۳۴۹) میں روایت کیا ہے، اور حاکم نے اسکو صحیح قرار دیا ہے اور مسلم کی تخریج سے بھی اس کا صحیح ہونا ظاہر ہے۔

صبح وشام خدا کی لعنت میں:

اس حدیث میں جس قوم کا ذکر ہے اس سے مراد پولیس ہے جو اپنے ہاتھوں میں کوڑے رکھ کر پھرتی رہتی ہے، اور ان سے اچھوں بُروں سب کو اذیت پہنچاتی اور دنیا کی خاطر لوگوں کو پریشان کرتی ہے اور اس میں بتایا گیا کہ ان لوگوں پر صبح وشام خدا کی لعنت وغضب ہوتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آخری زمانہ میں پولیس والے ہونگے جو اللہ کے غضب میں صبح کریں گے۔

(طبرانی کبیر: ۱۳٦/۸)

اس حدیث کی تشریح کے لئے حدیث: ۱۴ کی شرح دیکھئے، ہم نے وہاں اس پر تفصیلی کلام کردیا ہے۔

حدیث ﴿۵۸﴾

﴿عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ ﷺ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: لَا یَزْدَادُ الْاَمْرُ اِلَّا شِدَّةً وَلَا الْمَالُ اِلَّا اِفَاضَةً وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ خَلْقِهٖ﴾

(ترجمہ: حضرت ابوامامہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ حالات میں دن بدن شدت پیدا ہوتی جائے گی مال میں برابر اضافہ ہوتا جائے گا اور قیامت صرف بدترین لوگوں پر قائم ہوگی، نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھا لئے جائیں گے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو حضرت ابوامامہ ﷺ کی روایت سے امام طبرانی نے معجم کبیر: (۱۸۲/۸) میں اور ابن عدی نے الکامل: (۴۰۶/٦) میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں معاویہ بن صالح راوی مختلف فیہ ہے، احمد، ابوزرعہ وغیرہ نے ان کو ثقہ مانا ہے اور یحیٰی القطان ان کو پسند نہیں کرتے تھے، اور ابوحاتم نے فرمایا کہ ان سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا، ابن معین نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، ابن عدی نے فرمایا کہ صدوق ہیں اور ابواسحاق نے فرمایا کہ یہ اس لائق نہیں کہ ان سے روایت لی جائے۔ (میزان: ۴۵٦/٦، عقیلی: ۱۸۴/۴) غرض یہ کہ معاویہ بن صالح کے بارے میں اختلاف ہے لہٰذا یہ حدیث حسن ہوگی، نیز اس کی تائید شواہدات سے ہوتی ہے، چنانچہ اس معنی ومضمون کی حدیث ابونعیم نے حلیة الاولیاء (۳٦۲/۷) میں حضرت عمران بن حصین ﷺ س

سے روایت کی ہے اور فرمایا کہ ادریس نے یحییٰ سے اس کو روایت کرنے میں تفرد کیا ہے، نیز حضرت انسؓ سے ابن ماجہ نے (السنن : ٤٠٢٩) میں روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں ''لا مھدی الا عیسیٰ'' کا اضافہ ہے، نیز اس کو حضرت انسؓ سے خطیب نے تاریخ بغداد: (٤/ ٢٢٠) میں، اور ابو یعلیٰ نے الارشاد :(١/ ٤٣٦) میں روایت کیا ہے، ابن الجوزی نے ''العلل المتناھیة'' (٢/ ٨٦٢) میں حضرت انس ﷺ کی اس کو حدیث منکر قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت انس ﷺ کی اس حدیث میں وارد آخری جملہ ''لا مھدی الا عیسیٰ'' کی کسی طرح تائید نہیں ہوتی اس لئے یہ جملہ منکر ہے اور اس سے زیادہ اصح احادیث میں حضرت مھدیؒ کے خروج کا اور ان کے حضرت فاطمہ ﷺ کی اولاد میں سے ہونے کا ذکر ملتا ہے جس سے مذکورہ حدیث کے اس جملہ کا غلط ہونا ظاہر ہوتا ہے صاحب المنار المنیف نے احادیث مھدی کے اصح ہونے کی بنا پر اس حدیث کا رد کیا ہے۔ (المنار المنیف :١/ ١٤١) البتہ اس کے اور جملے دوسری احادیث سے ثابت ہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس لئے ان کا اعتبار کیا جائے گا اور اس میں وارد یہ جملہ'' لا تقوم الساعة الا علی شرار الناس '' صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ (سلسلة الاحادیث الضعیفة ١/ ١٨٨)

غرض یہ کہ مذکورہ حضرت ابواُمامہ ﷺ کی حدیث ان شواہدات کی وجہ سے حسن ہے۔

حالات میں روز افزوں شدت:

حضرت ابوامامہ ﷺ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

(١)'' حالات میں روز بروز شدت وسختی بڑھتی جائے گی'' یعنی حالات خطرناک سے خطرناک ہوتے جائیں گے اور اس میں روزانہ اضافہ ہی ہوگا کمی نہ ہوگی، بعض حضرات نے

جیسے ابن شوذبؒ نے فرمایا کہ حالات میں شدت سے مراد علماء کی موت کا واقع ہونا ہے۔
(طبقات المحدثین لابی محمد ابن حیان: ۲۰۸/۴)

یعنی علماء کا دنیا سے اٹھ جانا امت کے حق میں شدت وسختی کا ذریعہ بن جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ خود علماء کا دنیا سے اٹھتے چلے جانا روز بروز بڑھتا جائے گا اور علماء کی موت کی کثرت ہو جائے گی اور ایک دور ایسا آئے گا کہ علماء ہی نہ رہیں گے، جیسا کہ اوپر اس سلسلہ میں احادیث گذر چکی ہیں۔

حالات میں شدت، خصوصاً اہل اسلام کے لئے حالات کا سنگین وخطرناک ہونا، آج کے دور میں اور خصوصاً ہندوستان مین واضح اور اظہر من الشمس ہے، سنگھ پریوار، شیوسنا، آرایس ایس، بجرنگ دل، جیسی شدت پسند تنظیموں اور دہشت عناصر کی طرف سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جو فساد ودہشت گردی کا ننگا ناچ کھیلا جارہا ہے، اور ہندوستان کی مرکزی حکومت بھی ان کے ساتھ اس ناچ میں شریک ہورہی ہے، یہ ساری باتیں کھلی ہوئی ہیں۔

ابھی قریب میں گجرات کے بعض علاقوں میں مسلمانوں کے خون سے جو ہولی کھیلی گئی اور پوری انسانی تاریخ کا ریکارڈ توڑتے ہوئے ہزاروں ہزار مسلمانوں کو زندہ جلا کر راکھ کا ڈھیر کردیا گیا اور بچوں، عورتوں، بوڑھوں، جوانوں سب کو مشق ستم بنایا گیا، اور منت ساجت کرنے والوں کی کوئی بات بھی ان درندوں پر اثر انداز نہ ہوئی اور جنگل کے درندوں سے بڑھ کر درندگی کا جو مظاہرہ پیش کیا گیا، اس پر سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس حدیث کی پیش گوئی پوری ہورہی ہے، اللہ تعالیٰ ان شہیدانِ وطن کو مرحوم ومغفور فرمائے۔

۞مالی آسودگی:

(۲)''مال میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا'' مال کا بڑھنا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اور بعض احادیث میں ہے کہ مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ زمین خزانے اگلنے لگے گی، اور اس کو کوئی لینے والا نہ رہے گا۔ (مسلم:۳۹۱/۲)

ایک حدیث میں ہے کہ زمین سونے اور چاندی میں سے ستون کے برابر ٹکڑے، اپنے اندر سے نکالے گی، ایک قاتل آئے گا اور کہے گا کہ اس دنیا کے لئے میں نے فلاں کو قتل کیا تھا، قطع رحمی کرنے والا کہے گا کہ اس مال کے لئے تو میں نے رشتہ توڑا تھا، چور آئے گا اور کہے گا کہ اس مال کیلئے تو میں نے چوری کی تھی اور میرے ہاتھ کاٹے گئے اور اب ان میں سے کوئی بھی مال کو نہیں اٹھائے گا، سب چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ : ٤٦٩)

مال میں اس قدر فراوانی تو ہوگی مگر اس کے باوجود نہ سکون ہوگا، نہ راحت ہوگی، بلکہ جیسا کہ اوپر فرمایا گیا، شدت وسختی و پریشانی میں بھی اضافہ ہوگا۔

۞قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی:

(۳)''اور قیامت نہیں قائم ہوگی مگر مخلوق میں سے بدترین لوگوں پر'' معلوم ہوا کہ قیامت کے قریب سارے نیک اور اچھے لوگ دنیا سے ختم ہوجائیں گے اور صرف بدترین لوگ رہ جائیں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔ یہ مضمون اور بھی متعدد حدیثوں میں آیا ہے۔ (دیکھو مسلم:۴۰۶/۲) اس لئے اس حدیث کا یہ جملہ صحیح وثابت ہے۔

(کما قالہ الالبانی فی الضعیفۃ:۱۸۸/۱)

حدیث ﴿۵۹﴾

﴿عَنْ مُوْسٰی بْنِ اَبِیْ عِیْسٰی الْمَدِیْنِیْ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: کَیْفَ بِکُمْ اِذَا فَسَقَ فِتْیَانُکُمْ وَطَغٰی نِسَاءُ کُمْ ؟ قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَاِنَّ ذَالِكَ لَکَائِنٌ؟ قَالَ: نَعَمْ وَاَشَدُّ مِنْهُ، کَیْفَ بِکُمْ اِذَا لَمْ تَأْمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؟ قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنَّ ذَالِكَ لَکَائِنٌ؟ قَالَ : نَعَمْ وَاَشَدُّ مِنْهُ، کَیْفَ بِکُمْ اِذَا رَاَیْتُمُ الْمُنْکَرَ مَعْرُوْفًا وَالْمَعْرُوْفَ مُنْکَرًا﴾

(ترجمہ: موسیٰ بن ابی عیسیٰ مدنی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے نوجوان بدکار ہو جائیں گے اور تمہاری لڑکیاں اور عورتیں تمام حدود پھلانگ جائیں گی؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا ؟ فرمایا: ہاں اور اس سے بھی بڑھ کر۔ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نہ بھلائی کا حکم کرو گے، نہ برائی سے منع کرو گے؟ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا: ہاں اور اس سے بھی بدتر، اس وقت تم پر کیا گزرے گی جب تم برائی کو بھلائی اور بھلائی کو برائی سمجھنے لگو گے۔)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو امام ابن المبارکؒ نے "الزھد" میں برقم: (١٣٤٦)، موسیٰ بن ابی عیسیٰ مدینیؒ سے مرسلاً (بلاواسطۂ صحابی) روایت کیا ہے اور یہی حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً طبرانی

نے معجم اوسط: (۱۲۹/۹) میں اور ابو یعلیٰ نے مسند: (۳۰۴/۱۱) میں روایت کیا ہے۔ طبرانی کی روایت میں جریر بن مسلم اور طبرانی کے شیخ ہمام بن یحییٰ دونوں غیر معروف ہیں، علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا کہ میں ان کو نہیں جانتا، اور ابو یعلیٰ کی روایت میں موسیٰ بن عبیدہ الزبدی متروک راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ۲۸۰/۷-۲۸۱)

نیز اس کو ابن ابی حاتم نے علل: (۴۱۸/۲) میں حضرت ابو اُمامہ سے روایت کیا اور اس کو منکر اور اس کے راوی حماد بن عبدالرحمان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اور اس حدیث کو ابن حبان نے ثقات: (۱۶۶/۷) میں حضرت عمر سے روایت کیا ہے مگر یہ روایت منقطع ہے کیونکہ حضرت عمر سے مبارک ابن الحسین نے روایت کیا، حالانکہ انہوں نے حضرت عمر کو نہیں دیکھا۔ (قالہ ابن حبان)

غرض یہ کہ یہ حدیث متعدد طرق سے آئی ہے اور روایات کا تعدد اس کے ضعف کو ختم کر دیتا ہے اور اس لحاظ سے یہ حدیث حسن ہے۔ (کمالا یخفیٰ)

❁ جوانوں میں فسق اور عورتوں میں بے حیائی:

اس میں حضرت رسول اللہ ﷺ نے بعد میں پیش آنے والے کچھ احوال کا ایک خاص انداز میں ذکر فرمایا ہے:

(۱) پہلی بات یہ فرمائی کہ ''تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تمہارے جوان فسق و فجور اور بدکاری کرنے لگیں گے اور عورتیں سرکشی کرتے ہوئے ساری حدیں پار کر جائیں گی'' اس میں آپ نے قیامت کے قریب ہونے والی حالت کا ذکر کیا ہے کہ نو جوانوں میں فسق و فجور کا عام

رجحان اور بدکاری سے دلچسپی ہو جائے گی، چنانچہ آج جوانوں کی حالت ایسی ہی یا اس کے قریب ہوگئی ہے۔

شراب نوشی، زنا کاری، ناچ گانے اور میوزک وغیرہ سے دلچسپی ان میں عام ہے بلکہ اب کالج میں پڑھنے والوں اور اسکولوں کے نوخیز لڑکوں میں یہ چیزیں ایک فیشن اور فخر ومباہات کی علامت ہوگئی ہے۔ مغرب کے باغیانِ فطرت کو ایک طرف رکھئے، خود مسلمانوں اور ان میں سے بالخصوص عرب لوگوں میں یہ چیزیں جس تیزی اور دلچسپی کے ساتھ بڑھ رہی ہیں، یہ بڑی حیرت ناک بات بھی ہے اور افسوس ناک بھی۔ پھر ٹی وی اور انٹرنیٹ نے نوجوانوں اور عورتوں کو فسق و فجور کے ایسے چور دروازے بتا دئے ہیں بلکہ ان کے لئے کھول دئے ہیں جن کے ذریعہ کسی روک ٹوک کے بغیر اور کسی کے لحاظ ورعایت کی زحمت کے بغیر بڑی آسانی کے ساتھ فسق وفجور کی تمام منزلیں طے کی جاسکتی ہیں، پھر اس سلسلہ میں انٹرنیٹ کلبوں نے اور اضافہ کر دیا اور اس میں مزید سہولت پیدا کر دی اور فی گھنٹہ ۲۵؍ روپئے میں اس کو فراہم کر کے بے حیائی وفحاشی کی مزید اشاعت وتوسیع کا کام انجام دیدیا۔ غرض یہ کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے انٹرنیٹ اور ٹی وی کے ذریعہ غیر اخلاقی جرائم کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ سوچئے کہ کیا صحابہ کے دور میں ان باتوں کا تصور بھی کیا جاسکتا تھا؟ ہرگز نہیں، اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا یعنی تم اس کو کیوں کر برداشت کرو گے جبکہ نوجوانوں میں فسق وفجور عام ہو جائے گا؟

یہ تو جوانوں کی حالت ہے اور عورتوں میں سرکشی وبغاوت اس قدر بڑھ جائے گی کہ وہ حدود کو پھلانگ جائیں گی۔ آج یہ بھی ہو رہا ہے، مغرب کے نعرۂ آزادی پر لبیک کہنے والی یہ ناقصۃ العقل وناقص الدین خواتین، آزادی کے شوق میں ہر حد کو پار کر چکی ہیں۔ وہ کونسی بے

حیائی ہے جس میں عورتوں نے دلچسپی نہیں لی؟ عریانی کا وہ کونسا شعبہ ہے جو ان عورتوں کی شناخت بنا ہوا نہیں ہے؟ وہ کونسی غیر فطری روش ہے جس کو ان عورتوں نے اختیار نہیں کیا ہے؟ غرض یہ کہ مغربی کھوکلے نعروں نے ان کو ان کی کم عقلی کی وجہ سے متاثر کیا اور سرکشی پر ان کو آمادہ کر دیا۔

نہ امر بالمعروف نہ نہی عن المنکر:

اس حدیث میں ہے کہ جب اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب ایسا ایسا ہوگا تو تم کیا کرو گے، تمہارا کیا حال ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ایسا ہونے والا ہے؟ یعنی صحابہ کو اس پر حیرت و تعجب ہوا کہ یہ باتیں کیسے ہوں گی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہوگا بلکہ اس سے بھی شدید و سخت باتیں ہونے والی ہیں:

(۲) آپ نے فرمایا کہ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم نہ بھلائی کا حکم کرو گے اور نہ بُرائی سے روکو گے؟

یعنی پہلے کی حالت سے بدتر حالت ہوگی کہ نیک لوگ اگر چہ خود تو گناہوں سے بچیں گے مگر دوسروں کو نہیں روکیں گے، اور خود تو بھلائی کریں گے مگر دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیں گے، حالانکہ یہ فریضۂ خداوندی ہے، اور اس کے ترک پر وعید شدید ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ایسا بھی ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اس سے بھی سخت بات ہوگی۔

امر بالمنکر، نہی عن المعروف:

(۳) آپ نے فرمایا کہ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم معروف کو منکر اور منکر کو معروف خیال کرنے لگو گے۔ یہ تیسری حالت اور سخت حالت ہے جس میں حق و باطل، معروف و

....

منکر اور مغز و پوست کا فرق اٹھ جائے گا بلکہ اور الٹا یہ ہوگا کہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگیں گے۔ اس کی وضاحت کے لئے حدیث نمبر ۵۵ دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت کرے اور حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھنے کی توفیق دے، آج اس قسم کے حالات بھی امت میں شروع ہو چکے ہیں اور بعض طبقے اس شیطانی دعوت کو عام کر رہے ہیں کہ حق باطل ہو جائے اور باطل حق ہو جائے۔

حدیث ﴿۶۰﴾

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْئُ دُوَلًا، وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا، وَتُعُلِّمَ لِغَیْرِ الدِّیْنِ، وَاَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَاَدْنٰی صَدِیْقَهٗ وَاَقْصٰی اَبَاهُ، وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِیْلَةَ فَاسِقُهُمْ، وَكَانَ زَعِیْمَ الْقَوْمِ اَرْذَلُهُمْ، وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقِیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا، فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذَالِكَ رِیْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰیَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهٗ فَتَتَابَعَ﴾

(ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جب مال غنیمت کو دولت، امانت کو غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے، دنیا کمانے کے لئے علم حاصل کیا جائے، مرد اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے اور اپنی ماں کی نافرمانی، اپنے دوست کو قریب کرے اور باپ کو دور، اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں، قبیلے کا بدکار ان کا سردار بن

بیٹھے، اور رذیل آدمی قوم کا قائد (چوہدری) بن جائے، آدمی کی عزت محض اس کے ظلم سے بچنے کے لئے کی جائے، گانے والی عورتیں اور گانے بجانے کا سامان عام ہو جائے، شرابیں پی جانے لگیں، اور پچھلے لوگ پہلوں کو لعن وطعن سے یاد کریں، اس وقت سرخ آندھی زلزلہ، زمین میں دھنس جانے، شکلیں بگڑ جانے، آسمان سے پتھر برسنے اور طرح طرح کے لگاتار عذابوں کا انتظار کرو، جس طرح کسی بوسیدہ ہار کا دھاگہ ٹوٹ جانے سے موتیوں کا تانتا بندھ جاتا ہے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو ترمذی نے السنن میں برقم: (۲۱۳۷) روایت کیا ہے اور اس کے راویوں میں ایک راوی رمیح الجذامی مجہول ہے، جیسا کہ ذہبی نے میزان: (۸۲/۳) میں اور ابن حجر نے تہذیب (۲۴۹/۳) میں ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے۔ ہاں اس کے لئے حدیث نمبر: ۶۱ شاہد بن سکتی ہے جو حضرت علی سے مروی ہے اور اس شاہد کی وجہ اس حدیث کو حسن قرار دیا جاسکتا ہے

مالی حقوق کی پامالی:

اس حدیث کی شرح میں احقر کا ایک مستقل رسالہ ''قیامت کی نشانی'' کے نام سے طبع ہو چکا ہے، یہاں اسی سے اقتباس کر کے ضروری شرح لکھی جاتی ہے، اصحاب ذوق مکمل مطالعہ کے لئے اس رسالہ کی طرف رجوع کریں:

(۱) **اذا اتخذ الفیء دولا:** رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کہ (جب مال غنیمت کو شخصی

دولت بنالیا جائے) تو ان ہولناک عذابات کا (جن کا ذکر کیا گیا ہے) انتظار کرو "فیٔ" اصل میں اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کو کفار سے حاصل ہو جائے جیسے جزیہ، خراج، عُشر اور صلح کا مال، اسی طرح "فـیٔ" اس مال کو بھی کہا جاتا ہے جس کو کفار و مشرکین چھوڑ کر بھاگ جائیں۔(تفسیر القرطبی:۱۸/۱٤). مگر حدیث زیر بحث میں فی سے ہر وہ مال مراد ہے جو فقیروں اور حاجت مندوں کا حق ہے خواہ وہ کفار سے حاصل ہوا ہو یا مسلمانوں سے، پھر وہ کسی بھی طور پر حاصل ہوا ہو، اسی لئے بعض علماء نے فی کی یہ تعریف کی ہے:

هو ما یوضع فی بیت مال المسلمین۔ (التعریفات الفقہ مندرجہ قواعد الفقہ: ۴۱۷)

(مال "فی" وہ مال ہے جو مسلمانوں کے بیت المال میں رکھا جاتا ہے)

غرض یہ کہ بیت المال کے مال کو جو کہ ملت کا سرمایہ اور غرباء کا حق ہے، شخصی دولت کی طرح استعمال کرنا اور حقداروں کو حق نہ دینا مذکورہ عذابات کو دعوت دیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اغنیاء و مالداروں کا غریبوں کے مال پر قبضہ کر لینا اور ان تک ان کا یہ حق نہ پہنچانا ناجائز ہے اور عذابِ الٰہی کا سبب و باعث ہے۔

اور اس طرح حق تلفی کرنے والوں پر دنیا میں بھی بعض اوقات سزا کے طور پر عذاب بھیج دئے جاتے ہیں جیسا کہ زیر بحث حدیث میں اس پر سزائیں سنائی گئی ہیں اور آخرت میں تو ایسے لوگوں کو ضرور سزا ملے گی اور ان اخروی سزاؤں کی کچھ تفصیل بعض حدیثوں میں آئی ہے مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ کھڑے ہوئے اور آپ نے مال غنیمت میں خیانت کا ذکر کیا اور اس کو بڑا گناہ قرار دیا، فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر بکری ہو اور وہ پکار رہی ہو، یا اس کی گردن پر گھوڑا سوار ہو اور ہنہنا رہا ہو،

اور یہ شخص کہے کہ یارسول اللہ! میری فریادرسی کیجئے اور میں کہدوں کہ مجھے کچھ اختیار نہیں، میں نے اللہ کا پیغام پہنچادیا تھا، یا اس کی گردن پر اونٹ بلبلا رہا ہو، یا اس کی گردن پر سونا چاندی ہو، یا اس کی گردن پر کپڑے ہوں۔ (بخاری ،کتاب الجهاد، رقم: ٢٨٤٤)

مطلب یہ ہے کہ جو جو چیز خیانت کے ذریعہ کسی کی دبالی ہوگی وہ وہاں اس کی گردن پر سوار ہوگی اور یہ شخص اللہ کے رسول ﷺ سے مدد چاہے گا اور آپ ﷺ اس کی مدد کرنے سے انکار کردیں گے کہ مجھے اس کا اختیار نہیں۔

امانت میں خیانت :

(۲) والامانه مغنما : (اور جب امانت کو مال غنیمت بنالیا جائے) مال امانت کو مال غنیمت سمجھ لینے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے غنیمت کا مال حلال ہے، اسی طرح امانت کے مال کو بھی حلال سمجھ کر اس میں تصرف کیا جائے اور اس کا حاصل ہے امانت میں خیانت کرنا اور پھر مال غنیمت کی طرح اس کو حلال سمجھنا یہ بھی ان گناہوں اور شدید تر غلط کاریوں میں سے ہے جن کو علامات قیامت کے ظہور کا سبب بتایا گیا ہے جو ہولناک وخطرناک مصائب کی صورت میں ظاہر ہوں گی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں خیانت کس قدر بری اور گندی چیز ہے کہ اس کے عام ہوجانے پر ان سخت وہولناک عذابات کی وعید سنائی گئی ہے، چنانچہ خیانت کی برائی پر قرآن وحدیث میں واضح ارشادات موجود ہیں۔

زکوٰۃ کو تاوان سمجھنا:

(۳) والزکوة مغرما: (اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھ لیا جائے) تو (ان عذابوں کا انتظار کرو)۔ زکوٰۃ کو تاوان سمجھ لینے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کو تاوان کی طرح ظلم سمجھ لیا جائے، ظاہر

ہے کہ زکوۃ جس کو اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا ہے، اس کو ظلم سمجھنا بڑی گمراہی کی بات ہے اور اس کو تاوان سمجھنے سے ایک نتیجہ تو یہ نکلے گا کہ زکوۃ ادا نہ کریگا دوسری بات یہ ہوگی کہ اگر دے گا تو نہایت غلط طریقہ پر دیگا، کیوں کہ رضا ورغبت نہ ہوگی اور یہ سب خدا کو ناراض کرنے والی باتیں ہیں۔

علمِ دین برائے دنیا:

(۴) وتعلم لغير الدين: (اور علم دین، غیر دین کے لئے حاصل کیا جائے) یعنی علم دین کو دین کی خاطر حاصل نہ کیا جائے بلکہ دین سے ہٹ کر دوسرے اغراض ومقاصد کے تحت اس کو حاصل کیا جائے، خواہ وہ مال ودولت کے لئے ہو یا جاہ وحشمت کی خاطر ہو، حکومت وسلطنت اس کا مقصد ہو یا نام ونمود وشہرت پیشِ نظر ہو، اس سے معلوم ہوا کہ علم دین حاصل کرنے والے کا مقصد صرف دین ہونا چاہئے، دین سے ہٹ کر کسی اور مقصد کے تحت وہ علم دین حاصل کرتا ہے تو ان عذابات کا مستحق ہے جن کا ذکر درج بالا حدیث میں کیا گیا ہے۔

بیوی کے لئے ماں کو ناراض کرنا:

(۵) واطاع الرجل امرأته وعق امه: (اور مرد اپنی عورت کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرے) یہاں دو جملے ہیں، ایک اپنی عورت کی اطاعت کرنا، دوسرا ماں کی نافرمانی کرنا، یہ ظاہر ہے کہ مطلقاً اپنی بیوی کی بات ماننا اور اس کے مطابق چلنا ناجائز نہیں ہے بلکہ بیوی کی ان باتوں کو ماننا اور اس پر عمل کرنا حرام ہے جو گناہ اور معصیت ہوں، اسی طرح مطلقاً ماں کی بات کا ماننا ضروری نہیں ہے بلکہ ماں کی وہ بات مانی جائے گی جو شریعت کے خلاف نہ ہو، اس لئے یہاں جس چیز کی برائی ومذمت بیان کرنا مقصود ہے، وہ ان دونوں جملوں کو ملانے سے ظاہر ہوگی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کی ایسی اطاعت کرنا جس سے ماں کی نافرمانی لازم

آتی ہو، ناجائز ہے اور اس پر مذکورہ عذابات نازل ہوں گے۔ اس جملے کے مضمرات پر بحث کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اسلام میں کسی کی فرمابرداری ونافرمانی کے جائز ہونے یا ناجائز ہونے کا معیار کیا ہے؟ سو اس بارے میں تحقیق یہ ہے کسی کی وہ فرمابرداری و نافرمانی جائز ہے جس سے خدا کی معصیت لازم نہ آتی ہو اور ہر وہ فرمابرداری ونافرمانی ناجائز و حرام ہے جس سے خدا کی معصیت لازم آتی ہو، جیسے والدین اگر حکم دیں کہ نماز نہ پڑھو تو اس میں ان کی فرمابرداری ناجائز ہے کیوں کہ نماز نہ پڑھنے سے خدا کی معصیت لازم آتی ہے، اور اگر والدین کہیں کہ شراب پیو تو اس میں ان کی نافرمانی جائز ہے، کیوں کہ اس سے بھی خدا کی معصیت لازم آتی ہیں، چنانچہ حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ [لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق] کہ خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی (اس معنی کی بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ (دیکھو، فتح الباری: ۱۳/۱۲۳)

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ نہ تو مطلقاً بیوی کی اطاعت ناجائز ہے اور نہ مطلقاً ماں کی نافرمانی ناجائز ہے، بلکہ بیوی کی وہ اطاعت ناجائز ہوگی جس سے خدا کی نافرمانی لازم آتی ہو، اور اسی طرح ماں کی وہی نافرمانی ناجائز ہوگی جو خدا کی معصیت تک پہنچانے والی ہو، لہٰذا حدیث زیر بحث میں عورت کی اطاعت و ماں کی نافرمانی سے وہی اطاعت ونافرمانی مراد ہے جس سے خداوندقدوس کی نافرمانی ہوتی ہو، یہ وہ بات ہے جس پر قرب قیامت میں خدا کے عذابات نازل ہوں گے، معاشرے میں ایک طرف بعض لوگ ماں کی نافرمانی کر کے خدا کی معصیت کے مرتکب ہورہے ہیں تو دوسری طرف بعض والدین کے اطاعتِ شعار لوگ، بیوی کے حقوق کو تلف کر کے معصیت کے مرتکب ہورہے ہیں اور یہ دونوں باتیں دراصل بے اعتدالی کی ہیں، راہِ

اعتدال یہ ہے کہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ بندوں کے حقوق پورے کئے جائیں، خواہ وہ ماں کے ہوں یا بیوی کے، اس سے خدا راضی ہوگا، اگر چہ ممکن ہے کہ معاشرے کی خباثتوں کے خوگر اوراس کے خرافات میں جکڑے ہوئے لوگ اس کو بھی غلط ہی قرار دیں اوراس سے راضی نہ ہوں لیکن راضی تو خدا کو کرنا ہے نہ کہ مخلوق کو، اس لئے سلامتی کا اور اعتدال کا راستہ یہی ہے کہ اس کو خوش کرنے کی کوشش کرے۔

دوست کے لئے باپ کو دور کرنا :

(٦) **وادنی صدیقه واقصی اباه:** (اور جب آدمی دوست کو قریب، باپ کو دور کرے) معلوم ہونا چاہئے کہ دوست اور ساتھی سے محبت والفت، اس کے ساتھ احسان وسلوک کوئی ناجائز بات نہیں، البتہ دوست سے تعلقات اور محبت والفت باپ کے حقوق سے غفلت کا سبب بن جائیں، تو بلاشبہ یہ بری بات اور غلط بات ہے اسی کو یہاں بتانا مقصود ہے اور باپ کو دور کرنے کا مطلب یہی ہے کہ اس کے حقوق ادا نہ کئے جائیں۔

مغربی تہذیب میں آج یہی بات ایک فیشن بنی ہوئی ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں اپنے دوستوں اور ساتھنوں کے ساتھ اس طرح گھل مل جاتے ہیں کہ ماں باپ کے حقوق کی پاسداری کا اس کو کبھی بھولے سے بھی خیال تک نہیں آتا، بلکہ اس سے آگے یہ بھی ہے کہ باپ کا باپ کہتے ہوئے ان کو شرم آتی ہے، یہی ہے دوست کو قریب اور باپ کو دور کرنا۔

مساجد میں شور وشغب :

(٧) **وظهرت الاصوات فی المساجد :** (اور مساجد میں شور وشعب کیا جائے) یعنی دنیاوی باتیں، لڑائی جھگڑے وغیرہ سے مسجدوں کے احترام وتقدس میں فرق

پیدا کیا جائے، یہ بھی سخت ترین معصیت و گناہ ہے۔

مسجدیں اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں جو عبادت و بندگی، تسبیح وتہلیل، تعلیم وتبلیغ کے دینی کاموں کے لئے موضوع ہیں، وہاں شور وشغب کرنا، ان کے احترام وتقدس کے خلاف ہے اور شعائر اللہ کی بے حرمتی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بازار کی طرح مسجد میں شور کرنے سے پرہیز کرو۔ (مسلم، مشکوٰۃ: ۹۸)

بخاری میں ہے کہ دو شخصوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹا کیوں کہ وہ مسجد میں شور کر رہے تھے چنانچہ آپ نے فرمایا: اگر تم مدینہ کے ہوتے تو تم کو اتنا مارتا کہ درد ہو جاتا، تم اللہ کے رسول ﷺ کی مسجد میں اپنی آواز بلند کرتے ہو؟ (بخاری کتاب الصلوۃ: ۱/۶۷)

نا اہلوں کا تسلط:

(۸) **وساد القبیلة فاسقهم وکان زعیم القوم ارذلهم:** (اور جب قبیلہ کی سرادری، ان کا فاسق کرے اور قوم کا سربراہ، ان کا رذیل آدمی ہو جائے) پہلے جملے میں قبیلہ جو قوم کی نسبت سے چھوٹا اور محدود ہوتا ہے، اس کی سرداری وقیادت کے لئے فاسق کے آگے بڑھنے یا بڑھانے کی برائی ہے اور دوسرے جملے میں قوم پر حکومت وسیادت کے لئے ارذل انسان کو آگے کرنے یا اس کو آگے بڑھنے کی حرمت کا بیان ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی بھی چھوٹی یا بڑی سرداری وسیادت کے لئے نا اہل شخص کو آگے بڑھنا یا بڑھانا قیامت کی نشانی وعلامت ہے۔

بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت ضائع کی جانے لگے تو تم قیامت کے منتظر رہو، صحابہ نے پوچھا کہ امانت کا ضائع کرنا کیا ہے؟ فرمایا کہ جب نا

اہل کے ذمہ کوئی کام کیا جائے تو قیامت کے منتظر رہو۔

(بخاری الرقاق، باب رفع الامانۃ: ۶۰۱۵ و کتاب العلم: ۵۷)

اس میں بتایا گیا ہے کہ نااہل کو کوئی ذمہ داری دینا، امانت کو ضائع کرنے کے برابر ہے اور یہ قیامت کی نشانی ہے، آج یہ دیکھا جارہا ہے کہ ہر عہدے و منصب پر نااہل لوگ مسلط ہیں یا ان کو مسلط کیا گیا ہے، سیاسی عہدوں سے لے کر دینی و مذہبی عہدوں تک ہر جگہ نااہل لوگوں کا قبضہ و تسلط ہے، یا دوسرے لوگ ان کو مسلط کئے ہوئے ہیں، سیاسی عہدوں پر فائز نااہل لوگوں کے متعلق کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں کہ ان کی نااہلی سب پر روز روشن کی طرح واضح ہے۔

مساجد میں دیکھو تو نااہل امام و موذن ملیں گے جن کو قرآن تک صحیح پڑھنا نہیں آتا، نماز کے مسائل تک سے ناواقف، اذان کے احکام سے بے خبر و جاہل، علم و تقویٰ سے عاری و کورے مگر لوگ ہیں کہ ان کو اپنا امام بنائے ہوئے ہیں اور اپنی نمازیں غارت کر رہے ہیں۔

اسی طرح مساجد کے ذمہ داروں کو دیکھو جو اپنے آپ کو امام کا بھی امام سمجھتے اور امام کو اپنا غلام خیال کرتے ہیں، ان میں عموماً ایسے لوگ ہیں جو اپنی نااہلی کا جواب نہیں رکھتے، علم دین سے کورے، عمل سے عاری، باطن سے لے کر ظاہر تک ان کا فاسد و خراب، نماز تک سے دست بردار، خدا اور رسول کے باغی، خرافات و بدعات میں ملوث، فحش کاریوں و بے حیائیوں کے عادی، غرض یہ کہ اس طبقے میں عموماً نہایت ہی نااہل لوگ ہیں جو مساجد کے ذمہ دار کہلاتے ہیں حالانکہ علماء نے تولیت و ذمہ داریٔ مسجد کے لئے جو شرائط لکھی ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ وہ امانت و دیانت سے متصف ہو، فاسق و فاجر نہ ہو اور متولی بننے کا خواہشمند و طالب نہ ہو۔

(دیکھو شامی علی الدر: ۴/۳۸۰۔ و ۴/۴۲۲)

اور یہ لوگ سیاسی عہدے بازوں کی طرح متولی بننے یا رکن مسجد بننے کے لئے ووٹ کے غیر شرعی طریقہ پر اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔

بعض لوگ وعظ وتقریر کا مشغلہ اپناتے ہیں حالانکہ یہ عالم نہیں ہوتے بلکہ کچھ ادھر ادھر سے قصے کہانیاں، بے سند و بے اصل حدیثیں، قرآنی آیات کا خود ساختہ ترجمہ یاد کر کے اس کو پیش کرتے ہیں، یہ بھی اس حدیث کا مصداق ہیں۔ الغرض آج ہر جگہ نظر آتا ہے کہ نا اہل لوگوں کا تسلط ہے، یہ بڑی بری بات ہے اور بڑا سخت گناہ ہے، گناہ ہونے علاوہ اس کے نتائج بھی مضر و نقصان دہ نکلتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج سیاست سے لے کر مذہب تک ہر چیز میں فتور و قصور نظر آرہا ہے، اور کوئی کام اطمینان بخش طریقے پر انجام نہیں پا رہا ہے، اگر ہر جگہ قابل و لائق اور کام کی اہلیت رکھنے والے لوگ جمع ہو جائیں تو پھر یہ فتور و قصور بھی ختم ہو کر اس کی جگہ بھلائی و خوبی پیدا ہو جائے۔

اکرام بخوف شر:

(۹) **واکرم الرجل مخافة شره:** (اور آدمی کا اکرام، اس کے شر کے خوف سے کیا جائے) مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں شر پسندی وایذ ارسانی کا اس طرح مادہ و جذبہ پیدا ہو جائے کہ ان کے شر سے بچنے کے لئے، دوسرے لوگوں کو ان کا اکرام کرنا پڑے کہ اگر اکرام نہ کیا گیا تو ان کی شر پسندی و غنڈہ گردی اور ایذ ارسانی کا جذبہ ان کو مجبور کرے گا کہ انہیں تکلیف وایذا پہنچاؤ۔

حاصل یہ ہے کہ آدمی کا اکرام اس کے علم وتقوی و بزرگی، شرافت و سیادت، اور اخلاق وتہذیب کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی غنڈہ گردی اور شر کے خوف سے کیا جائے تو سمجھنا چاہئے کہ

وہ عذابات آنے والے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

آج اپنے معاشرے پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر دیکھو کہ کیا اس میں یہ بات نہیں پیدا ہو گئی ہے؟ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج عزت وعظمت ان لوگوں کو دی جاری ہے جو لوگوں پر ظلم ڈھا کر، لوٹ مار کر کے، کسی عہدے پر فائز ہو گئے ہیں، یا مال و دولت کے انبار جمع کر لیا اور ان سیاسی غنڈوں یا دوسرے شرپسندوں کی یہ عزت وعظمت بھی محض اس بناء پر ہے کہ اگر ان کا اکرام نہ کیا گیا تو خوف ہے کہ اپنی غنڈہ گردی اور شرپسندی سے کوئی تکلیف نہ پہنچادیں، ورنہ دلوں سے کوئی ان کا اکرام نہیں کرتا، مگر یہ ظاہری اکرام بھی درست نہیں ہے۔

حدیث کے اس ٹکڑے میں غور یہ کرنا ہے کہ کس چیز کی مذمت و برائی بیان کرنا مقصود ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شرپسندی وغنڈہ گردی ہی کی نہیں بلکہ غنڈوں وشرپسندوں کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرنے کی بھی بُرائی بیان کرنا مقصود ہے بلکہ یہاں اصل مقصود یہی ہے، کیوں کہ فرمایا گیا ہے کہ ''جب آدمی کا اکرام اس کے شر کے خوف سے کیا جائے''، معلوم ہوا کہ یہاں جس کی برائی بیان کرنا مقصود ہے وہ ایسے شخص کا اکرام ہے جو شر پھیلانے والا ہو، لہٰذا ایسے شخص کا اکرام کرنا گناہ اور موجب عذاب گناہ ہوگا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس سے اس شخص کے جذبۂ شرانگیزی کو تقویت حاصل ہوگی اور وہ اس میں اور پختہ ہو جائے گا اور اس کا شر تجاوز کرتے کرتے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ﴿انصر اخاك ظالماً او مظلوماً﴾ کہ اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، صحابہ نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول! یہ مظلوم ہے، ہم اس کی مدد تو کریں گے لیکن ظالم کی مدد کیوں کر کی جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم کے ہاتھوں کو (ظلم کرنے سے) پکڑ لو۔

(بخاری کتاب المظالم والقصاص:۲۲۶۴، ترمذی:۲۱۸۱، احمد:۱۱۵۱۱)

گانے بجانے کا دور دورہ:

(۱۰) وظهرت القيان والمعازف: (اور گانے والیاں اور گانے بجانے کے سامان زیادہ ہو جائیں) قیان قینہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گانے والی عورت اور معازف معزف ومعزفۃ کی جمع ہے، آلات لہو ولعب کو کہتے ہیں، اس معلوم ہوا کہ گانا، بجانا اور اس کے آلات وسامان کی زیادتی بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اور سخت گناہ کی بات ہے، آج یہ مصیبت سب سے زیادہ عام ہوگئی ہے، ہر گھر ودکان، ہر مجلس و بیٹھک گانوں بجانوں کی آواز سے مسموم رہتی ہیں۔ (اس کا ذکر متعدد حدیثوں میں اوپر آچکا ہے)

شراب کی کثرت:

(۱۱) وشربت الخمور: (و شرابیں پی جانے لگیں) خمور خمر کی جمع ہے اور خمر عربی میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو عقل پر پردہ ڈال دینے والی ہو، خواہ وہ چیز تر ہو یا خشک، کھائی جانے والی ہو یا پی جانے والی۔ (الذهبی فی الکبائر: ۸۲) اور اسی کو حدیث میں اس طرح فرمایا گیا: ﴿كل مسكر خمر وكل مسكر حرام﴾ کہ ہر نشہ لانے والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(مسلم: ۳۷۴۳، ترمذی: ۱۷۸۴، ابوداؤد: ۳۱۹۴)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ شراب وخمر، صرف اس کو نہیں کہتے جو زمانہ رسالت وزمانہ صحابہ و تابعین میں پائی جاتی تھی بلکہ ہر وہ چیز خمر وشراب ہے جس سے نشہ آتا ہو، خواہ وہ کھانے کی چیز ہو یا پینے کی، تر ہو یا خشک ہو، جیسا کہ علامہ ذہبی نے فرمایا ہے، پھر یہاں خمر کی جمع خمور استعمال کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مختلف قسم کی شرابیں اور نشہ آور چیزیں رائج ہوں گی چنانچہ

ہزاروں انواع واقسام کی شرابیں مروج ہیں، کوئی کسی کا عادی ہے کوئی کسی کا، سنا جاتا ہے کہ سانپ کے زہر میں بھی نشہ ہوتا ہے اور اس نشہ کے نشہ باز بھی پائے جاتے ہیں، اس حدیث نے بتایا کہ جب اس طرح مختلف قسم کی شرابیں پی جائیں، اور اس کا بازار گرم کیا جائے تو خدا کی طرف سے مذکورہ عذابات آئیں گے۔

اسلاف کرام کی توہین وتنقیص :

(۱۲) **ولعن آخر هذه الامة اولها :** (اور اس امت کا آخری حصہ اس کے پہلے حصہ پر لعنت کرے) یعنی بعد میں آنے والے لوگ، گذرے ہوئے نیک لوگوں مثلاً صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ دین وعلماء وفقہاءِ امت پر لعن طعن کرنے لگیں، یہ بھی سخت ترین گناہ ہے جس پر دنیا میں بھی بڑے بڑے عذابات آتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ کہ اسلاف کرام پر لعنت وطعنہ زنی دراصل اسلام پر طعنہ زنی ہے اور اسلام پر طعنہ زنی کس قدر بری اور خطرناک بات ہے، یہ سب کو معلوم ہے اسلاف اسلام میں سب سے زیادہ دین سے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے قرب رکھنے والے، دین کی اشاعت وتبلیغ میں سب سے زیادہ محنت ومجاہدہ کرنے والے اور دین کی خاطر سب سے زیادہ تکالیف ومصائب کو برداشت کرنے والے صحابہ کرام رضوان الله عليهم اجمعين ہیں، لہٰذا اسلاف کرام میں سے صحابہ کرام پر لعنت وطعن، ان پر سب وشتم اور ان پر تبرا بازی سب سے زیادہ بڑا گناہ اور بد دینی کی بات ہوگی، اس لئے اللہ کے برگزیدہ رسول ﷺ نے اپنے اصحاب کو برا کہنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے:

احمد وترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو،

میرے صحابہ کے بارے میں، میرے بعد ان کو ہدفِ ملامت نہ بناؤ، کیوں کہ جو ان سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے اور جو ان کو تکلیف پہنچاتا ہے وہ مجھے تکلیف پہنچاتا ہے اور جو مجھے تکلیف دیتا ہے وہ اللہ کو تکلیف دیتا ہے اور خدا کو تکلیف دینے والا قریب ہے کہ پکڑا جائے۔ (ترمذی: ۳۷۹۷، احمد: ۱۶۲۰۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو بُرا بھلا نہ کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تب بھی ان کے ایک مُد یا آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ (بخاری: ۳۳۹۷، مسلم: ۱۱۶۴، ترمذی: ۳۷۹۶)

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند کرلیا، اور میرے لئے میرے صحابہ کو چن لیا پھران میں میرے وزیر و مددگار اور سُسر بنائے، پس جو ان کو برا بھلا کہے، اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔ (رواه الحاكم: ٣/٧٣٢، الطبراني في الاوسط: ١/١٤٤ و الكبير: ١٧/ ١٤، ابن ابي عاصم في السنة: ٢/٤٨٣)

یہ چند حدیثیں نمونے کے طور پر یہاں نقل کردی گئی ہیں، اگر کسی کو اس سلسلے میں تفصیل درکار ہو تو وہ علامہ ابن حجر مکی کی کتاب ''الصواعق المحرقه'' کا مطالعہ کرے۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کو برا بھلا کہنا حرام اور سخت گناہ کی بات ہے۔ علامہ نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

''جان لو کہ صحابہ کو برا کہنا حرام اور افحش محرمات میں سے ہے، قاضی عیاض نے فرمایا کہ

صحابہ پر سب وشتم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (شرح مسلم:۲/۳۱۰)

ملا علی قاری شرح فقہِ اکبر میں رقم طراز ہیں کہ ''شرح العقائد میں ہے کہ صحابہ کو برا کہنا اور ان پر طعن کرنا اگر ان چیزوں میں سے ہو جو دلائل قطعیہ کے مخالف ہے تو یہ کفر ہے، جیسے حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانا اور اگر ایسے امور میں نہ ہو تو وہ بدعت وگناہ ہے۔

(شرح فقہ اکبر، ص:۸۶)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

''جو شخص حضرات صحابہ پر لعن طعن کرتا یا ان پر سب وشتم کرتا ہے، وہ دین سے خارج اور ملتِ اسلام سے الگ ہے کیوں کہ ان پر طعن کرنا صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کے حق میں برائیوں کا اعتقاد ہو اور دل میں ان سے بغض پوشیدہ ہو، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کی جو تعریف کی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی فضیلت وبڑائی بیان کی ہے، اس سے انکار ہو، پھر صحابہ کرام دین کے پہنچانے والے اور اس کا بہترین ذریعہ ووسیلہ ہیں، اس لئے ان پر طعن کرنا گویا اصل (دین) پر طعن کرنا ہے اور ناقل کی توہین منقول کی توہین ہے۔ (الکبائر، ص:۲۳۸)

علماء کے ان بیانات سے صاف معلوم ہوا کہ صحابہ پر زبانِ طعن دراز کرنا، ان پر سب وشتم کرنا، سخت گناہ اور بعض کے نزدیک کفر ہے۔

آج سبائی پروپگنڈے سے متاثر افراد جو حضراتِ صحابہ کی توہین وتنقیص کرتے اور ان کے خلاف اپنی ناپاک زبان چلاتے ہیں، وہ سب سے زیادہ جس چیز کو اچھالتے اور صحابہ کرام کے حق میں نقص وبرائی پر استدلال کرتے ہیں، وہ حضرات صحابہ کرام کے مابین ہونے والے بعض مشاجرات واختلافات ہیں اور اس سلسلے میں ان کے پاس جو کچھ ہے، وہ تاریخ کے بکھرے

ہوئے اوراق ہیں، جن میں صحیح وسقیم، قوی وضعیف اور حق و باطل کی آمیزش ہے کیونکہ سبائیوں اور سبائی ایجنٹوں نے تاریخ کو اپنے ناپاک عزائم وحرکات سے پاک وصاف رہنے نہ دیا۔ اسی لئے اہل سنت نے لکھا ہے کہ ان تاریخ کے اوراق سے صرف وہی بات لی جائے گی جو صحابہ کرام کی عدالت وثقاہت کو جس پر نصوص قطعیہ نے دلالت کی ہے، برقرار رکھنے والی ہے، اُس کے خلاف کوئی بات نہیں لی جائے گی کیونکہ اس میں سبائیوں نے خلط ملط کر دیا ہے اور جو صحیح روایات سے ثابت ہے اس میں وہ حضرات معذور ہی نہیں بلکہ ماجور بھی ہیں کیونکہ ان حضرات نے کسی غلط و برے ارادے ونیت سے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ نیک نیتی کے ساتھ اپنے موقف پر وہ قائم رہے تھے، یہ ان کا اجتہاد تھا جس میں ممکن ہے بعض سے خطاء ہوئی ہو مگر یہ خطاء بھی معاف ہے، اور اس پر ایک اجر بھی ثابت ہے میں نے یہاں اہل سنت کا جو موقف پیش کیا ہے یہ حضرات علماء اہل سنت کی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ ہم یہاں اختصار کے پیش نظر صرف تین حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں، امام طحاوی حنفیؒ نے اپنی کتاب ''العقیدۃ الطحاویۃ'' میں اہلِ سنت کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ہم (اہلِ سنت) اصحابِ رسول سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کی محبت میں حد سے آگے نہیں بڑھتے اور نہ ہم ان میں سے کسی کا تبرا کرتے ہیں اور ہم اُن لوگوں سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ سے بغض رکھتا اور ان کا برائی سے ذکر کرتا ہے،

اور ہم ان اصحاب کا صرف ذکرِ خیر ہی کرتے ہیں اور ان کی محبت دین وایمان واحسان ہے اور ان سے بغض، کفر ونفاق وسرکشی ہے۔ (العقیدۃ: ص: ۱۸)

علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب '' العقیدۃ الواسطیہ''میں فرماتے ہیں:

''اہل سنت کے اصول میں سے یہ ہے کہ وہ روافض جو صحابہ سے بغض رکھتے اور ان کو برا کہتے ہیں اور نواصب جو اہل بیت رسول ﷺ کو قول یا عمل سے ایذاء دیتے ہیں، ان کے طریقہ سے اپنے آپ کو بری کرتے ہیں اور صحابہ کے مابین جو اختلاف ہوا اس کے بارے میں (اپنی زبان کو) روکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ان روایات میں جن سے صحابہ کی برائیاں معلوم ہوتی ہیں، بعض میں محض کذب وجھوٹ ہے اور ان میں سے بعض میں کچھ کمی بیشی کردی گئی ہے اور ان کے اصل مفہوم سے ان کو بدل دیا گیا ہے اور ان میں سے جو صحیح ہیں، ان میں صحابہ معذور ہیں یا مجتھد برحق ہیں یا مجتھد خطاوار ہیں۔ (العقیدۃ الواسطیہ مندرجہ المجموعۃ العلمیۃ السعودیہ: ۱۸۰/۱۸۱)

اور امام القیر وانیؒ اہلِ سنت کے مسلک کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''صحابۂ رسول ﷺ میں سے کسی کا ذکر نہ کیا جائے مگر احسن طریقہ پر، اور ان کے آپسی اختلافات کے بارے میں اپنی زبانوں کو روکا جائے اور بلاشبہ یہ حضرات اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کے بارے میں حسنِ تاویل سے کام لیا جائے اور ان کے متعلق بہتر سے بہتر گمان رکھا جائے۔ (متن القیروانیۃ ملحق بالطحاویۃ: ۳۰)

مذکورہ گناہوں پر عذابات:

حدیث زیر بحث میں نبی کریم ﷺ نے مذکوہ گناہوں کو شمار فرما کر آخر میں ان پر مرتب ہونے والے عذابات میں سے بعض کو صاف طور پر بتادیا ہے اور بعض کو اجمالاً واشارۃً بیان فرمایا ہے، ان میں سے پانچ کو صراحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

﴿**سرخ آندھی**﴾ یہ تیز وتند ہوا ہے جس سے بلند قامت عمارتیں اور فلک بوس ومستحکم پہاڑ بھی ہل جاتے اور ہلاکت کے گھاٹ اُتر جاتے ہیں، اسی لئے نبی کریم ﷺ تیز ہوائیں

چلتیں تو گھبرا جاتے اور اس کے آثار آپ کے چہرۂ انور پر ظاہر ہوتے (بخاری: ۱/۱۴۱) کیوں کہ آپ کو گنہ گاروں کے گناہوں سے عذاب آنے کا اندیشہ ہوتا۔ (حاشیہ بخاری) اور یہ عذاب پچھلی امتوں میں سے قوم عاد پر نازل ہوا تھا۔

۲ **﴿زلزلہ﴾** کون نہیں جانتا کہ یہ زلزلہ کے جھٹکے کس قدر خطرناک ہوتے ہیں، گذشتہ دنوں ۱۹۸۸ کے اواخر میں رشیا میں جو خطرناک و خوفناک زلزلے یکے بعد دیگرے آئے اور بستیوں کی بستیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا تھا، اس کو ابھی تک لوگ بھولے نہیں ہیں۔

۳ **﴿خسف﴾** ''زمین میں دھنسانا'' قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ پچھلے لوگوں پر بھی یہ عذاب آیا تھا، قارون کے متعلق قرآن نے بتایا ہے کہ اس کو اللہ نے زمین میں دھنسا دیا تھا۔ (القصص: ۸۱) اور دیگر حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس امت میں بھی متعدد خسوف ظاہر ہوں گے، ان میں سے ایک حدیث میں تین کا ذکر ہے (جمع الفوائد: ۲/۳۹۲) ممکن ہے کہ اس حدیث میں جس کا ذکر ہے وہ انہی تین میں سے ایک ہو یا ان کے علاوہ، بہر حال یہ بڑی خوفناک چیز ہے جس سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔

۴ **﴿مسخ﴾** صورتوں کا مسخ ہو جانا، یہ عذاب پچھلی امتوں میں بہت ظاہر ہوا ہے، بنی اسرائیل کو بندر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا تھا اور بعض کو خنزیر کی شکل میں، اور اس طرح کے واقعات اس امت میں بھی ظاہر ہوئے ہیں۔

۵ **﴿قذف﴾** ''آسمان سے پتھر پڑنا'' ابرہہ بادشاہ اور اس کے لشکر پر آسمان سے کنکریاں برسنا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت لوط کی قوم پر پتھر کی بارش بھی قرآن میں مذکور ہے۔ (سورہ ہود: ۸۲) یہ سب عذابات جو پچھلی قوموں پر آئے تھے، اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ

والتسلیم فرماتے ہیں کہ اس امت پر بھی مذکوہ گناہوں کی وجہ سے آئیں گے، پھر اس پر بس نہیں بلکہ فرمایا کہ اس کے علاوہ اور عذابات بھی اس طرح لگاتار اور یکے بعد دیگرے آئیں گے جیسے موتیوں کی لڑی ٹوٹ جانے پر موتیاں لگاتار گرنے لگتی ہیں۔

حدیث ﴿۶۱﴾

﴿ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ ﷺ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا فَعَلَتْ اُمَّتِیْ خَمْسَ عَشَرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ،قِيْلَ: وَمَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! قَالَ :اِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا، وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا، وَاَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَبَرَّصَدِيْقَهٗ وَجَفَا اَبَاهُ ، وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِيْ الْمَسَاجِدِ ،وَكَانَ زَعِيْمَ الْقَوْمِ اَرْذَلُهُمْ ، وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ، وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ وَاتُّخِذَتِ الْقِيَانُ وَالْمَعَازِفُ، وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذَالِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ اَوْ خَسْفًا اَوْ مَسْخًا ﴾

(ترجمہ: حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میری امت پندرہ کام کرنے لگے گی ،اس وقت اس پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ پندرہ چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: جب غنیمت، دولت بن جائے ،امانت کو غنیمت کی طرح لوٹا جانے لگے، زکوٰۃ کو تاوان اور ٹیکس سمجھا جائے ،مرد اپنی بیوی کا کہا مانے اور ماں سے بدسلوکی کرے، دوست سے وفاداری اور باپ سے بے وفائی برتے، مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں، سب سے کمینہ آدمی قوم کا نمائندہ کہلائے ، آدمی کی عزت، اس کے شر سے بچنے کے

لئے کی جائے، شراب نوشی عام ہو جائے، ریشمی لباس پہنا جائے، گانے والی عورتیں اور گانے بجانے کا سامان رکھا جائے اور امت کا پچھلا حصہ پہلوں کو برا بھلا کہنے لگے، اس وقت سرخ آندھی، زمین میں دھنسنے یا شکلوں کے بگڑنے کا انتظار کرنا چاہئے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو ترمذی نے السنن میں برقم: (۲۱۳۶)، طبرانی نے معجم اوسط: (۱/۱۵۱) میں، خطیب نے تاریخ بغداد: (۳/۱۵۸) میں، اور ابو عمرو الدانی نے السنن الواردۃ (۳/۶۸۳) میں روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو روایت کرکے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اسکو یحییٰ بن سعید انصاری سے سوائے فرج بن فضالہ کے کوئی روایت نہیں کرتا اور فرج بن فضالہ کے بارے میں علماء حدیث نے کلام کیا ہے اور حافظہ کی رو سے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (سنن ترمذی)

فرج بن فضالہ مختلف فیہ راوی ہے، بعض نے ان کی توثیق کی ہے، بعض نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ ان سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا، احمد نے فرمایا کہ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں تو مناکیر لاتے ہیں، نسائی اور دارقطنی نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے اور ابن معین نے ان کو ثقہ اور صالح الحدیث فرمایا۔ (میزان: ۵/۴۱۵، المجروحین: ۲/۲۰۶) اور دارقطنی نے اس حدیث کو باطل فرمایا اور ابن الجوزی نے مقطوع کہا ہے اور فرمایا کہ محمد بن عمرو نے حضرت علی کو نہیں دیکھا (العلل المتناہیہ: ۲/ ۸۵۰)

غرض یہ کہ اس میں دو وجہ سے ضعف ہے، ایک محمد بن عمرو اور حضرت علی کے درمیان

انقطاع کی وجہ سے اور دوسرے فرج بن فضالہ کی وجہ سے مگر اس کی شاہد حدیث اوپر گذر چکی ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس لئے یہ دونوں احادیث ایک دوسرے سے ملکر حسن ہو جاتی ہیں۔

وضاحتیں:

اس حدیث کے اکثر جملے اوپر والی حدیث میں گذر چکے ہیں، اس حدیث میں جو فرق ہے اس کو واضح کیا جاتا ہے۔

(۱) ''جب مال غنیمت کو دولت بنالیا جائے'' یعنی غنیمت کا مال جو کہ امانت ہوتا ہے اور بغیر تقسیم کے کوئی اس کو لے نہیں سکتا، اس کو لوگ اپنی ذاتی دولت کی طرح بنالیں اور بلا حق شرعی استعمال کرنے لگیں۔

(۲) ''اور جب ریشم کا لباس پہنا جائے'' یہ جملہ اوپر والی حدیث میں نہیں ہے، البتہ اس کی تشریح متعدد احادیث میں گذر چکی ہے۔

حدیث ﴿۶۲﴾

﴿عَنِ الْحَسَنِ رَحِمَهُ اللّٰهُ مُرْسَلًا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِیْ مَسَاجِدِهِمْ فِیْ اَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ﴾

(ترجمہ: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جب کہ لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کیا کریں گے تم ان کے پاس نہ بیٹھنا، اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان: (۲/ ۸۷) اور امام احمد نے کتاب الورع: (۱/ ۵۹) میں روایت کیا ہے مگر یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ حسن بصری تابعیؒ نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے بلا واسطۂ صحابی روایت کیا ہے، نیز اس کی سند میں سفیان نے اپنے بعض اصحاب سے روایت کیا ہے اور وہ اصحاب مجہول ہیں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف: (۷/ ۱۹۷) میں حسن بصری کے قول کی حیثیت سے اس کو ذکر کیا ہے۔ البتہ یہ حدیث امام ابن حبان نے دوسرے طریق سے مسنداً و متصلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔ (صحیح ابن حبان: ۵/ ۱۶۳، موارد الظمان: ۱/ ۹۹) منذری نے الترغیب میں ابن حبان کے حوالہ سے اس کو روایت کیا اور اس پر سکوت فرمایا ہے۔ (ترغیب: ۱/ ۱۲۸)

مساجد کی بے حرمتی:

اس حدیث نے بتایا کہ آخری زمانہ میں لوگ مساجد میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کیا کریں گے، اللہ کے رسول علیہ السلام نے ان کے ساتھ بیٹھنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اللہ کو ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مساجد میں دنیوی بات چیت کرنا اچھی بات نہیں ہے حتی کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں (دنیوی اور ذاتی اغراض کے لئے) شعر شعری کرنا، بیع وتجارت کرنا، اپنی گم کردہ چیز کا اعلان کرنا بھی منع ہے۔ (دیکھو مشکوۃ شریف: ۱/ ۴۰)

امام احمد نے ابو مسلم خولانیؒ کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ وہ ایک بار مسجد میں داخل ہوئے تو چند لوگوں کو دیکھا کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں، آپ اس موقعہ پر یہ سمجھ کر کہ یہ کچھ نیک باتیں کرتے ہوں گے، ان میں جا کر بیٹھ گئے، دیکھا کہ وہ لوگ دنیوی بات چیت میں مشغول ہیں، آپ نے فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے دیکھا کہ بارش ہورہی ہے، وہ بچنے کے لئے دو بڑے پھاٹکوں کے ایک گھر میں داخل ہوا، مگر وہ گھر بے چھت کا تھا، اس طرح میں تم کو نیک کام میں مشغول سمجھ کر آیا، مگر تم اصحاب الدنیا نکلے، یہ کہہ کر ان کے پاس سے اٹھ گئے۔

(الورع: ۵۹/۱ - ۶۰)

ایک موضوع حدیث پر تنبیہ:

مساجد میں دنیوی بات کے بارے میں ایک حدیث اس طرح آئی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مسجد میں دنیوی بات چیت کی اس کے چالیس برس کے عمل حبط ہوجاتے ہیں مگر یہ حدیث موضوع ہے جیسا کہ علماء حدیث نے تصریح کی ہے۔

(المصنوع: ۱/ ۱۸۱، کشف الخفاء: ۲/ ۳۱۵)

غرض یہ کہ خاص یہ حدیث تو موضوع ہے، باقی مساجد میں دنیوی بات چیت کی بُرائی و حرمت دیگر احادیث سے اپنی جگہ ثابت ہے۔

حدیث ﴿۶۳﴾

﴿عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ

حَتّٰی اِذَا لَمْ یُبْقِ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُھَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا﴾

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں کے سینے سے نکال لے بلکہ علماء کو ایک ایک کر کے اٹھاتا رہے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے مسائل پوچھیں گے، وہ جانے بوجھے بغیر فتوی دیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو امام بخاری: (۹۸)، مسلم: (۴۸۲۸)، ترمذی: (۲۵۷۶)، ابن ماجہ: (۵۱)، احمد: (۶۲۲۲)، دارمی: (۲۴۱) نے روایت کیا ہے اور حدیث کا صحیح ہونا ظاہر ہے۔

جاہل مفتیوں کا دور:

اس حدیث پاک میں بتایا گیا ہے کہ علماء کو دنیا سے اٹھالیا جائے گا اور اس طرح دنیا سے علم اٹھ جائے گا اور لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا اور رہبر بنالیں گے اور ان سے مسائل پوچھیں گے اور یہ جاہل لوگ بغیر علم کے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

وجہ ظاہر ہے کہ جب شریعت کا علم ہی نہ ہوگا تو رہبری کیسے ہوگی؟ اس وقت تو گمراہی ہی ہوگی، یہ دور بھی آج آچکا ہے، ایک طرف علماء اٹھتے جارہے ہیں جن کو علم شریعت میں رسوخ

کاملہ اور مزاجِ شریعت سے بھرپور وابستگی اور منشاءِ شریعت کا درک حاصل تھا اور دوسری طرف جاہل لوگ عوام الناس کے قائد و رہبر اور مفتی و فاضل، عالم و مولوی بنے ہوئے ہیں یا بنائے جا رہے ہیں جنہیں یا تو سرے سے علم ہی نہیں ہے یا مکمل علم نہیں ہے، پھر یہ لوگ اپنی رائے وخیال سے دین کے مسائل کی تشریح و تفہیم حتی کہ قرآن و حدیث کی من مانی تشریح و تفہیم کرتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، اور بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اس قسم کے لوگ بہت ہیں جن کو ان کی مغربی تعلیم اور مغربی طرزِ تربیت نے تکبر و انانیت کا وافر حصہ عطا کر دیا ہے اور اس لئے وہ ہر شعبہ کے ہیرو بننے کی کوشش کرتے ہیں، حتی کہ دین کے معاملات میں بھی وہ جاہل ہونے کے باوجود چند اردو کی کتابیں ورسائل پڑھ کر، عالموں کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور بلا جھجک دین کے بارے میں رائے دیتے ہیں، امت کو اس طبقہ سے چوکنا رہنا چاہئے۔ اور میری نظر میں آج کے بہت سے فتنوں میں سے اس تجدد پسند طبقے کا فتنہ ایک بڑا فتنہ ہے اور اس کے خطرناک جراثیم، اسلام و ایمان کے لئے موت ہی کا پیغام لیکر آتے ہیں اور یہ فتنہ فی الواقع یہودی سازش کا ایک حصہ ہے جس کی خود ان لوگوں کو خبر نہیں۔ ہر معمولی سمجھ بوجھ کا حامل بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ ہر فن میں اس کے ماہرین کی رائے ہی معتبر مانی جاتی ہے اور جس نے اس فن کو معتبر و مستند لوگوں سے حاصل نہ کیا ہو اس کی رائے فن میں قابلِ اعتبار نہیں سمجھی جاتی اور یہ اصول خود ان تجدد پسندوں کے نزدیک بھی مسلم ہے اور دنیا کے تمام معاملات میں، وہ اس اصول کو برتتے ہیں اور خود اہلِ علم کے خلاف اس اصول کو یہ لوگ برتتے ہیں اور علماء کی دنیوی معاملات میں رائے کو اسی اصول سے رد کرتے ہیں، مگر جب دین کا معاملہ سامنے آتا ہے تو اپنی جہالت کو بھول کر اس اصول کے خلاف دین میں رائے زنی کرنے لگ

جاتے ہیں اور صرف اپنے دنیوی علوم کی بنیاد پر دین کے معاملات میں رائے زنی کو اپنا حق سمجھتے ہیں، جو اصولِ انصاف اور اصولِ دین کے سراسر خلاف ہے، بہر حال اس قسم کی ذہنیت رکھنے والوں سے بھی اُمت کو انتہائی چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، اس حدیث میں اسی کی جانب متوجہ کیا گیا ہے تاکہ ہم اس قسم کے فتنوں سے آگاہ بھی ہوں اور ان سے ہم بچ سکیں اس کے باوجود بھی ہم اس قسم کے فتنوں کا شکار ہوتے رہے تو یہ ہماری بے عقلی کی بات ہوگی۔

حدیث ﴿۴۸﴾

﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اُنَاسًا مِّنْ اُمَّتِیْ سَیَتَفَقَّهُوْنَ فِی الدِّیْنِ وَیَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ، یَقُوْلُوْنَ: نَأْتِی الْاُمَرَاءَ فَنُصِیْبُ مِنْ دُنْیَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِیْنِنَا، وَلَا یَكُوْنُ ذَالِكَ كَمَا لَا یُجْتَنٰی مِنَ الْقَتَادِ اِلَّا الشَّوْكُ كَذَالِكَ لَا یُجْتَنٰی مِنْ قُرْبِهِمْ اِلَّا (قال محمد بن الصباح كانّه یعنی) الْخَطَایَا﴾

(ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایک جماعت ہوگی، جو دین کا قانون خوب حاصل کرلے گی اور قرآن بھی پڑھے گی، پھر وہ کہیں گے: آؤ! ہم ان حاکموں کے پاس جا کر ان کی دنیا میں حصہ لگائیں اور اپنا دین ان سے الگ رکھیں، لیکن ایسا نہیں ہوسکتا جیسے کہ کانٹے دار درخت سے سوائے کانٹوں کے اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا، اسی طرح ان حُکام کے پاس جا کر بھی گناہوں کے سوا کچھ نہیں ملے گا)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث :

اس کو ابن ماجہ نے برقم : (۲۵۱) اپنی سنن کے مقدمہ میں روایت کیا ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کا راوی عبیداللہ بن ابی بردہ مجہول ہے، جیسا کہ ابو بکر الکتانی نے مصباح الزجاجہ: (۳۸/۱) میں فرمایا، مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ امام منذری نے اپنی کتاب الترغیب میں اس کے تمام راویوں کو ثقہ فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ منذری نے الترغیب: (۲۷/۱) اور (۳/ ۱۳۷) میں دو جگہ اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ اور ابن حجرؒ نے تقریب میں ان کو'' مقبول من الرابعة '' کہا ہے اور تہذیب التہذیب میں فرمایا کہ امام الضیاء نے المختارۃ میں ان سے تخریج کی ہے جس کا مقتضاء یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ ثقہ ہوں۔ (تقریب: ۳۷۴، تہذیب: ۴۹/۷)

میں کہتا ہوں کہ عبیداللہ بن ابی بردہ اصل میں عبیداللہ بن المغیرہ بن ابی بردہ ہیں اور ان کو دادا کی طرف منسوب کر کے عبیداللہ بن ابی بردہ کہہ دیا جاتا ہے، (کمافی التہذیب) تو شاید بعض کو اس طرف توجہ نہ ہوئی اور عبیداللہ بن ابی بردہ کا ذکر کتابوں میں نہ ہونے کی وجہ سے ان کو مجہول کہہ دیا ہوگا (واللہ اعلم) مگر جیسا کہ معلوم ہوا، یہ اصل میں عبداللہ بن المغیرہ ہیں اور ان کو ثقہ کہا گیا ہے، اس لئے یہ حدیث قابلِ اعتبار ہے۔

دنیادار علماء اور حکام :

اس حدیث میں دنیا دار علماء وقراء کا حال بتایا گیا ہے، جو دین میں تفقہ بھی حاصل کریں گے اور قرآن بھی پڑھیں گے، مگر دنیا کے لالچ میں امراء ورؤساء اور حاکموں کے پاس بھی

جائیں گے، تا کہ وہ کچھ مال و دولت، ہدایا و تحائف کی شکل میں دیدیں، اور وہ لوگ یہ بھی کہیں گے کہ ہم ان اُمراء کے پاس صرف دنیا لینے جاتے ہیں، مگر اپنے دین کی حفاظت کریں گے اور دین کو ان سے الگ رکھیں گے، یعنی دین پر آنچ آنے نہ دیں گے۔ غرض یہ کہ ان علماءِ دنیا کا مقصد یہ ہوگا کہ امراء کی خدمت کر کے دنیا کمالیں، مگر اپنے دین کو جانے نہ دیں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کی خام خیالی ہے اور ایسا ہرگز نہ ہو سکے گا، جیسے کانٹے دار جھاڑیوں سے کوئی دانہ، غلہ، پھل و پھول حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ ان سے صرف کانٹے ہی حاصل ہو سکتے ہیں، اسی طرح ان دنیا دار حکام و امراء سے قریب ہو کر صرف خطائیں اور گناہ اور برائیاں تو حاصل ہو سکتی ہیں، مگر ان کے پاس جا کر ایمان و دین، صحیح و سالم رہے، ایسا نہیں ہو سکتا، ان کی بے ایمانی کے کانٹے ایمان داروں کے ایمان کو زخمی اور ان کے علم کو مجروح کر کے رکھ دیتے ہیں۔

اس بلیغ تشبیہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے دنیا دار حکام و امراء اور سیاسی عہدے داروں کو کانٹے دار جھاڑیاں قرار دیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ ان لوگوں کا قرب و صحبت خطرہ ہی خطرہ ہے، جس میں کوئی خیر کا پہلو ہی نہیں، اس لئے یہ سمجھنا کہ ہم ان سے دنیوی مصالح حاصل کر کے، دینی مفاسد سے بچ جائیں گے، خام خیالی ہے اور

''ایں خیال است و محال ست و جنون'' کا مصداق ہے۔

اس سے ان علماء کو عبرت حاصل کرنا چاہئے، جو سیاست دانوں سے قرب پر فخر و ناز کرتے ہیں اور پھر بھی اپنے کو بڑا دیندار سمجھتے ہیں، بڑے بڑے اکابر علماء و صوفیاء اسی وجہ سے اس حکمران طبقے کی صحبت اور ان کے درباروں میں حاضری اور ان سے قربت کو انتہائی ناپسندیدہ بات سمجھتے

تھے، جیسا کہ تاریخ اس پر شاہد ہے۔

حدیث ﴿۶۵﴾

﴿عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ اَوَّلَ مَا يُكْفَأُ قَالَ زَيْدُبْنُ يَحْيَ الرَّاوِيُ: يَعْنِي الْاِسْلَامَ كَمَا يُكْفَأُ الْاِنَاءُ يَعْنِي الْخَمْرَ قِيْلَ: فَكَيْفَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَقَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ فِيْهَا مَا بَيَّنَ ؟ قَالَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا فَيَسْتَحِلُّوْنَهَا﴾

(ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ دین کی سب سے پہلی چیز جو برتن کی طرح الٹی جائے گی وہ شراب ہے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کو صاف صاف بیان فرمادیا ہے؟ فرمایا: کوئی اور نام رکھ کر اسے حلال کرلیں گے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو دارمی نے سنن میں برقم: (۲۱۰۰) روایت کیا ہے، اور اسحاق بن راھویہ نے اپنے مسند: (۲/۳۷۷) اور طبرانی نے مسند الشامیین: (۱/۴۲۶)، ابو یعلی نے مسند: (۸/۱۷۷) میں آخری جملوں کے بغیر روایت کیا ہے۔ امام دارمی کی سند کو حافظ نے کمزور قرار دیا ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/۵۲) غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی محمد بن راشد کو بعض حضرات

نے ضعیف قرار دیا ہے جیسے نسائی وغیرہ نے، مگر امام احمد بن حنبلؒ نے اُن کو ثقہ قرار دیا ہے۔(سیر اعلام النبلاء: ۳۴۳/۷، الجرح والتعدیل: ۲۵۳/۷) اور ابو یعلی کی سند صحیح ہے، اس کی سند میں فرات بن سلیمان ہیں، جس کو امام احمد نے ثقہ کہا اور ابن عدی نے کہا کہ ان کی کسی نے صراحۃً تضعیف نہیں کی، امید ہے کہ ان میں کوئی خرابی نہیں اور باقی راوی سب صحیح کے راوی ہیں۔(مجمع الزوائد: ۵۶/۵)

اور اس حدیث کی شاہد حضرت معاذ بن جبل ؓ کی ایک طویل حدیث ہے جس میں انہوں نے ان کو یمن بھیجے جانے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم: میری امت اپنے دین کو الٹ دے گی جیسے کہ نالی میں برتن الٹ دیا جاتا ہے۔(ابن حبان: ۳/ ۱۵۴، موارد الظمآن: ۶۲۰/۱، مسند الشامیین: ۱۰۲/۲، معجم کبیر: ۱۲۰/۲۰)

علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا کہ طبرانی کی سند کے بارے میں فرمایا کہ وہ جید ہے۔(مجمع الزوائد: ۲۳۴/۸) الحاصل یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی اور صحیح ہے۔

دین کی باتوں کو الٹ دیا جائیگا:

اس حدیث کی تشریح میں علماء کے دو قول ہیں: بعض نے فرمایا کہ غالباً اللہ کے نبی علیہ السلام کی مجلس میں شراب کا کوئی ذکر چل رہا تھا، اس پر اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ سب سے پہلے اسلام کی چیزوں میں سے جو چیز برتن کی طرح الٹی جائے گی، وہ شراب یعنی شراب کا حکم شرعی ہے، کہ لوگ اس کو حرام ہونے کے باوجود اس کے اس حکم کو اُلٹ کر حلال کرلیں گے اور حلال کی طرح پئیں گے۔ اور جب صحابہ نے پوچھا کہ ایسا کیسے ہوگا جبکہ شراب کے بارے میں واضح حکم اللہ نے بیان کردیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ نام بدل کر اسکو حلال کرلیں گے، یعنی شربت،

نبیذ، جوس وغیرہ نام دیکر حلال کرلیں گے۔

اس تشریح کی بنیاد اس پر ہے کہ حدیث میں [اِنّ] کی خبر " الخمر " محذوف مانی جائے اور راوی نے جو "الاسلام" کہا ہے، اس سے پہلے [مِنْ] محذوف مانا جائے اور مطلب یہ ہوگا کہ اسلام کی باتوں میں سے سب سے پہلی چیز جس کو الٹا جائے گا وہ شراب ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔

دوسری تشریح وہ ہے جس کو ملا علی قاریؒ نے اختیار فرمایا ہے، وہ یہ کہ راوی نے جو "اسلام" کہا ہے، اسی کو [اِنّ] کی خبر مانیں اور اس صورت پر حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ سب سے پہلے جو چیز الٹی جائے گی، وہ اسلام ہے، اس کو اس طرح الٹا جائے گا جیسے شراب کا برتن الٹ دیا جاتا ہے تا کہ وہ خالی ہو جائے، اس پر صحابہ نے جب پوچھا کہ ایسا کیونکر ہوگا جبکہ اللہ نے ان کے بارے میں (یعنی مثلاً شراب کے بارے میں) اور دیگر اسلامی احکام کے بارے میں واضح ارشادات فرمائے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ نام بدل کر ان کو حلال کرلیں گے، مگر اس تشریح پر آخری جملے منطبق نہیں ہوتے۔ (کما لا یخفی علی اہل العلم)

ہاں بعض دیگر احادیث سے اس تشریح کی تائید ہوتی ہے مثلاً طبرانی، ابن حبان وغیرہ نے حضرت معاذ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میری امت دین کو اس طرح الٹ دیگی جیسے برتن کو نالی میں الٹ دیا جاتا ہے۔ (ابن حبان : ۲۱۵/۲، طبرانی کبیر : ۱۲۰/۲۰، وغیرہ) اور طبرانی نے مسند الشامیین میں حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے، اس میں ہے کہ [اول مایکفأ الدین کما یکفأ الاناء الخمر] (۴۲۶/۱) اور اسحق بن راھویہ نے اس میں دین کی جگہ اسلام کے لفظ لائے ہیں۔ (مسند اسحق : ۳۴۴/۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے جو چیز الٹی جائے گی وہ دین اسلام ہے جس کو شراب کے برتن کی طرح الٹا کر دیا جائے گا کہ لوگ اسلام کو الٹ دیں گے اور اس کے احکام میں تبدیلیاں کریں گے، نام بدل کر لوگوں کو دھوکہ دیں گے اور اس طرح حرام کو حلال کر لیں گے۔

آج جدت پسند اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو بظاہر دیندار و دین پسند بن کر اسلام کی خدمت اور اسلام کا دفاع کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر اس طبقہ کے نزدیک دین و شریعت کا مفہوم ہی کچھ اور ہے، اس کے نزدیک اسلام وہ نہیں جو علماءِ اسلام اور اسلامی مدارس پیش کرتے ہیں بلکہ اس کے نزدیک جو چیز اسلام کہلاتی ہے، اس میں پردہ کی کوئی ضرورت نہیں، سود کے حرام ہونے کی تعلیم نہیں، ڈاڑھی اور نبوی سنن و آداب سب کے سب حضور علیہ السلام کے ذاتی افعال ہیں، دین سے ان کو تعلق نہیں بلکہ آدمی کو اپنے زمانہ اور کلچر اور ملک اور حالات کے مطابق ان باتوں میں اختیار ہے کہ جیسے چاہے رہے۔ بس نام اس کا مسلمان ہو تو کافی ہے، حلال و حرام، حق و باطل، اچھا اور بُرا، ان کے نزدیک کوئی قابلِ التفات چیز ہی نہیں۔ اب ذرا غور کرو کہ کیا یہ اسلام کو الٹ دینا نہیں ہے؟ اور اسلام کے معنے و مفہوم کو بگاڑ دینا نہیں ہے؟

۞۞۞۞۞۞۞

حدیث ﴿۶۶﴾

﴿عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا

اَهْلَكَتْهُمْ﴾

(ترجمہ: حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! مجھے تمہارے متعلق فقر و فاقہ کا خطرہ نہیں بلکہ ڈر اس بات کا ہے کہ دنیا تم پر اس طرح پھیلا دی جائے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر پھیلائی گئی، پھر تم ایک دوسرے پر اس میں حرص کرنے لگو جس طرح پہلی امتوں نے حرص کی، پھر وہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر ڈالے جس طرح اس نے پہلوں کو ہلاک کر دیا)

تشریح

☆تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو بخاری: (۲۹۲۴)، مسلم: (۵۶۲۱)، ترمذی: (۲۳۷۶)، ابن ماجہ: (۳۹۸۷)، اور احمد: (۶۵۹۹) نے روایت کیا ہے، اور حدیث صحیح ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

شانِ ورود حدیث:

یہ حدیث آپ علیہ السلام نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے حکم سے بحرین جا کر وہاں سے جزیہ کا مال لیکر واپس آئے اور حضراتِ انصار کو معلوم ہوا تو انہوں نے فجر کی نماز حضور ﷺ کے ساتھ پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ صحابہ آپ کے سامنے آئے، آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ شاید تم کو ابو عبیدہ کے آنے کی خبر ملی ہوگی، اور یہ کہ وہ مال لے کر آئے ہیں، اس لئے تم یہاں صبح صبح آگئے ہو، صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں!

اس پر آپ نے یہ فرمایا کہ" خدا کی قسم مجھے تمہارے اوپر فقر و فاقہ کا خطرہ نہیں، بلکہ اس بات کا خطرہ اور ڈر ہے کہ تم پر دنیا اس طرح کشادہ کر دی جائے جیسے تم سے پہلی امتوں پر کشادہ کر دی گئی تھی، پھر تم ایک دوسرے پر اس میں حرص کرنے لگو جس طرح ان لوگوں نے حرص کی تھی اور وہ تم کو بھی ہلاک کر دے جس طرح اس نے ان کو ہلاک کر دیا تھا۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

عبرتیں

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں، جن پر ہم کو غور بھی کرنا چاہئے اور ان سے عبرت بھی لینا چاہئے:

فقر و فاقہ کوئی گھبرانے کی چیز نہیں:

(ا) یہ کہ مسلمانوں پر فقر و فاقہ کوئی ایسی چیز نہیں جس سے گھبرایا اور ڈرا جائے کیونکہ اس سے عموماً اور زیادہ سے زیادہ صرف دنیوی نقصان ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں مال و دولت کا فتنہ ایسا فتنہ ہے جس سے عموماً دینی و اخروی نقصان ہوتا ہے، آج جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کا رونا روتا ہے، وہ عام طور پر اپنے تجزیہ میں یہی کہتا ہے کہ مسلمانوں کو مال دولت جمع کرنا اور فقر و فاقہ سے نکلنا چاہئے تا کہ عالمی برادری میں ان کا مقام بنے اور وہ ذلت سے نکل سکیں۔

گویا ساری بیماری کا ان کے پاس یہی علاج ہے کہ مسلمان مال جمع کر لیں اور اسی لئے یہ لوگ علماء کو مشورہ دیتے ہیں کہ سود کو حلال کر دو، تو ساری ذلت و پستی اور پریشانی کا علاج ہو جائے، استغفر اللہ!

اس حدیث نے ان لوگوں کے نظریئے کا غلط ہونا واضح کر دیا کہ فقر و فاقہ کوئی ایسی چیز نہیں

جو مسلمانوں کی پرواز میں کوتاہی کا سبب و ذریعہ بنے اور اس سے گھبرایا جائے۔ بلکہ اس حدیث نے اس کو بھی واضح کر دیا کہ جس چیز سے مسلمان کو گھبرانا اور ڈرنا ہے وہ دراصل مال و دولت اور دنیا ہے۔

❁مال فتنہ ہے:

(۲) دوسرے یہ کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ [پھر تم اس کی حرص میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگو جیسے پچھلے لوگوں نے کیا تھا] اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی مال و دولت میں ریس وترقی اللہ کے نبی ﷺ کو پسند نہیں تھی، ضرورت کے برابر کما کر کھالیا اور پی لیا اور استعمال کرلیا جائے تو درست ہے مگر اس کی فکر میں لگ جانا اور اس میں ایک دوسرے پر ریس کرنا پسندیدہ نہیں بلکہ خطرات وخدشات کا محل ہے۔

❁حرص و لالچ تباہی کا راستہ:

(۳) تیسرے یہ فرمایا کہ [تم بھی پچھلے لوگوں کی طرح اس میں ریس کرو تو وہ تم کو ہلاک کردے گی جیسے پچھلے لوگوں کو اس نے ہلاکت میں ڈال دیا تھا] معلوم ہوا کہ دنیا کے پیچھے پڑنا ہلاکت سے خالی نہیں، یا کم از کم اس کے خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ حرص ولالچ انسان کو حرام وحلال کی تمیز سے محروم کردیتا ہے اور حق وناحق اور اچھے و برے کی پہچان سے محروم کردیتا ہے، آخرکار دین وایمان کے کھو بیٹھنے کا ذریعہ بن جاتا ہے، جس کا ہلاکت ہونا ظاہر ہے۔

❁مال و دولت اور اسلامی نظریہ:

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مال و دولت کے بارے میں اسلام کا نظریہ واضح کردیں، اسلام یہ نہیں کہتا کہ مال و دولت بذاتِ خود کوئی بُری چیز ہے اور اس نے ہر صورت میں

اور ہر حال میں دور رہنا چاہئے بلکہ اسلام میں اس کی مذمت دراصل تین لحاظ سے ہے، ایک اس کو غلط طریقہ سے حاصل کرنے اور حلال وحرام کی تمیز نہ کرنے کے لحاظ سے ہے اور دوسرے اس کے غلط استعمال اور نامناسب وناجائز کاموں میں استعمال کی بناپر ہے اور تیسرے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادانہ کرنے کے اعتبار سے ہے اور چونکہ عموماً اس کے حصول کی راہ میں بھی اور اس کے استعمال کی راہ میں بھی لوگ غلط وناجائز طریقوں اور صورتوں کو رُوبکار لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی غفلت برتتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ مال ودولت، اللہ تعالی سے دوری کا سبب بنجاتی ہے، اس لئے شریعت نے اسکی مذمت وبُرائی بیان کی ہے اور اگر یہ مال ودولت اللہ سے قرب کا اور دین سے وابستگی کا اور آخرت کی ترقی کا ذریعہ وسبب بنتی ہوتو اسلام ایسے مال کو اچھا وعمدہ قرار دیتا ہے، اور اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) ایک اس کی تحصیل میں اللہ کے قانون کے مطابق حلال وحرام کا لحاظ رکھا جائے (۲) دوسرے اس کے استعمال میں اللہ کی شریعت کا پاس ولحاظ کیا جائے اور اس کو اس کے جائز وصحیح مصرف میں خرچ کیا جائے۔

(۲) اس میں اللہ تعالےٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے جوحقوق رکھے ہیں ان کو ادا کیا جائے۔

چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص ﷜ کو حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ﴿نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ﴾ (نیک آدمی کے لئے اچھا مال اچھی چیز ہے) (رواہ الامام احمد: ۱۷۰۹۶، و۱۷۱۳۴)

اس میں مال صالح سے مراد حلال مال ہے جس کو حلال وجائز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو اور رجلِ صالح سے مراد نیک آدمی ہے جو شریعت کے مطابق چلتا ہو، حاصل یہ ہے کہ نیک آدمی

جو اللہ کے قانونِ شرع کے مطابق زندگی گزارتا اور حلال وحرام کی تمیز کرتا اور مال کو اس کے صحیح مصرف میں اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتا ہو، اس کے لئے حلال مال اچھی چیز ہے، کیونکہ اس سے وہ آدمی اللہ کی خوشنودی حاصل کرتا اور اپنی آخرت بناتا ہے۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابو سعید خدری ﷺ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

﴿ ان هذا المال حلوة ، من اخذه بحقه و وضعه فى حقه فنعم المعونة هو، و من اخذه بغير حقه كان كالذى يأكل و لا يشبع ﴾

(بخاری:۵۹۴۷ واللفظ لہ، مسلم:۱۷۴۳، نسائی:۲۵۳۴، ابن ماجہ:۳۹۸۵)

(بلاشبہ یہ مال لذیذ ہے، جو شخص اس کو اس کے حق کے ساتھ حاصل کریگا اور اس کے حق میں خرچ کریگا، اس کے لئے یہ بہترین مددگار ہوگا اور جو اس کو اس کے حق کے بغیر لے گا اس کی مثال ایسی ہے جیسے وہ آدمی جو کھاتا تو ہے مگر سیراب نہیں ہوتا)

اس حدیث میں مال کو حق کے ساتھ لینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو جائز طریقے سے حاصل کرے اور حق میں خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو جائز مصرف میں خرچ کرے، پس جو ایسا کریگا اس کے حق میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ مال اس کے لئے بہترین مددگار ہے، مددگار کیسے؟ اس طرح کہ اس مال سے وہ اللہ کی رضا اور آخرت کی نعمتیں حاصل کر سکتا ہے، اور اس میں جو "بغیر حق کے مال لینے" کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حلال وحرام کا لحاظ کئے بغیر مال حاصل کیا جائے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، وہ مال و دولت کی محبت میں گرفتار اور اس کے نشہ میں مست و سرشار ہو کر اللہ و رسول

کے احکام اور آخرت کی نعمتیں سب بھول جاتے ہیں اور صرف دنیا کمانے اور اس کو کھانے میں لگ جاتے ہیں اور کبھی ان کا پیٹ بھرتا ہی نہیں، اس طرح یہ محروم رہ جاتے ہیں۔

الحاصل اسلام میں مال کی برائی یا تو اس کے حصول میں ناجائز طریقوں کو اپنانے کی وجہ سے ہے یا اس کے غلط مصارف میں استعمال کی بنا پر ہے یا اللہ اور بندوں کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اس لئے جو شخص ان تینوں باتوں کی رعایت کرتے ہوئے مال حاصل کرے اور اس کو خرچ کرے، تو مال اس کی حق میں ایک بہترین چیز ہے۔ اور جو ایسا نہ کرے اس کے حق میں ایک بدترین چیز ہے۔

حدیث ﴿۹۷﴾

﴿عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ، قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی، قَالَ فَمَنْ؟﴾ (متفق علیه وعند الترمذی) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّهٗ عَلَانِیَةً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّصْنَعُ ذٰلِكَ﴾

(ترجمہ: حضرت ابو سعید ﷛ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم بھی ٹھیک پہلی امتوں کے نقش قدم پر چل کر رہو گے حتی کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے تو تم بھی اس میں گھس کر رہو گے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! پہلی امتوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ فرمایا: اور کون؟ ایک روایت میں ہے کہ اگر ان میں کسی نے اپنی ماں سے علانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری

امت میں بھی اس قماش کے لوگ ہوں گے)(معاذ الله)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث :

اس کو بخاری : (۳۱۹۷)، مسلم : (۴۸۲۲)، احمد : (۱۱۳۷۲) نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور امام ترمذی نے : (۲۵٦۵) اور حاکم نے مستدرک : (۲۱۸/۱) میں، حضرت عبد اللہ بن عمرو ﷛ سے دوسرے الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے جو مصنف نے اوپر نقل کیے ہیں، البتہ حاکم نے [من اتی امۃ] کی جگہ [من نکح امۃ] کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

ترمذی کی روایت میں ایک راوی عبد الرحمٰن بن زیاد الافریقی ہے جس کو جمہور علماء نے ضعیف قرار دیا ہے، البتہ یحییٰ بن سعید الانصاری نے ثقہ فرمایا ہے۔ (تہذیب : ٦/۱۷۳۔ ۱۷۵) اسی لئے غالبًا امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

یہود ونصاری کی نقالی :

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی ہے کہ یہ امت پچھلی امتوں کے نقش قدم پر چلے گی اور ٹھیک اسی روش پر قائم ہوگی حتی کہ اگر وہ لوگ گوہ جانور کے سوراخ میں داخل ہوں گے تو یہ امت بھی اس میں داخل ہوگی۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ میری امت ان کے قدم بقدم چلے گی حتی کہ ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے منہ کالا کیا تھا تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے۔

اور جب صحابہ نے پوچھا کہ ان پچھلے لوگ سے کیا یہود ونصاریٰ مراد ہیں جن کی یہ امت

اقتداء کرے گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اور کون؟ یعنی یہود ونصاری ہی مراد ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ امت یہود ونصاری کے نقش قدم پر چلے گی اور ہلاک ہوگی عقائد میں، اعمال میں، معاشرت واخلاق میں، تہذیب وتمدن میں، ہر چیز میں لوگ ان کے نقش قدم پر چلیں گے، آج اس کا نقشہ پوری طرح مشاہد ہے، چنانچہ اگر اُن لوگوں نے انبیاء واولیاء اللہ کو خدائی کے مقام ومرتبہ پر پہنچا کر ان کی مزارات کی پوجا وعبادت کی تھی تو اس امت میں بھی اس قسم کے لوگ ہیں، جو مزارات اولیاء کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں اور ان اولیاء اللہ کو حاجت رواو مشکل کشا سمجھ کر ان کی منتیں مانتے اور ان سے حاجتیں مانگتے ہیں، اسی طرح اعمال میں بہت سے اعمال ان کی اتباع میں اختیار کر لئے گئے ہیں، یہی حال اور چیزوں کا ہے۔

اور آپ نے جو فرمایا کہ اگر وہ لوگ گوہ کے سوارخ میں داخل ہوں گے تو تم بھی داخل ہوگے، اس میں گوہ جانور کے سوراخ کی تخصیص اس لئے فرمائی گئی ہے کہ اس کا سوراخ نہایت تنگ ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اس انداز کا ہوتا ہے کہ ایک طرف سے گھسنے کا اور دوسری طرف سے نکلنے کا راستہ جس سے گوہ دوسرون کو دھوکہ میں مبتلا کرتی ہے کہ داخل ہوتی ہے ایک طرف سے اور دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ اندر ہے مگر وہ نکل جاتی ہے دوسری طرف سے، اسکا حاصل اور اس سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ یہود ونصاریٰ کوئی کام تنگی و پریشانی کے ساتھ بھی کریں گیا ور اس میں کوئی خوبی اور فائدہ بھی نہ ہو تب بھی تم اس میں ان کا اتباع کروگے۔

(قالہ فی فتح الباری: ۶/۴۹۸)

جب تنگی میں ان کا اتباع کریں گے تو پھر کشادگی میں تو بدرجۂ اولی کروگے اور جس میں بظاہر کوئی فائدہ وخوبی نظر آئے تو اور زیادہ شوق ورغبت سے ان کا اتباع کریں گے۔

آج یہ بات واضح طور پر دیکھنے میں آرہی ہے کہ امت کا ایک بہت بڑا طبقہ ان عیار و مکار اور خدا دشمن لوگوں کا طریقہ اختیار کرنے کو فخر سمجھتا ہے، اور ان کے ہر فیشن وطریقہ کو بلا تذبذب قابل عمل ولائق اتباع سمجھتا ہے حالانکہ یہ فرقے خدا کی لعنت میں گرفتار ہیں، صرف دنیا کا ٹھاٹ باٹ کوئی قابل التفات چیز نہیں ہے، مگر افسوس کہ امت کا ایک بڑا طبقہ ان کی ہر چیز میں نقالی کو فخر وعزت کی چیز سمجھتا ہے۔

حتی کہ فحاشی وعریانی، بے حیائی وبے حجابی جوان قوموں کا امتیازی نشان ہے، امت مسلمہ کے ایک بہت بڑے طبقہ میں بطور فخر ان کا چلن ہو رہا ہے۔ خصوصاً مالدار طبقے میں اور ان میں بھی بالخصوص عورتوں میں اور ان میں بھی بالاخص تعلیم یافتہ طبقے میں یہ ساری باتیں اس طرح داخل زندگی ہوگئی ہیں کہ ان کو ان کی زندگی کا لازمہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ پھر جیسا کہ کہا گیا ان کی اتباع میں ان لوگوں کو اس کی بھی ہوش نہیں ہے کہ اس نقالی میں کوئی راحت وفائدہ بھی ہے یا نہیں؟ بلکہ عموماً اس میں تنگی وپریشانی ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں اتباع شریعت وسنت میں راحت اور سہولت ہے مگر اس مغربیت زدہ طبقے کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

اسی بات کی اللہ کے رسول ﷺ نے پیش گوئی فرمائی ہے جو حرف بحرف پوری ہو چکی ہے یا پوری ہو رہی ہے۔

حدیث ﴿۴۸﴾

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷺ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا تَذْهَبُ الدُّنْیَا حَتّٰی یَأْتِیَ عَلَی النَّاسِ یَوْمٌ لَایَدْرِیْ الْقَاتِلُ فِیْمَ قَتَلَ وَلَا

الْـمَـقْـتُـوْلُ فِيْمَ قُتِلَ، فَقِيْلَ :كَيْفَ يَكُوْنُ ذَالِكَ؟ قَالَ اَلْهَرْجُ، اَلْقَاتِلُ وَ الْمَقْتُوْلُ فِيْ النَّارِ﴾

(تـرجـمـه: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگوں پر ایسا دور نہ آجائے جس میں نہ قاتل کو یہ بحث ہوگی کہ اس نے کیوں قتل کیا، نہ مقتول کو یہ خبر ہوگی کہ وہ کس جرم میں قتل کیا گیا، عرض کیا گیا: ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا: فساد عام ہوگا، قاتل ومقتول دونوں جہنم میں جائیں گے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو مسلم نے برقم: (۵۱۷۸) اور دیلمی نے مسند الفردوس: (۳۷۰/۴) الدانی نے السنن الواردۃ: (۲۲۳/۱) میں روایت کیا ہے اور صاحب مشکوٰۃ شریف نے بھی اس کو (۴٦۲) پر ذکر کیا ہے، اور حدیث صحیح ہے۔

اندھا دھند قتل:

اس میں قیامت سے پہلے ہونے والے احوال کا ذکر ہے کہ قتل وقتال اس قدر بڑھ جائے گا کہ نہ قاتل کو معلوم ہوگا کہ اس نے قتل کیوں کیا اور نہ مقتول کو علم ہوگا کہ اس کو کیوں قتل کیا گیا، جب آپ سے پوچھا گیا کہ یہ کس طرح ہوگا؟ تو فرمایا کہ ہرج یعنی عام فساد وفتنہ کی وجہ سے ایسا ہوگا پھر آپ نے فرمایا کہ یہ قاتل ومقتول دونوں دوزخ میں ہیں، اس حدیث میں دو باتیں قابل

بحث ہیں۔

قتل کی وجہ معلوم نہ ہوگی:

(۱) ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہ قاتل کو معلوم ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا۔ اور نہ مقتول کو پتہ چلے گا کہ اس کو کس وجہ سے قتل کیا گیا، یہ اس وجہ سے کہ قتل وقتال اور فتنہ وفساد کا دور دورہ ہوگا اور ہر کس وناکس اس فتنہ کا شکار ہوگا، لوگ درندوں اور جانوروں کی طرح درندگی وحیوانیت پر اُتر آئیں گے، اور لوگوں کو کچھ پتہ نہ ہوگا کہ وہ کیا کر رہے ہیں، اس طرح نہ قاتل کو پتہ ہوگا کہ وہ کسی کو قتل کر رہا ہے تو کیوں کر رہا ہے، اور نہ مقتول جانے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی سزا سے دوچار ہو رہا ہے۔

قاتل ومقتول جہنم میں:

(۲) جو فرمایا گیا کہ (قاتل ومقتول دونوں جہنمی ہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر آدمی دوسرے کے قتل کے درپے ہوگا، قاتل نے موقعہ پایا اور قتل کر دیا، ورنہ اگر اس مقتول کو موقعہ ملتا تو وہ بھی قتل کرتا، اس لئے دونوں گنہ گار ہوئے اور ان کو جہنمی کہنا اس وجہ سے ہے کہ یا تو یہ قتل کو حلال سمجھیں جس سے وہ مومن ہی نہ رہیں گے یا مطلب یہ ہے کہ قتل کی اصل سزاء دوزخ ہے، اگر اللہ چاہے تو ان کو معاف بھی کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ مومن ہوں۔ (شرح نووی للمسلم: ۲/ ۳۹۰)

حدیث ﴿۴۹﴾

﴿عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِیٍّ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَالَ: اَتَيْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ فَشَكَوْ

نَا اِلَيْهِ مَا نَلْقٰى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ: اِصْبِرُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ اِلَّا الَّذِيْ بَعْدَهٗ اَشَرُّ مِنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ، سَمِعْتُهٗ مِنْ نَبِيِّكُمْ ﷺ ﴾

(ترجمہ: حضرت زبیر بن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان مصائب کی شکایت کی جو حجاج کی طرف سے پیش آرہے تھے، انہوں نے سن کر فرمایا: صبر کرو، تم پر جو دور بھی آئے گا اس کے بعد کا دور اس سے بھی بدتر ہوگا، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو، میں نے تمہارے نبی ﷺ سے یہی سنا ہے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو بخاری: (۶۵۴۱)، احمد: (۱۱۸۹۷)، ترمذی: (۲۱۳۲) نے روایت کیا ہے

(والحديث صحيح كما هو يظهر من صنيع البخاری)

بدتر سے بدتر دور:

اس حدیث میں مختصر قصہ آیا ہے کہ حضرت زبیر بن عدیؒ، رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور اُنہوں نے حجاج بن یوسف کی جانب سے پیش آنے والے مظالم کی شکایت کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صبر کرو، کیونکہ جو دور بھی تم پر آئے گا، اس کے بعد کا دور اس سے بھی بدتر ہوگا، علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد اکثری وعمومی بات ہے کہ عموماً واکثر ایسا ہی ہے کہ بعد کا دور پہلے کے اعتبار سے بدتر ہوتا ہے، کبھی کبھی اس کے خلاف ہو تو کوئی اشکال نہیں جیسے حضرت عمر بن عبد

العزیزؒ کا زمانہ اگرچہ حجاج کے زمانہ کے بعد کا ہے، مگر حجاج کے زمانہ کے لحاظ سے بہتر تھا۔

غرض یہ کہ عام طور پر بعد کا دور شر و خباثت میں پہلے کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہوتا ہے چنانچہ روز بروز حالات میں ابتری اور برائی بڑھتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے، ظلم و فساد بڑھ رہا ہے، قتل و خون کا بازار گرم سے گرم تر ہو رہا ہے، عریانی و فحاشی میں تیزی کے ساتھ بڑھوتری ہو رہی ہے، ناچ رنگ اور گانے بجانے کے آلات، ٹی وی ویڈیو، وغیرہ میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے اور سستے سے سستے داموں میں ان کو فراہم کیا جا رہا ہے، نیز حسد، بغض، عداوت، کینہ کپٹ کی بیماریاں عام سے عام تر ہو رہی ہیں، اور بڑوں سے گذر کر بڑوں میں سرایت کر رہی ہیں، جاہلوں سے بڑھ کر عالموں میں پھیلی ہوئی ہیں، اور دنیا داروں سے تجاوز کر کے دیندار طبقوں و حلقوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔ اس طرح یہ حدیث صاف طور پر اپنی صداقت و سچائی کو آشکارا کر رہی ہے۔ اللہ اس امت پر رحم فرمائے کہ وہ بڑے سخت دور سے گذر رہی ہے، مگر حدیث کی رو سے آگے اس سے بدتر زمانہ آنے والا ہے اللہ تعالیٰ آئندہ آنے والی نسلوں پر رحم فرمائے کہ وہ ہم سے زیادہ پریشان ہوں گے۔

حدیث ﴿۷۰﴾

﴿عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالاً هِيَ اَدَقُّ فِيْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ، كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِيْ الْمُهْلِكَاتِ﴾

(ترجمہ: حضرت انس اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ بعض اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظر میں تو بال سے بھی باریک (یعنی معمولی) ہوتے ہیں مگر

ہم انہیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تباہ کن شمار کرتے تھے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث :

اس حدیث کو حضرت انس ﷛ کے قول سے امام بخاری: (۶۵۴۱)، امام احمد: (۱۱۸۹۷) اور امام ترمذی: (۲۱۳۲) نے روایت کیا ہے اور حضرت ابوسعید خدری کے قول کی حیثیت سے اسکو امام احمد نے مسند: (۱۰۵۷۲)، اور عبداللہ بن امام احمد نے السنۃ: (۲۵۳/۱)، اور ابن ابی عاصم نے الزھد: (۱۹۵/۱) اور ابن المبارک نے الزھد میں برقم: (۱۸۱) روایت کیا ہے۔ اور یہی بات حضرت عبادہ بن قرط ﷛ سے احمد نے مسند: (۱۵۲۹۸) میں، ابوداؤد طیالسی نے اپنے مسند: (۱۹۳/۱)، ابو یعلی نے اپنے معجم: (۱۸۰/۱)، بیہقی نے شعب الایمان: (۱۴۹/۵)، اور صاحب مسند الحارث نے: (۹۷۰/۲) میں روایت کیا ہے۔ حدیث کا صحیح ہونا بخاری کی روایت سے واضح ہے۔

تباہ کن گناہ اور اہل تجدد کی روش :

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، یہ بات حضرت انس، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبادہ بن قرط ﷡ تین حضرات نے فرمائی ہے کہ تم لوگ بعض اعمال یعنی برائیاں ایسی کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے زیادہ باریک و معمولی شمار ہوتی ہیں۔ مگر ہم ان برائیوں کو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موبقات میں سے شمار کرتے تھے اور موبقات کی تفسیر امام بخاری نے مہلکات سے کی

ہے، یعنی تباہ کن وہلاکت خیز چیزیں۔

مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت عبادہ کی یہ بات حضرت محمد بن سیرینؒ کے سامنے ذکر کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ ہاں، انہوں نے سچ کہا اور میں پاجامہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو انہی موبقات میں شمار کرتا ہوں۔ (احمد: ۳؍۴۷۰)

یہ حدیث اور حضرت محمد بن سیرینؒ کا یہ جملہ آج کل کے تجدد پسند دینداروں کے خلاف ایک تازیانہ ہے، جو علماء کو بھی یہ طعنہ دیتے ہیں کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، جیسے ٹخنوں کے نیچے پاجامہ لٹکانے، ڈاڑھی کٹانے یا منڈانے وغیرہ کو اور ان کا کہنا ہے کہ ان کی اسلام میں کوئی خاص اہمیت نہیں، اس طرح ان لوگوں نے دین کے ایک بڑے حصہ کو دین سے نکال دیا ہے اور جو بات ان کو پسند نہیں، اس کو غیر اہم قرار دیکر دین سے خارج کر دیتے ہیں اور علماء کو بدنام کرتے ہیں کہ یہ معمولی باتوں کو کیوں اہمیت دیتے ہیں؟ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ یہ معمولی باتیں بھی صحابہ اور حضور ﷺ کے زمانہ میں بڑی اہمیت کی حامل تھیں اور ایسی معمولی باتوں کو بھی وہ حضرات مہلک سمجھتے تھے۔ محمد بن سیرین جیسے محدث وفقیہ، ٹخنے کے نیچے پاجامہ لٹکانے کو انہی مہلکات میں شمار فرمارہے ہیں اور یہ تجدد پسند دیندار اس کو اور ڈاڑھی کو معمولی چیز سمجھتے ہیں حتی کہ ایک ایسے ہی صاحب نے یہاں تک کہا ہے کہ حضور علیہ السلام دنیا میں لوگوں کی ڈاڑھیاں اور پاجامے ناپنے کے لئے نہیں آئے تھے، ان صاحب کا یہ طرزِ بیان جارحانہ ہونے کے ساتھ ساتھ دین اور اہل دین سے استہزاء پر بھی مشتمل ہے، یہ طبقہ من پسند چیزوں کو اسلام کہتا ہے اور جو پسند نہ آئے اس کو غیر ضروری قرار دیتا ہے۔ اس طبقہ نے موجودہ دور میں دین کا ایک ایسا تصور پیش کیا ہے، جس نے لوگوں میں سوائے چند چیزوں کے ہر دینی واسلامی

چیز کے انکار کا جذبہ وشوق پیدا کردیا ہے، اور وہ چند چیزوں کو، مغربی تہذیب وتمدن کے رنگ میں رنگ کر اسلام کے نام سے پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، اور علماء وصلحاء واسلاف کرام کے طرز عمل اور طور وطریق کو تحقیر آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اور علماء واسلاف کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دین کے مزاج سے ناواقف ونا آشنا ہیں حالانکہ خود ہی دین سے نا آشنا ہیں، یہ مذکورہ بالا حدیث ان کی تردید کے لئے کافی وشافی ہے۔

حدیث ﴿۷۱﴾

﴿عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا، فَمِنَّا مَنْ يَضْرِبُ خِبَاءَهٗ وَ مِنَّا مَنْ يَنْتَضِلُ[وَمِنَّا مِنْ هُوَ فِیْ جَشَرِهٖ]، اِذْنَادٰی مُنَادِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ، فَانْتَهَيْتُ اِلَيْهِ وَهُوَ يَخْطُبُ النَّاسَ وَيَقُوْلُ: اَيُّهَاالنَّاسُ اِنَّهٗ لَمْ يَكُنْ نَبِیٌّ قَبْلِیْ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ يَدُلَّ اُمَّتَهٗ عَلٰی مَايَعْلَمُهٗ خَيْرًا لَهُمْ وَيُنْذِرَهُمْ مَايَعْلَمُهٗ شَرًّالَهُمْ، اَلَا وَاِنَّ عَافِيَةَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ فِیْ اَوَّلِهَا،وَسَيُصِيْبُ اٰخِرَهَا بَلَاءٌ وَفِتَنٌ يَرْفَقُ بَعْضُهَا بَعْضًا، تَجِیْئُ الْفِتْنَةُ، فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ: هٰذِهٖ تُهْلِكُنِیْ، ثُمَّ تَنْكَشِفُ ثُمَّ تَجِیْئُ، فَيَقُوْلُ :هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ،ثُمَّ تَجِیْئُ، فَيَقُوْلُ: هٰذِهٖ وَهٰذَهٖ ،ثُمَّ تَنْكَشِفُ، فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتُدْرِكْهُ مَنِيَّتُهٗ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِا للّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وِيَأْتِیْ اِلَی

النَّاسِ مَايُحِبُّ اَنْ يُؤْتىٰ اِلَيْهِ وَمَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاه صَفْقَةَ يَدِهٖ وَثَمَرَةَ قَلْبِهٖ فَلْيُطِعْهُ مَا اسْتَطَاعَ﴾

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، ہم نے ایک منزل پر پڑاؤ کیا، ہم میں سے بعض خیمے لگا رہے تھے، بعض تیرا ندازی کی مشق کر رہے تھے، (اور بعض اپنے مویشی میں لگے تھے) اچانک آنحضرت ﷺ کے مؤذن نے اعلان کیا کہ نماز تیار ہے، میں آنحضرت ا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ خطبہ میں ارشاد فرما رہے تھے:

لوگو! مجھ سے پہلے جو نبی بھی گذرا ہے اس کا فرض تھا کہ اپنی امت کو وہ چیزیں بتلائے جسے وہ ان کے لئے بہتر سمجھتا ہے اور ان چیزوں سے ڈرائے جن کو ان کے لئے برا سمجھتا ہے، سنو! اس امت کی عافیت پہلے حصہ میں ہے اور امت کے پچھلے حصہ کو ایسے مصائب اور فتنوں سے دو چار ہونا پڑے گا جو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوں گے۔ ایک فتنہ آئے گا پس مؤمن یہ سمجھے گا کہ یہ مجھے ہلاک کر دے گا، پھر وہ جاتا رہے گا اور دوسرا، تیسرا فتنہ آتا رہے گا اور مومن کو ہر فتنہ سے یہی خطرہ ہوگا کہ وہ اسے تباہ و برباد کر دے گا، پس جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اسے دوزخ سے نجات ملے اور وہ جنت میں داخل ہو، اس کی موت اس حالت میں آنی چاہئے کہ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں سے وہی معاملہ برتے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جس شخص نے کسی امام کی بیعت کر لی اور اسے عہد و پیمان دے دیا پھر اسے جہاں تک ممکن ہو، اس کی فرمانبرداری کرنا چاہئے)

(نوٹ: اس حدیث میں جو جملہ بین القوسین لکھا ہے، یہ ہم نے کتب حدیث سے

اضافہ کیا ہے کیونکہ یہ جملہ یہاں مذکور نہیں تھا جبکہ حدیث میں ثابت ہے۔ش)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو مسلم: (۳۴۳۱)، نسائی: (۴۱۲۰)، ابن ماجہ: (۳۹۴۷)، احمد: (۶۵۰۳) بیہقی: (۱۶۹/۸)، ابن حبان: (۲۹۵/۱۳)، ابوعوانہ: (۴۱۳/۴) نے روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے۔

ایک سے بڑھکر ایک فتنہ :

اس حدیث میں ایک سفر کا واقعہ اور حضور ﷺ کا خطبہ نقل کیا گیا ہے اور اس کا مطلب ترجمہ سے واضح ہے، مصنف نے اس جگہ اس حدیث کو فتنوں کی پیش گوئی کی وجہ سے ذکر کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے خطبہ میں کی گئی ہے۔

چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اس امت کی عافیت پہلے حصہ میں ہے اور امت کے پچھلے حصہ کو ایسے مصائب اور فتنوں سے دوچار ہونا پڑے گا جو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوں گے۔

یہاں لفظ آئے ہیں [بلاء وفتن یرقق بعضها بعضاً] بعض نے اس کو یرفق بھی پڑھا ہے، یرقق (باب تفعیل سے دو قاف کے ساتھ) پڑھا جائے تو اس کے متعدد معانی ہو سکتے ہیں، علامہ نووی نے شرح مسلم (۱۲۶/۲) میں اور ریاض الصالحین (ص: ۲۴۱) میں ان کی تفصیل کی ہے۔

ایک معنی یہ ہیں کہ بعض فتنے بعض کو خفیف و ہلکا بنا دیں گے، یعنی بعد میں آنے والے فتنے سخت و شدید ہوں گے کہ وہ اپنے سے پہلے والے فتنوں کو ہلکا کر دیں گے اور ایسا لگے گا کہ اس

سے پہلے والے فتنے کوئی فتنے نہیں تھے۔اس کا اندازہ آج ہو رہا ہے کہ روز بروز فتنوں کی بارش ہو رہی ہے اور اس میں اضافہ وشدت بڑھتی جارہی ہے۔

ہم شکل فتنے :

دوسرے معنی یہ ہیں کہ بعض فتنے بعض کے مشابہ ہوں گے یعنی لگ بھگ یکساں قسم کے فتنے ہوں گے، چنانچہ یہ بات صحیح ومشاہد ہے کہ جو فتنے بھی آرہے ہیں وہ وہی ہیں جو پہلے دوروں اور زمانوں میں بھی پیش آئے ہیں، شکلیں الگ ہیں، طریقے الگ ہیں، انداز الگ ہیں مگر حقیقت میں وہی فتنے ہیں۔ کفار کی طرف سے آج اہل اسلام پر جو کچھ ہو رہا ہے کیا یہ سب پچھلے دور میں انبیاء اور ان کے متبعین اور حضرات صحابہ واولیاء وعلماء پر پیش نہیں آیا ہے؟

پُر فریب ودلفریب فتنے :

بعض نے فرمایا کہ [یرقق] کے معنی ہیں بعض فتنے بعض اور فتنوں کو حسین وخوبصورت بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔اس طرح مال کا دولت کا، عورت کا، عہدے ومنصب کا فتنہ پہلے سے زیادہ خوبصورت شکل وانداز میں آئے گا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے گا،

یہ بات آج دیکھی جارہی ہے کہ روز بروز فتنوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور فتنے زیادہ دلچسپ وخوشنما انداز میں لوگوں کو متاثر ومرعوب کرتے جارہے ہیں، حتی کہ آج لوگوں کو یہ بات سمجھ میں بھی نہیں آرہی ہے کہ یہ باتیں فتنے کی ہیں، بلکہ بعض لوگ تو حضراتِ علماء کے ان باتوں پر متنبہ کرنے پر یہ پوچھتے یا سوچتے ہیں کہ آخر اس میں کیا خرابی ہے جس کی وجہ سے یہ علماء اس کی مذمت یا برائی بیان کرتے ہیں؟ گویا ان بے چاروں کو ان باتوں کا فتنہ ہو بھی معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ فتنے نہایت خوبصورت اور عمدہ شکل میں سامنے آتے ہیں۔مثال کے طور پر عورت کی

بے پردگی کا فتنے کو لیجئے کہ وہ آج تہذیب وتمدن کے نام سے اور آزادیٔ نسواں کے عنوان سے اور ترقی نسواں کا نعرہ لگاتے ہوئے سامنے آیا ہے اور ان عنوانوں اور نعروں سے مرعوب ومتأثر ہونے والے برابر اس سے مرعوب ہو رہے ہیں اور علماء اور دینداروں کو دقیانوس وقدامت پرست بلکہ اپنے مغربی آقاؤں کی تقلید میں بنیاد پرست بھی کہہ دیتے ہیں۔

آگے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک فتنہ آئے گا تو مومن کہے گا یہ فتنہ مجھے ہلاک کر دے گا مگر جب دوسرا فتنہ آئے گا تو وہ کہے گا کہ یہ ہے یہ ہے، یعنی یہ فتنہ بہت بڑا ہے جو ہلاک کر دے گا، پھر وہ بھی چلا جائے گا اور تیسرا فتنہ آئے گا تو وہ کہے گا کہ یہ ہے یہ ہے جو ہلاک کر دے گا، مطلب یہ کہ ہر فتنہ کے بعد دوسرا فتنہ اس سے بڑھ کر ہوگا۔

دوزخ سے بچنے کا نسخہ :

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: [تم میں سے جو چاہتا ہے کہ دوزخ سے بچے اور جنت میں داخل ہو، اس کو اس حال میں موت آنا چاہئے کہ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ برتے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے]

اس میں آخرت میں نجات کیلئے دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں:

(۱) ایک ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ، اور فتنوں کے ذکر کے بعد اس کے ذکر سے مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ دراصل فتنوں کے دور میں ہم کو ایمان کی پختگی ومضبوطی اور اس کے لئے تیاری کا حکم دینا چاہتے ہیں کہ کہیں فتنے میں مبتلا ہو کر ایمان کھو بیٹھیں اور دنیا کے ساتھ آخرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں، معلوم ہوا کہ فتنوں کے دور میں ہماری توجہ کا مرکز ایمان واعمال ہونا چاہئے اور اس کی فکر دامن گیر رہنا چاہئے کہ ان فتنوں میں ہمارا ایمان صحیح سلامت رہے اور

یقین کی دولت ضائع نہ ہو جائے۔

(۲) دوسرے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا اہتمام، اس میں اس طرف رہنمائی ہے کہ فتنوں کے دور میں اس کا بھی لحاظ ہونا چاہئے کہ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق وحسن معاشرت قائم کی جائے اور اسکے لئے یہ اصول ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کی جائے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کی جائے، اس سے اتحاد واتفاق قائم ہوگا آپسی محبت والفت قائم ہوگی اور نزاعات وجھگڑے ختم ہوں گے، جس کے نتیجہ میں فتنوں کا مقابلہ آسان ہو جائے گا اور جب فتنے ختم ہوں گے تو دین پر چلنا آسان ہوگا اس طرح دوزخ سے نجات کا سامان تیار ہوگا۔ (اس جملے کی تشریح کیلئے حدیث نمبر ۲۹ کی شرح دیکھئے۔)

اطاعتِ امیر کا حکم:

آخر میں ارشاد نبوی ہے کہ جس شخص نے کسی امام (امیر المومنین) کی بیعت کرلی اور اسے عہد وپیان دیدیا تو جہاں تک ہو سکے، اس کی فرمانبرداری کرنا چاہئے، اور اگر کوئی دوسرا اس امیر کی مخالفت اور اس سے جھگڑتے ہوئے آئے تو اس کی گردن اڑادینا چاہئے۔

اس میں مسلمانوں کو دو باتوں کی تعلیم دی گئی ہے جو موجودہ دور کے لحاظ سے بھی بڑی اہم ہیں۔ ایک یہ کہ جس خلیفہ وامیر کے ہاتھ پر بیعت کرلی، اس کے ساتھ عہد وپیان ہو گیا، تو اس کے اس عہد وپیان کو نباہنا چاہئے، اور حتی المقدور اطاعت وفرمانبرداری کرنا چاہئے۔ افسوس کہ آج مسلمانوں کا کوئی امیر ہی نہیں ہے اور بالخصوص ہندوستان جیسے علاقے اس تصور سے بالکل خالی ہیں، حالانکہ فقہاء نے کسی کو امیر ووالی مقرر کرکے اس کی اطاعت میں معاملات کو طے کرنے کا حکم فرمایا ہے اور آج نہ امیر ہے اور نہ امیر بنائے جانے کا کوئی تصور جس کی وجہ سے

ہمارے سارے معاملات پراگندہ ومنتشر ہیں، نہ کوئی مشورہ ہوسکتا ہے اور نہ کسی بات کی تجویز، کیونکہ کوئی مرکزیت ہی نہیں ہے اور بغیر مرکزیت کے مشورہ وتجویز کا کوئی معنی ہی نہیں۔ اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿من مات و ليس فی عنقه بيعة مات ميتة جاهلية﴾ (مسلم: ۳۴۴۱) (یعنی جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی امیر کی بیعت نہیں ہے تو وہ جاہلی موت مرا)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کے لئے ایک امیر ہونا چاہئے، اسی لئے حضرات صحابہ ﷺ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے وصال کے فوری بعد سب سے پہلے جس کام کو انجام دیا وہ یہی امیر کا انتخاب تھا حتی کہ ان حضرات نے آپ ﷺ کی تدفین سے بھی اس کام کو مقدم فرمایا علماء و فقہاء نے اسی سیاق کی وجہ سے امیر کے انتخاب کو واجب علی الکفایہ قرار دیا ہے۔

(دیکھو غیاث الامم لامام الحرمین: ۲۳، الاحکام السلطانیہ: ۳)

امیر کے خلاف بغاوت کی ممانعت:

دوسرے یہ فرمایا کہ جس کو امیر بنالیا گیا اس کے خلاف کوئی اور امیر کھڑا ہو تو اس کو دفع کرو، اگر بغیر حرب وقتال کے دفع نہ ہو تو اس کے ساتھ قتال کرو اور اسکو قتل کردو، یہ بھی مرکزیت کے قیام وبقاء واستحکام کے لئے حکم دیا گیا ہے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہر امیر کے خلاف بغاوتیں ہوسکتی ہیں جس کے نتیجہ میں مرکزیت تحلیل ہوکر امت کا شیرازہ منتشر ہوجائے گا حتی کہ اگر فاسق وفاجر کو بھی امیر بنادیا جائے تو اس کی بھی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے یعنی فاسق امیر اگر شرعی حدود میں رہتے ہوئے احکام جاری کرے تو اس کی بھی اطاعت کرنا چاہئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر تم پر کوئی کالا ناک یا کان کٹا غلام بھی امیر بنادیا جائے جو تم کو کتاب اللہ کے مطابق چلاتا ہو تو

تم اس کی سنو اور مانو اور بعض روایات میں حبشی غلام کا ذکر ہے۔

(مسلم:۳۴۴۲،ترمذی:۱۶۲۸،نسائی:۴۱۲۱،ابن ماجہ:۲۸۵۲،احمد:۱۶۰۵۲)

موجودہ حالات کا اگر کوئی علاج ہوسکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ امت کو اللہ کوئی امیر عطا فرمائے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کو بہترین رہبر و قائد عطا فرمائے۔ (آمین)

حدیث (۴۲)

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷜ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ بِاُمَّتِیْ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ بَلَاءٌ شَدِیْدٌ مِّنْ سُلْطَانِهِمْ حَتّٰی تَضِیْقَ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ فَیَبْعَثُ اللّٰهُ رَجُلًا مِّنْ عِتْرَتِیْ فَیَمْلَاُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا، یَرْضٰی عَنْهُ سَاكِنُ السَّمَاءِ وَسَاكِنُ الْاَرْضِ لَا تَدَّخِرُ الْاَرْضُ مِنْ بَذْرِهَا شَیْئًا اِلَّا اَخْرَجَتْهُ وَلَا السَّمَآءُ شَیْئًا مِّنْ قَطْرِهَا اِلَّا صَبَّبَتْهُ ،یَعِیْشُ فِیْهِمْ سَبْعَ سِنِیْنَ اَوْثَمَانَ اَوْ تِسْعَ﴾(ترمذی : ٢/٤٦)

(ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷜ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخری زمانہ میں میری امت پر ان کے حاکموں کی جانب سے ایسے مصائب ٹوٹ پڑیں گے کہ ان پر خدا کی زمین تنگ ہو جائے گی، اس وقت اللہ تعالیٰ میری اولاد سے ایک شخص (مہدی علیہ السلام) کو کھڑا کریں گے جو زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ پہلے ظلم وستم سے بھری ہوئی ہوگی، ان سے زمین والے بھی راضی ہوں گے اور آسمان والے بھی، ان کے زمانہ میں زمین اپنی تمام پیداوار اگل دے گی اور آسمان سے خوب بارش ہوگی، وہ ان میں سات یا آٹھ یا نو سال رہیں گے)

وہ خوب مال دیں گے اور مویشی زیادہ ہو جائیں گے الخ (حاکم: ۴/۶۰۱) اسی امام احمدؒ، ابن ماجہ، ابن حبان ابویعلی وغیرہ نے ان سے اس مضمون کی احادیث روایت کی ہے۔

فـــوٹ: ہمارے مصنف نے اس حدیث کو ترمذی کے حوالے سے درج کیا ہے مگر ترمذی میں اور پھر حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث تلاش بسیار کے باوجود مجھے نہیں ملی۔

(واللہ اعلم)

خدا کی زمین تنگ ہو جائیگی:

اس حدیث میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے آخری زمانہ میں امت پر پیش آنے والے مصائب وفتن کا ذکر کیا ہے کہ امراء وحکام کی طرف سے امت پر بڑے مصائب وحالات پیش آئیں گے حتی کہ ان پر زمین تنگ ہو جائے گی یعنی سلاطین وامراء، لوگوں کا ناک میں دم کر دیں گے اور ان کے لئے جینا مشکل کر دیں گے۔ جیسا کہ آج کا حال ہے اور بالخصوص نیک واہل دین لوگوں کے خلاف زیادتیاں ہیں اور ان کو دہشت گرد قرار دیکر ان پر مظالم ڈھانے کا سلسلہ ہے جس کی وجہ سے باوجود کشادگیوں کے زمین ان پر تنگ ہوگئی ہے مگر یہ اس ابتلاء کا ابتدائی دور ہے، اس میں اور اضافہ ہوگا، سوچو کہ اس وقت کیا ہوگا؟

مہدی کی بشارت:

فرمایا کہ میرے خاندان میں سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو کھڑا کرے گا جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ پہلے ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی۔ اس شخص سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام ہیں جو حضور علیہ السلام کے خاندان سے ہوں گے جن کے بارے میں متعدد احادیث آئی ہیں اور ان کے نام، حلیہ اور کاموں اور کارناموں کی تفصیل بھی بتائی گئی ہے،

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حاکم نے مستدرک: (۵۱۴/۴) میں بطریق معاویہ بن قرۃ عن ابی الصدیق الناجی اور امام احمد نے مسند: (۱۰۸۹۸) میں بروایت علاء بن بشیر عن ابی الصدیق اور ابو عمرو الدانی نے السنن الوارده: (۱۰۴۸/۵) میں بطریق معمر عن ابی ھارون العبدی روایت کیا ہے۔ اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی حضرت ابو سعید کی روایت کو ذکر کیا ہے مگر حوالہ کچھ نہیں دیا (مشکوۃ: ۴۷۱) اور ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اس جگہ بیاض (خالی جگہ) ہے اور یہ حدیث حاکم نے روایت کی ہے۔ (مرقات: ۱۸۰/۱۰)

معلوم ہونا چاہئے کہ ان کتب میں حضرت ابو سعید کی اس حدیث میں مصنف کے نقل کردہ الفاظ کے لحاظ سے کچھ تغیر ہے۔

اور حاکم نے فرمایا کہ حدیث صحیح الاسناد ہے، مگر ذہبی نے اس کی سند کو مظلم کہا ہے (مرقات: ۱۸۰/۱۰) میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث متعدد سندوں سے آئی ہے جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا، اس لئے یہ حدیث کم از کم حسن ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مہدی کے سلسلہ میں یہ بات متعدد احادیث میں آئی ہے کہ آپ کے آنے سے پہلے دنیا میں ظلم و جور کا دور دورہ ہوگا اور آپ آکر اس کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور اس زمانے میں خوب برسات ہوگی اور خوب غلہ اُگے گا چنانچہ ابو سعید رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت کے آخر میں مہدی ظاہر ہوں گے، اللہ ان کے لئے بارش برسائے گا اور زمین کھیتی اُگائے گی اور

ان میں سے اس حدیث میں یہ فرمایا کہ ''وہ ظلم وجور کی جگہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے، جس کی وجہ سے آسمان وزمین کے رہنے والے ان سے خوش ہوں گے'' آسمان کے رہنے والوں سے مراد بقول ملاعلی قاریؒ حضرات انبیاء کی ارواح اور حضرات ملائکہ علیہم السلام ہیں۔ اور زمین پر رہنے والوں سے مراد مؤمن اور دیگر مخلوقات ہیں حتی کہ خشکی میں جانور اور دریا میں مچھلیاں، ان سے خوش ہونگی۔ (مرقات: ۱۸۰/۱۰)

آگے ان کے زمانہ کی برکات کا ذکر فرمایا ہے کہ زمین اپنی تمام پیداوار نکال دیگی اور آسمان اپنا سارا پانی برسادے گا اور وہ سات برس یا آٹھ یا نو برس تک رہیں گے۔

اس میں مبالغہ مقصود ہے کہ زمین اور آسمان سے خوب خوب برکتیں نازل ہوں گی، بارش بھی خوب ہوگی اور پیداوار بھی خوب ہوگی، حضرت ابو سعید کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ زندہ لوگ تمنا کریں گے کہ مردے زندہ ہوجائیں تا کہ وہ ان نعمتوں و برکتوں کا مشاہدہ کریں، اور وہ دنیا میں سات یا آٹھ یا نو برس تک رہیں گے، یہ راوی کا شک ہے کہ سات فرمایا یا آٹھ یا نو۔

حضرت مہدی کون اور کیسے ہوں گے؟

اس حدیث میں حضرت مہدی علیہ السلام کا ذکر آیا ہے، اس لئے یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی کے بارے میں یہ بتادیا جائے کہ حضرت مہدی کون اور کیسے ہوں گے؟ تا کہ حضرت مہدی کا نام لیکر گمراہ کرنے والے اور گمراہ ہونے والے لوگوں کے دام مکروفریب سے بچا جاسکے۔

حضرت مہدی کے بارے میں متعدد احادیث آئی ہیں، چند ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی مجھ

سے (یعنی میری نسل سے) ہیں جو چوڑی پیشانی، لمبی و پتلی ناک والے ہوں گے، زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے پُر ہوگی اور سات سال تک حکومت کریں گے۔ (ابوداؤد:۴۲۸۵، ومثلہ حاکم:۶۰۰/۴)، امام ابن القیم نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے (المنار المنیف:۱۴۷) اور سیوطی نے جامع الصغیر میں اس پر صحت کا اشارہ دیا ہے۔

(۲) حضرت علی ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی ہم میں سے ہوں گے (یعنی اہل بیت سے ہوں گے) اللہ ایک رات میں ان کو صلاحیت دیدے گا (یعنی ایک رات میں ان کو خلافت کی اہلیت دیدے گا)

(ابن ماجہ:۴۰۸۵، احمد:۶۴۵، مسند الفردوس:۲۲۲/۴)، امام سیوطیؒ نے اس پر حسن ہونے کا اشارہ دیا ہے۔ (فیض القدیر:۲۷۸/۶) اور شیخ احمد شاکر نے مسند احمد کی تعلیقات میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (مسند احمد:۵۶/۲)

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ میرے اہل بیت سے ایک آدمی (مہدی) حاکم نہ ہو جائے جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔ (احمد:۳۵۷۱،

ابن حبان:۲۳۶/۱۵، ترمذی:۲۲۳۱) اور امام ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے، نیز امام احمد کی سند بھی صحیح ہے جیسا کہ احمد شاکر نے تعلیق المسند: (۱۹۶/۵) میں فرمایا ہے۔

(۴) آپ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دنیا کی عمر میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے تب بھی اللہ اس دن کو طویل کردے گا حتی کہ اس میں میری نسل سے ایک آدمی کو مبعوث کرے گا، جس کا نام میرے نام کے موافق اور اس کے باپ کا نام میرے

حضرت مہدی کی منتظر ہے اور جب وہ آئیں گے تو ان کی علاماتِ مذکورہ سے ان کو پہچان لے گی۔

مگر افسوس کہ ایک واضح بات کو بعض گمراہ لوگوں نے پیچیدہ بنا کر رکھا ہے جیسے مہدوی فرقہ جو سید محمد جونپوری کو مہدیٔ موعود مانتا ہے، حالانکہ نہ وہ حضرت فاطمہؓ کے خاندان سے تھے اور نہ ان کے باپ کا نام عبداللہ تھا اور نہ ماں کا نام آمنہ تھا بلکہ ان کے باپ کا نام سید خان اور ماں کا نام بی بی اخاملک تھا۔ (ائمہ تلبیس ۲/۲۵) اور نہ ان کو حکومت ملی اور نہ عدل وانصاف سے زمین کو انہوں نے بھرا، اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس گمراہ فرقہ نے اسلام کے خلاف کئی چیزوں کا عقیدہ بنالیا مثلاً:

- سید محمد جونپوری کی تصدیق فرض ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔
- سید محمد جونپوری کا مرتبہ خلفاء راشدین وصحابہ سے افضل ہے۔
- وہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے سوا تمام انبیاء سے افضل ہیں۔
- وہ حضرت محمد ﷺ کے برابر ہیں۔
- وہ صاحبِ شریعت رسول ہیں اور ان کی شریعت نے شرع محمدی کے بعض احکام کو منسوخ کردیا۔
- نبوت ورسالت کے علاوہ وہ بعض صفات الوہیت میں بھی اللہ کے ساتھ شریک ہیں

(دیکھو، ہدیہ مہدویہ: ۱/۴-۱۹ و ائمہ تلبیس: ۲/۶۱ تا ۶۳)

ان عقیدوں کے کفر وگمراہی ہونے میں کسی مسلمان کو کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ اسی لئے علماء نے اس فرقے پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

باپ کے نام کے موافق ہوگا۔ (ابوداود: ۴۲۸۲ واللفظ لہ، ترمذی: ۲۲۳۰) ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے اور ابوداود نے سکوت کیا ہے اور ابن تیمیہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

(منهاج السنة: ٤/٢١١)

نمونہ کے طور پر چند احادیث کا ذکر کیا گیا ہے، علما نے لکھا ہے کہ مہدی کے بارے میں صحیح احادیث آئی ہیں اور بعض نے یہاں تک فرمایا کہ مہدی کے بارے میں احادیث تواتر معنوی کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں، لہٰذا مہدی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ قیامت کے قریب یہ ظاہر ہوں گے۔

مذکورہ احادیث سے چند امور معلوم ہوئے:

(۱) حضرت مہدی، نبی کریم ﷺ کی نسل سے ہوں گے، یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خاندان سے ہوں گے۔

(۲) ان کا اصل نام محمد ہوگا اور ان کے والد کا نام عبداللہ ہوگا۔

(۳) آپ آئیں گے تو دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے، نیز اوپر کی زیر بحث حدیث نے یہ بھی بتایا کہ ان کے زمانے میں زمین خزانے اگلے گی اور آسمان سے خوب بارش ہوگی۔

(۴) آپ دنیا میں حکومت کریں گے اور ان کی حکومت سات یا آٹھ یا نو برس ہوگی۔

(۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کے ایک امتی ہوں گے۔

مہدوی فرقہ کی گمراہی:

ان تفاصیل کی روشنی میں مہدی موعود کو پہچاننا بہت ہی آسان کام ہے، اس لئے امت

قادیانی کی گمراہی اور ایک حدیث کی تحقیق:

اس طرح قادیانی فرقہ بھی گمراہ ہوا بلکہ اس کی گمراہی اور بڑھ گئی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو مہدی موعود بلکہ مسیح موعود اور نعوذ باللہ نبی مانکر صریح کفر کا ارتکاب کیا، حالانکہ اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے مہدی کی نشانیاں، صفات وخصوصیات سب کی سب بیان فرمادی ہیں، جن میں سے ایک بھی اس مرزائے قادیان (علیہ اللعنہ) پر صادق نہیں آتی۔ پھر اس مرزائے قادیان نے اپنے کو مہدی بھی کہا اور مسیح بھی اور اس پر ایک من گھڑت حدیث سے استدلال کیا وہ یہ کہ [لا مهدی الا عیسیٰ] (مہدی ہی عیسیٰ ہوں گے) مگر یہ حدیث محدثین کے نزدیک موضوع وباطل ہے (دیکھو الفوائد المجموعۃ للشوکانی: ۵۱۰)

(نوٹ: اس پر ہم نے حدیث نمبر: ۵۸ تحت تفصیلی کلام کر دیا ہے)

غرض یہ کہ مہدی کے بارے میں واضح علامات ہونے کے باوجود یہ گمراہی اور امت کے عام راستہ سے کٹنا محض نفسانیت وشرارت ہے ورنہ تو احادیث کی روشنی میں بات بہت واضح ہے۔

حدیث ﴿۷۳﴾

﴿عَنْ حُذَيْفَةَ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْدًا عُوْدًا فَاَيُّ قَلْبٍ اُشْرِبَهَا نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ وَاَيُّ قَلْبٍ اَنْكَرَهَا نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتّٰى تَصِيْرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ عَلٰى

اَبْيَضُ مِثْلِ الصَّفَا فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ، وَالْاٰخَرُ اَسْوَدُ مُرْبَادًا كَالْكُوْزِ مُجَخِّيًا لَا يَعْرِفُ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا اِلَّا مَا اُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ۔﴾

(ترجمہ: حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے خود سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ فتنے دلوں میں اسی طرح یکے بعد دیگرے درآئیں گے جس طرح چٹائی میں یکے بعد دیگرے ایک ایک تنکا درآتا ہے، چنانچہ جس دل نے ان فتنوں کو قبول کرلیا اور وہ اس میں پوری طرح رچ بس گئے اس پر (ہر فتنہ کے عوض) ایک سیاہ نقطہ لگتا جائے گا اور جس قلب نے ان کو قبول نہ کیا اس پر (ہر فتنہ کو رد کردینے کے عوض) ایک سفید نقطہ لگتا جائے گا یہاں تک کہ دلوں کی دو قسمیں ہوجائیں گی اور ایک سنگِ مرمر جیسا سفید کہ اسے رہتی دنیا تک کوئی فتنہ نقصان نہیں دے گا، اور دوسرا خاکستری رنگ کا سیاہ الٹے کوزے کی طرح (کہ خیر کی کوئی بات اس میں نہیں نکلے گی) یہ بجز ان خواہشات کے جو اس میں رچ بس گئی ہیں نہ کسی نیکی کو نیکی سمجھے گا نہ کسی برائی کو برائی (اس کے نزدیک نیکی اور بدی کا معیار بس اپنی خواہش ہوگی)

تشریح

تخریج و درجہ حدیث:

اس حدیث کو امام مسلم نے کتاب الایمان میں برقم: (۲۰۷)، اور امام احمد نے مسند میں برقم: (۲۲۱۹۳) روایت کیا ہے اور حدیث کا صحیح ہونا تخریج مسلم سے ظاہر ہے۔

دلوں پر فتنوں کی بارش:

(۱) "تعرض الفتن علی القلوب کالحصیر عودًا عودًا" (دلوں پر فتنے اس طرح آئیں گے جس طرح چٹائی میں تنکے یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں)

اس حدیث میں فتنوں سے بعض حضرات نے آفات وبلیات اور مصائب و پریشانیاں مراد لی ہیں، جو دلوں اور ذہنوں کو پریشان کرتے اور انسانوں کو مدہوش کر دیتے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ فتنوں سے مراد عقائد باطلہ ونظریاتِ فاسدہ ہیں جن سے عام لوگ دینی وایمانی فتنے میں پڑ جاتے ہیں۔ (مرقات: ۱۱۰/۱۰)

اور عود کا لفظ تین طرح پڑھا گیا ہے: عُوْد (عین پر پیش اور آخر میں دال) جس کے معنی ہیں حصیر کے تنکے جن سے وہ بنی جاتی ہے اور بعض نے اس لفظ کو عَود (عین پر زبر اور دال کے ساتھ) پڑھا ہے جس کے معنی ہیں بار بار لوٹ کر آنا اور بعض نے عَوذ (عین پر زبر اور ذال کے ساتھ) پڑھا ہے۔ (شرح مسلم: ۸۲/۱)

اس کو عُود پڑھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حصیر بنتے وقت اس کے تنکے یکے بعد دیگرے آتے اور اس سے جڑ جاتے ہیں اسی طرح فتنے بھی دلوں پر برابر یکے بعد دیگرے آ کر دلوں پر لگ جائیں گے، بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ جسطرح چٹائی پر سونے والے کے جسم سے چٹائی کے تنکے چمٹ جاتے ہیں اسی طرح فتنے بھی دلوں پر اثر انداز ہوں گے۔

اور اگر یہ لفظ عوذ (ذال کے ساتھ) ہو تو اس کے معنی "پناہ لینے" کے ہیں اور یہ فتنوں کے ذکر کے بعد ان فتنوں سے پناہ طلب کرنے کے لئے آیا ہے، یعنی اے اللہ میں ان سے پناہ مانگتا ہوں۔

اور عَود (عین پر زبر اور دال) پڑھنے کی صورت میں مطلب یہ ہے کہ یہ فتنے دلوں پر بار بار اور لگاتار پیش آئیں گے۔ (دیکھو مرقاۃ: ۱۰/۱۱، مظاہر حق جدید: ۶/۲۳۱، شرح مسلم: ۱/۸۲)

❁ دلوں پر کالے اور سفید نکتے :

(۲) فای قلب اشربها الخ (یعنی جس دل میں یہ فتنے اُتار دیئے گئے اس میں ایک کالا نکتہ ڈال دیا جائے گا اور جو دل ان فتنوں کا انکار کرے گا اس میں سفید نکتہ لگا دیا جائے گا)

یہاں لفظ اُشرب (بصیغۂ مجہول) ہے جس کے معنی ہیں پلا دیا جانا یعنی جس دل میں یہ فتنے اتار دیئے گئے اور اس میں رچ بس گئے اس میں کالا نکتہ اور جس نے ان کا انکار کیا اس میں سفید نکتہ لگا دیا جائیگا، کالا نکتہ دل کا زنگ ہے جس سے حق و باطل کی معرفت و پہچان ختم ہو جاتی ہے، اور سفید نکتہ دل کی صفائی و طہارت کی جانب اشارہ ہے جو حق و باطل میں پہچان کی صفت کا حامل ہوگا، جیسا کہ آگے حدیث میں ذکر ہے۔

❁ دلوں کی دو قسمیں :

(۳) حتی تصیر علی قلبین الخ (یہاں تک کہ اس زمانہ میں لوگ دو قسم کے ہو جائیں گے) ایک قسم وہ جو سنگ مرمر کے محل کی طرح سفید و صاف شفاف ہوگی، ان لوگوں کو کسی قسم کا فتنہ نقصان نہیں پہنچائے گا جب تک کہ زمین و آسمان باقی ہیں اور دوسرے قسم کا دل وہ ہے جو راکھ کے زنگ جیسا سیاہ ہوگا، جو اوندھے برتن کی طرح (حقائق و معارف سے) خالی ہوگا، یہ لوگ نہ معروف کو پہچانیں گے اور نہ منکر کو منکر سمجھیں گے، یہ لوگ بس اس چیز سے مطلب رکھیں گے جو خواہشات و نفسانی چیزوں میں سے ان کے دل میں رچ بس گئی ہے۔

عبرت:

معلوم ہوا کہ فتنوں کے دور میں فتنوں میں پڑنے اور ان کو اختیار کرنے کے بجائے ان سے دور رہنے اور ان کا دل سے انکار کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ ان فتنوں کو قبول کرنے غلط نظریات و باطل عقائد کو قبول کرنے اور نفسانی خواہشات سے دل لگانے کی وجہ سے دل سیاہ ہو جاتا اور الٹا ہو جاتا ہے، پھر حق و باطل کی تمیز نہیں رہتی اور معروف و منکر کی پہچان باقی نہیں رہتی اور ان فتنوں کا انکار کر کے نفسانی خواہشات و ہوا و ہوس کی باتوں سے بچے رہنے پر اللہ کی طرف سے دل کو مصفٰی و مجلّٰی بنا دیا جاتا ہے اور ان کے لئے کوئی فتنہ بھی نقصان دہ نہیں ہوتا۔

حدیث (۷۸)

﴿عَنْ حُذَيفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَدِيثَيْنِ ، رَأَيْتُ اَحَدَهُمَا وَاَنَا اَنتَظِرُ الْاٰخَرَ، حَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ، ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا، قَالَ: يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ اَثَرِ الْوَكْتِ ، ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ، فَيَبْقٰى اَثَرُهَا مِثْلَ اَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلٰى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيْهِ شَيْئٌ، وَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ وَلَا يَكَادُ اَحَدٌ يُؤَدِّى الْاَمَانَةَ فَيُقَالُ: اِنَّ فِيْ بَنِيْ فُلَانٍ رَجُلًا اَمِيْنًا، وَيُقَالُ: لِلرَّجُلِ مَا اَعْقَلَهٗ وَمَا اَظْرَفَهٗ وَمَا اَجْلَدَهٗ ، وَمَا فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ﴾

(ترجمہ: حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دو باتیں بتلائیں: ایک تو میں نے آنکھوں سے دیکھ لی، اور دوسری کا منتظر ہوں، پہلی بات آپ نے یہ بتلائی کہ امانت (نور ایمان) لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اترا، بعدازاں انہوں نے قرآن سیکھا، پھر سنت کا علم حاصل کیا (اسکا مشاہدہ تو میں نے خود کرلیا ہے) دوسری بات آپ ﷺ نے امانت کے اٹھ جانے کے بارے میں فرمائی، فرمایا کہ آدمی ایک دفعہ سوئے گا تو امانت کا کچھ حصہ اس کے دل سے نکال لیا جائے گا، چنانچہ تل کے نشان کی طرح اس کا نشان رہ جائے گا، پھر دوبارہ سوئے گا تو امانت کا بقیہ حصہ بھی قبض کرلیا جائے گا، اس کا نشان آبلہ کی طرح رہ جائے گا جیسے تم اپنے پاؤں پر آگ کا انگارہ کھینچو تو آبلہ بھرا ہوا نظر آئے گا مگر اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا اور دن بھر لوگ خرید وفروخت کریں گے لیکن ایک بھی آدمی مشکل سے ایسا نہیں مل سکے گا جو امانت ادا کرتا ہو، چنانچہ (دیانت کا اس قدر قحط ہوگا) کہ یہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک آدمی امانت دار ہے اور (بداخلاقی کا یہ حال ہوگا) کہ ایک آدمی کے متعلق کہا جائے گا کہ واہ، واہ! کتنا عقل مند آدمی ہے، کتنا زندہ دل آدمی ہے، کتنا بہادر آدمی ہے (وہ ایسا، ویسا ہے) حالانکہ اس بندۂ خدا کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تو ایمان نہیں ہوگا)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو بخاری: (٦٠١٦)، مسلم مختصراً: (٢٠٦)، ترمذی: (٢١٠٥)، ابن ماجہ: (۴۰۵۳)، احمد: (۲۲۱۷۱) نے روایت کیا ہے۔ حدیث کا صحیح ہونا تخریج بخاری ومسلم سے ظاہر

ہے۔

امانت کا دور اور اس کی برکات:

اس میں حضرت حذیفہ ﷛ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے دو باتیں بیان فرمائی تھیں، ایک بات کو میں نے اپنی زندگی میں دیکھ لیا اور دوسری کا منتظر ہوں کہ وہ کب پوری ہوگی؟ ان میں سے ایک بات تو یہ تھی کہ ''امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اتاری گئی پھر لوگوں نے قرآن کو جانا، پھر حدیث وسنت کو جانا''

اس جگہ امانت سے مراد کیا ہے؟ اس کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا کہ مراد ایمان اور شرعی ذمہ داریاں ہیں جو انسان پر ڈالی گئی ہیں اور بعض نے صرف ایمان مراد لیا ہے اور بعض نے فرائض اور بعض نے اطاعت مراد لی ہے۔ (شرح مسلم للنووی: ۸۲/۱) مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں ایمان یا ایمانی ذمہ داری ڈالی گئی جس کے ذریعہ وہ قرآن اور سنت کو جاننے پر آمادہ ہوئے اور اسلامی تعلیمات ودینی احکامات کو حاصل کرنے کی فکر کرنے لگے۔ اور اس میں جو یہ فرمایا کہ ''لوگوں نے قرآن کو جانا اور سیکھا پھر سنت کو سیکھا'' اس میں اشارہ ہے قرآن وسنت کے درجات میں فرق کی طرف کہ قرآن اول درجہ پر اور حدیث دوسرے درجہ پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن نیک بختوں کو قرآن وحدیث کا علم حاصل ہوا اور وہ اس کے حصول کی فکر کرتے ہیں، وہ ان خوش بخت لوگوں میں سے ہیں جن کے دلوں میں نورِ ایمان اتارا گیا ہے۔ (اللهم اجعلنا منهم واحشرنا معهم آمين)

دلوں سے امانت اٹھا لی جائے گی:

دوسری بات جو اللہ کے رسول اللہ علیہ السلام نے بیان کی وہ یہ تھی کہ امانت (جس کی تفسیر

اوپر گذری) اٹھالی جائے گی اس طرح کہ آدمی رات سوئے گا تو اس کے دل سے امانت اٹھالی جائے گی اور امانت کا اثر اتنا رہ جائے گا جیسے کوئی ہلکا نشان ہو۔

اس میں سونے سے یا تو حقیقۃً سونا مراد ہے یا مجازاً شریعت سے غفلت اور دین سے لاپرواہی مراد ہے، حاصل یہ ہے کہ دین وشریعت سے غافل ہونے اور گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے نورِ ایمان کم ہو جائے گا جو کہ امانت سے معبر ومعنون ہے اور جب وہ ہوش میں آکر اس حالت وصورت پر غور کرے گا تو معلوم ہوگا کہ اس کے دل میں یہ امانت یعنی ایمان ایک معمولی سے نقطہ اور نشان کی طرح باقی رہ گیا ہے مگر ہے وہ ایمان ہی۔

آگے فرمایا کہ

''وہ پھر دوبارہ سوئے گا اور اس کے دل سے امانت یعنی ایمان نکال لیا جائے گا، (یعنی باقی ایمان بھی نکال لیا جائے گا) اور اس کا اثر صرف اس قدر رہ جائے گا جیسے مجل یعنی آبلہ کا اثر ہوتا ہے، کہ جیسے تم آگ کی چنگاری اپنے پیر پر ڈالدو اور اس سے آبلہ پڑ جائے تو وہ بظاہر پھولا ہوا اور اٹھا ہوا ہوگا مگر اس کے اندر کچھ نہ ہوگا''

اس میں جو فرمایا کہ ''دوبارہ سوئے گا'' اس سے اشارہ دین وشریعت سے مزید غفلت کی طرف ہے کہ جب آدمی اور زیادہ دین سے غافل ہو جائے گا تو رہا سہا ایمان بھی اس کے دل سے نکال لیا جائے گا اور صرف مجل یعنی آبلہ یا گٹھے کی طرح معمولی سا اثر رہ جائے گا۔ حضور ﷺ نے مثال سے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جیسے تمہارے پیر پر آگ کی چنگاری پڑ جانے سے آبلہ ہو جاتا ہے جو بظاہر پھولا ہوا ہوتا ہے مگر اس کے اندر سوائے گندے پانی اور پیپ اور لہو کے کچھ نہیں ہوتا، اسی طرح دل میں اب ایمان کچھ نہ ہوگا اور اس کی جگہ کچھ کفر ومعصیت کے جذبات کا

فاسد مادہ بھرا ہوا ہوگا۔

ایک اشکال کا جواب :

اس تشریح سے یہ اعتراض خود بخود دفع ہو جاتا ہے جو بعض حضرات ؒنے اٹھایا ہے کہ وکت (نشان) ہلکا ہوتا ہے بنسبت مجل (آبلہ) کے، تو حدیث میں پہلے یہ فرمایا کہ ایمان نکال لیا جائے گا اور صرف نشان سا باقی رہ جائے گا، پھر فرمایا کہ ''دوسری دفعہ سونے پر بقیہ ایمان بھی نکال لیا جائے گا اور صرف آبلہ سا باقی رہ جائے گا'' حالانکہ ترتیب اس کے خلاف ہونی چاہیے تھی کہ پہلے آبلہ سا باقی رہے پھر نشان سا رہ جائے؟

ہماری تشریح سے یہ اعتراض ساقط ہو گیا کیونکہ نشان اگر چہ ہلکا ہوتا ہے مگر یہاں مراد یہ ہے کہ پہلے تو ایمان کا نشان رہ جائے گا اور دوسری دفعہ وہ بھی ختم ہو کر اس کی جگہ کفر و معصیت بھرا فاسد مادہ کا حامل آبلہ رہ جائے گا جو پہلے سے زیادہ خطرناک ہے، اس طرح رہا سہا ایمان جا کر مزید یہ ہوگا کہ فاسد مواد دل میں پیدا ہو جائے گا۔

(واللہ اعلم)

ایمان و امانت کی ناقدری کا دور :

آگے فرمایا:

''پھر جب لوگ صبح کو اٹھیں گے تو حسبِ معمول خرید و فروخت کریں گے مگر ان میں ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو شرعی ذمہ داری کو ادا کرنے والا ہو حتیٰ کہ (لوگوں کی کثرت کے باوجود) یہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلے و خاندان میں ایک آدمی امانت دار (یعنی کامل الایمان اور شرعی ذمہ داریوں کو پورا کرنے والا) ہے اور ایک آدمی کے متعلق کہا جائے گا کہ کس قدر عقلمند و چالاک ہے!

کس قدر ذہین وفطین ہے! حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا“

مطلب یہ ہے کہ ایمان عنقاء ہو جائے گا حتی کہ کسی جگہ کوئی کامل ایمان والا ہوگا تو لوگ اس کی طرف اشارہ کریں گے کہ وہ ایمان وامانت والا ہے۔

خرید وفرخت میں کوئی ایمان داری نہ برتے گا، دھوکہ وخیانت عام ہو جائے گی، مسلمان لوگ بھی ایمان سے خالی ہو جانے کی وجہ سے اس بے ایمانی میں سب کی طرح ہو جائیں گے اور یہاں تک کہ صورتِ حال اس قدر ابتر ہو جائے گی کہ لوگ کسی کی تعریف دنیوی اعتبار سے کریں گے کہ کس قدر عقلمند ہے! کس قدر ذہین ہے! حالانکہ وہ بے ایمان ہوگا مگر چونکہ دنیوی لحاظ سے اچھا ہوگا کہ مال ودولت، عہدہ منصب اس کے پاس ہوگا، اس لئے لوگ اس کی عقل کی تعریف کریں گے، اس کے بالمقابل علم وعمل تقویٰ وطہارت، ایمان ویقین کے حامل لوگوں کی کوئی حیثیت نہ ہوگی اور نہ ان کی کوئی تعریف کی جائے گی۔

عبرت:

غور کریں کہ کیا آج بہت کچھ اس حدیث کے مطابق لوگوں میں نظر نہیں آرہا ہے؟ دین وشریعت سے غفلت، خدا ورسول سے بغاوت، اسلامی تعلیمات ودینی احکامات کی توہین وتحقیر، یہ سب امور پائے جاتے ہیں۔ عام مسلمانوں میں یہ غفلت روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور ان کے ایمان میں روز بروز کمزوری وضعف آتا جارہا ہے، اہل ایمان (یعنی کامل الایمان) عنقاء ہوتے جارہے ہیں، عقل وشرافت کا معیار مال داری، منصب داری، عہدے داری ودنیوی ڈگریوں وسندوں کو قرار دیا جارہا ہے، اہل علم واہل ایمان کی قدر دلوں سے نکلتی جارہی ہے، بلکہ ان کی توہین وتذلیل، تحقیر وہتک کا سلسلہ جاری ہے، مدارس کے طلبہ کو نہایت حقیر وذلیل سمجھا جاتا

ہے، دنیوی تعلیم حاصل کرنے والوں کو عزیز و شریف، عقیل و عظیم سمجھا جاتا ہے، اس طرح اس حدیث میں بیان کردہ حقائق بہت حد تک رونما ہو چکے ہیں۔

حضرتِ حذیفہ نے تو فرمایا تھا کہ ''اس حدیث کو میں نے ابھی پوری ہوتے نہیں دیکھا'' مگر آج وہ بھی پوری ہو رہی ہے اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کر رہی ہے۔

حدیث ﴿۷۵﴾

﴿عَنْ حُذَيْفَةَ ؓ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ اَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ اَنْ يُدْرِكَنِيْ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّا كُنَّا فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَ نَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ، فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ:نَعَمْ ،قُلْتُ:وَهَلْ بَعْدَ ذَالِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ وَفِيْهِ دَخَنٌ ، قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ:قَوْمٌ يَسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِيْ، وَيَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ، قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذَالِكَ الْخَيْرِمِنْ شَرٍّ؟قَالَ:نَعَمْ دُعَاةٌ عَلٰى اَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ اَجَابَهُمْ اِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا، قُلْتُ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! صِفْهُمْ لَنَا قَالَ:هُمْ مِّنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِاَ لْسِنَتِنَا، قُلْتُ: فَمَا تَأْ مُرُنِيْ اِنْ اَدْرَكَنِيْ ذَالِكَ ؟ قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِمَامَهُمْ ،قُلْتُ: فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌوَلَااِمَامٌ ؟قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ اَنْ تَعَضَّ بِاَ صْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَاَنْتَ عَلٰى ذَالِكَ۔

(وفی روایة لمسلم) قَالَ : یَکُوْنُ بَعْدِیْ اَئِمَّةٌ لَا یَهْتَدُوْنَ بِهَدْیِیْ وَلَایَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِیْ وَسَیَقُوْمُ فِیْهِمْ رِجَالٌ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الشَّیَاطِیْنِ فِیْ جُثْمَانِ اِنْسٍ، قَالَ حُذَیْفَةُ قُلْتُ :کَیْفَ اَصْنَعُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ !اِنْ اَدْرَکْتُ ذَالِكَ ؟ قَالَ تَسْمَعُ وَتُطِیْعُ الْاَمِیْرَ وَاِنْ ضَرَبَ ظَهْرَكَ وَاَخَذَ مَالَكَ فَاسْمَعْ وَاَطِعْ۔

(ترجمہ: حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ لوگ آنحضرت ﷺ سے خیر کی باتیں پوچھا کرتے تھے اور میں آپ ﷺ سے شر کے بارے میں تحقیق کیا کرتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے لاعلمی کی وجہ سے پہنچ جائے، فرماتے ہیں: میں نے (ایک دفعہ) عرض کیا یارسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں پھنسے ہوئے تھے، حق تعالیٰ شانہ نے (آپ کی بدولت) ہمارے پاس یہ خیر بھیج دی (یعنی اسلام)، تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہوگا؟ فرمایا: ہاں، میں نے کہا اور اس شر کے بعد کوئی خیر ہوگی؟ فرمایا: ہاں مگر اس میں کدورت ہوگی، میں نے کہا کدورت کیا ہوگی؟ فرمایا: کچھ لوگ ہوں گے جو میری سنت کے بجائے دوسری چیزوں کی تلقین کریں گے، ان میں نیک و بد کی آمیزش ہوگی، میں نے کہا یارسول اللہ! ذرا ان کا حال تو بیان فرمایئے، فرمایا: وہ ہماری ہی قوم سے ہونگے اور ہماری ہی زبان بولیں گے (یعنی اسلام کے مدعی ہوں گے اور اسلامی اصطلاحات کو مطلب براری کے لئے استعمال کریں گے) میں نے عرض کیا: اگر یہ بُرا وقت مجھ پر آجائے تو آپ مجھے کیا ہدایت فرماتے ہیں؟ فرمایا: مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام سے چمٹے رہنا، میں نے کہا: اگر اس وقت نہ مسلمانوں کی جماعت ہو نہ امام تو پھر؟ فرمایا: ان تمام فرقوں سے الگ رہو، خواہ تمہیں کسی درخت کی جڑ میں جگہ بنانا پڑے، حتی کہ اسی حالت میں تمہاری موت

آجائے۔

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ میرے بعد کچھ مقتدا اور حکام ہوں گے، جو نہ میری سیرت پر چلیں گے، نہ میری سنت کو اپنائیں گے، ان میں کچھ ایسے لوگ کھڑے ہوں گے جن کے قلوب، انسانی جسم میں شیاطین کے قلوب ہوں گے۔ حضرت حذیفہ ﷛ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر یہ بُرا وقت مجھ پر آجائے تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا: (جائز امور میں) امیر کی سمع وطاعت بجالانا، خواہ وہ تیری کمر پر کوڑے مارے اور تیرا مال لوٹ لے، تب بھی سمع وطاعت بجالانا)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو بخاری نے کتاب الفتن میں: (۷۰۸۴)، مسلم نے کتاب الامارۃ میں: (۳۴۳۴ و ۳۴۳۵)، ابوداؤد نے: (۳۷۰۶) ابن ماجہ نے مختصراً: (۳۹۷۹) احمد نے مسند: (۲۲۳۳۲) روایت کیا ہے، اور حدیث کا صحیح ہونا واضح ہے۔

خیر وشر کی تفسیر:

یہ حدیث موجودہ دور کے فتنوں اور مختلف قسم کی صورتِ حال کی پوری پوری عکاسی کرتی ہے اور ہمارے لئے راہِ عمل بھی تجویز کرتی ہے۔ اس کے راوی حضرت حذیفہ ﷛ ہیں جو فرماتے ہیں کہ: دیگر صحابہ تو حضور ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھتے تھے اور میں شر وفتنہ کے بارے میں پوچھتا تھا کہ کہیں وہ فتنہ وشر مجھ پر قابو نہ پالے۔

صحابہ جو خیر کا اور حضرت حذیفہ ؓ جو شر کا سوال کرتے تھے، یہ شر و خیر کیا تھے؟ بعض حضراتِ علماء نے فرمایا کہ خیر سے مراد عبادت واطاعت و دینی احکام و مسائل ہیں، عام صحابہ ان چیزوں کا سوال کرتے تھے تاکہ عبادت واطاعت کر کے خدا کا قرب حاصل کریں اور مسائل واحکام پر عمل کر کے جنت کے مستحق بنیں، اور حضرت حذیفہ ؓ شر یعنی گناہ و نافرمانی کے بارے میں پوچھا کرتے تھے، تاکہ ان سے بچیں اور اللہ کی ناراضی سے اور جہنم سے نجات پائیں۔

بعض نے فرمایا کہ خیر سے وسعتِ رزق اور خوشحالی مراد ہے کہ صحابہ ؓ حضور ﷺ سے استدعاء کرتے کہ ان کو رزق میں وسعت مل جائے اور کچھ خوشحالی نصیب ہو جائے تاکہ انہیں فراغت واطمینان حاصل ہو اور اس کے ذریعہ وہ صحیح طور پر عبادت واطاعت کر کے دنیا کو حصولِ آخرت کا ذریعہ بنالیں اور حضرت حذیفہ ؓ اس کے بالمقابل حضور ﷺ سے شر یعنی دنیوی خوشحالی و وسعت رزق وغیرہ پر مرتب ہونے والے خطرناک اثرات کے بارے میں پوچھتے تھے کہ کہیں وہ فتنہ و شر ان کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے اور وہ ان فتنوں کا شکار نہ ہو جائیں۔

فتنہ سے ڈرنا چاہئے:

حضرت حذیفہ ؓ فتنوں کے بارے میں کثرت سے سوال اس لئے کرتے تھے کہ وہ ان فتنوں سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ ان کا شکار نہ ہو جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو فتنوں سے حفاظت کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اکثر اطباء وعقلاء کا یہ طریقہ واصول ہے کہ وہ علاج و دواء کے ذریعہ بیماریوں کو دفع کرنے کے بجائے پرہیز اور حفاظت کو اہم قرار دیتے ہیں اسی طرح فتنہ سے بچنا اہم و مقدم ہے۔ (مرقات: ۱۰/۱۱۴)

خیر کے بعد شر کا تسلط :

حضرت حذیفہ ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن اپنی عادت کے مطابق اللہ کے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! ہم اسلام سے پہلے جاہلیت اور شر میں تھے، پھر اللہ نے ہمیں (آپ کے ذریعہ) یہ ہدایت دی اور اس بھلائی سے روشناس کرایا (یعنی اسلام عطا فرمایا) تو کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہے؟

یعنی اسلام کے غلبہ وتسلط کے اس دور کے بعد جس میں چہار طرف دین وشریعت کا غلغلہ مچا ہوا ہے اور حق وصداقت کا پرچم لہرا رہا ہے، آوازۂ حق گونج رہا ہے اور لوگ جوق در جوق اس خیر کے راستہ کی طرف مائل ہو رہے ہیں، نیکیوں اور طاعتوں کا غلبہ ہے، کیا اس کے بعد پھر شر کا غلبہ وتسلط ہوگا؟

اس سوال پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''ہاں (اس کے بعد ایسا دور آئے گا جس میں شر کا غلبہ وتسلط ہوگا)، اس سے معلوم ہوا کہ دورِ اول کے بعد ایک دور شر و رفتن' کے غلبہ وتسلط کا ہوگا جس میں حق کا آوازہ دب کر رہ جائے گا، نیکی کی فضا میں سستی وتکاسل کا عنصر شامل ہو جائے گا، لوگوں کا رجحان دین کے بجائے دنیا کی طرف ہوگا، کفر وشر پھیل جائے گا اور اس کی حکومت قائم ہو جائیگی۔ بعض علماء نے اس فتنہ سے حضرت عثمان غنی ﷛ کی شہادت کے بعد پیش آنے والے حالات مراد لئے ہیں۔ (فتح الباری: ۳۵/۱۳، ارشاد الساری: ۳۲/۱۵)

شر کے بعد خیر کا زمانہ :

حضرت حذیفہ ﷛ فرماتے ہیں کہ ''میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس شر کے بعد کیا پھر خیر کا زمانہ آئے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ''ہاں، آئے گا، مگر اس میں دَخَن ہوگا''

[دخن] کے معنی دھواں اور کدورت کے ہیں اور اس وقت ''دخنت النار'' کہا جاتا ہے جب آگ پر کچی لکڑیاں رکھ کر جلائیں اور اس سے خوب دھواں نکلے، مطلب یہ ہے کہ شر کے بعد جو خیر کا دور آئے گا اس میں خیر خالص نہ ہوگا بلکہ کدورت ملی ہوئی ہوگی۔ حضرت حذیفہ ﷛ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یہ دخن اور کدورت کیا ہوگی یعنی اس کدورت کے ملجانے سے کیا اثرات رونما ہوں گے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ (اس کا اثر یہ ہوگا کہ) ایک جماعت ایسی پیدا ہو جائے گی جو میرے طریقہ اور روش کے خلاف دوسرے طریقہ وروش کو اختیار کرلے گی اور لوگوں کو میرے طریقہ کے خلاف دوسرے راستہ پر چلائے گی، اور تو ان کے اندر اچھی باتیں بھی دیکھے گا اور بری باتیں بھی۔

اس مقام کی تشریح میں علامہ نواب قطب الدین خان دہلویؒ نے مظاہر حق میں لکھا ہے کہ:

''مطلب یہ ہے کہ جس طرح فضاء میں پھیلا ہوا دھواں، صاف وشفاف چیزوں کو مکدر اور دھندلا بنا دیتا ہے، اسی طرح اُس وقت جو بھلائی سامنے آئے گی وہ بدی و برائی کے گرد وغبار سے آلودہ ہوگی، بایں طور کہ لوگوں کے دلوں میں صفائی اور خلوص نہیں ہوگا، جو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھا، اور عقیدے صحیح اور اعمال صالح نہیں ہوں گے، امراء وسلاطین کا نظم مملکت اس عدل وانصاف پر مبنی نہ ہوگا جو پہلے زمانہ میں پایا جاتا تھا، مسلمانوں کے قائد ورہنما مخلص (بے غرض اور دین وملت کے سچے خادم) نہیں ہوں گے، برائیوں کا ظہور ہوگا، بدعتیں پیدا ہوں گی، بدکار لوگ نیکوکاروں کے ساتھ اور اہل بدعت، اہل سنت کے ساتھ خلط ملط رہیں گے۔

''تم ان میں دیندار بھی دیکھو گے اور بے دین بھی'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بھلائی

وبرائی دونوں کے ساتھ خلط ملط رکھنے کی وجہ سے متضاد اور مختلف اعمال وکردار کے حامل ہوں گے، ان کی زندگی میں منکر بھی ہوگا اور معروف کا بھی عمل دخل ہوگا۔

(مظاہر حق جدید: ۲۲۶/۶)

جہنم کے داعیوں کا دور:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے پھر عرض کیا کہ کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا دور ہوگا؟

فرمایا کہ ''ہاں ایسے لوگ ہوں گے جو جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوکر اپنی (گمراہیوں کی طرف) بلانے والے ہوں گے، جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا، وہ اس کو جہنم میں دھکیل دیں گے''

یعنی مفاد پرست اور گمراہ لوگوں کی ایک جماعت ہوگی جو لوگوں کو طرح طرح کے فریب اور مکاریوں کے ذریعہ اور مختلف قسم کے لالچ اور بہلاوؤں کے راستہ سے گمراہی کی دعوت دیں گے اور ہدایت و نیکی کے راستہ سے روکیں گے اور خیر سے شر کی طرف، سُنت سے بدعت کی طرف، زہد سے دنیا میں رغبت کی طرف، راہ بتائیں گے اور چونکہ یہ گمراہی کا راستہ جہنم کا راستہ ہے اس لئے حضور ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہیں لہٰذا جو اُن کی مانے گا، وہ اسکو اپنے ساتھ جہنم میں لئے جائیں گے۔

آج مختلف بدعات وخرافات کو مزین کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرنے والے پیش کررہے ہیں، کوئی اسلاف پر تنقید کی بدعت میں مبتلا ہے اور اس کا نام توحیدِ خالص اور سنتِ خالصہ کی دعوت رکھا ہوا ہے، جبکہ اس کے پیچھے صرف اور صرف اسلاف سے اُمت کو کٹانے کی سازش کارفرما ہے، کوئی اولیاء اور اسلاف کی محبت کا دم بھر کر، اُن کے عشق ومحبت کا نعرہ لگا کر،

شرک وکفر کی دعوت دے رہا ہے اور مزارات اولیاء کو شرک کا اڈہ بنایا ہوا ہے اور اس کا نام مسلکِ اہلِ سنت رکھا ہوا ہے اور اپنے کو سنی مسلمان اور سب کو غیر سنی بتا کر گمراہی پھیلا رہا ہے، ایک طرف تجدد پسند طبقہ اپنی بے بصیرتی اور لاعلمی وجہالت کے باوجود مجتہد بنا ہوا ہے اور اپنی عقل نارسا اور کج فکری سے دین میں رائے دینے کی جرأت کر رہا ہے اور دین کو اہل دین کے بجائے اپنے جیسے دنیادار اور جاہل لوگوں سے سیکھنے کی دعوت دے رہا ہے اور علماء دین کا مذاق اڑانا، اسلاف کے کارناموں کی تحقیر وتنقید کرنا، انکی تشریحات وتفہیمات سے اُمت کا اعتماد اٹھانا، اس طبقہ کا محبوب مشغلہ ہے اور اس طرح من مانی چیزوں کو دین اور اصلی دین کو بے دینی کہہ کر لوگوں کو گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے، ایک طرف قادیانیت سر اٹھا رہی ہے اور اپنے من گھڑت مذہب کو دین اسلام کہہکر لوگوں کو گمراہ کر رہی ہے، اور ختم نبوت کی غلط تشریح وتفہیم کر کے، لوگوں کو بے دین بنا رہی ہے اور یہی نہیں بلکہ اس طرح نہ معلوم کتنے فتنے ہیں جو جہنم کے دروازوں پر اپنے داعیوں کو کھڑا کر کے لوگوں کے لئے دین کی اصلی راہ کو بند کر رہے ہیں اور گمراہیوں اور بے دینیوں کا راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

داعیانِ جہنم کون ہوں گے؟

حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان جہنم کے داعیوں کے بارے میں، یہ بتائیے کہ وہ کون اور کیسے ہوں گے؟ (آیا وہ مسلمانوں میں سے ہوں گے یا کفار میں سے ہوں گے) اس پر آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ ہم میں سے ہوں گے اور ہماری زبان میں بات چیت کریں گے۔

غالباً حضرت حذیفہ ؓ کے سوال کا منشا یہ ہے کہ جہنم کے داعیوں کے بارے میں یہ معلوم

کریں کہ وہ کون لوگ ہوں گے یعنی مسلمانوں میں سے شمار کئے جانے والے ہوں گے یا غیر مسلم؟ اس لئے کہ جہنم کا راستہ بتانے والے بظاہر تو مسلمان نہیں ہو سکتے؟

اس کا اللہ کے نبی علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ لوگ ہمارے میں سے ہوں گے اور ہماری زبان میں بات چیت کریں گے۔

''ہمارے میں سے ہوں گے'' کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ہمارے خاندان سے ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ ہم مسلمانوں میں سے ہوں گے یعنی لوگ ان کو مسلمان سمجھیں گے یا وہ اسی ملت میں ظاہر ہوں گے جیسا کہ عموماً ہوا ہے کہ اہل اسلام میں سے ہی گمراہ ہو کر بعض لوگ دائمی جہنمی ہو جاتے ہیں۔

''ہماری زبان میں بات چیت کریں گے'' اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ وہ عربی زبان میں بات چیت کریں گے، اس میں اشارہ ہے کہ یہ اہل عرب سے ہوں گے، چنانچہ بعض گمراہ لوگ اہل عرب سے ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو جہنم کی دعوت دی اور یہ بھی ممکن ہے کہ غیر عرب سے ہو کر بھی بات چیت عربی میں کریں اور اس فضیلت مآب زبان کو گمراہی پھیلانے کا ذریعہ بنالیں۔

دوسرا معنی اس جملہ کا یہ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ہماری زبان یعنی اسلامی و دینی انداز کی بات چیت کریں گے، مثلاً قرآن وحدیث کے حوالہ دیں گے اور اسلامی اصطلاحات میں کلام کریں گے تاکہ لوگ قرآن وحدیث کے حوالہ سن کر اور ان اسلامی اصطلاحات کو دیکھکر ان کی دعوت پر لبیک کہیں، اور یہی معنی اس جگہ مناسب ہیں اور یہ بات مشاہد بھی ہے، چنانچہ جس قدر ضال و مضل لوگ پیدا ہوئے وہ سب اپنی گمراہ کن باتوں پر قرآن وحدیث کو اپنے سیاق وسباق سے

ہٹا کر، من مانی تشریحات کر کے پیش کرتے ہیں یا اسلامی اصطلاحات کے ذریعہ ان کو متاثر کر نے کی کوشش کرتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

اور میرے خیال میں یہ جملے اس طرف اشارہ کرنے کے لئے ہیں کہ یہ جہنم کے داعی جس فتنہ کو لیکر آئیں گے وہ دین کے نام پر اٹھنے والا فتنہ ہوگا، یہ بدعات کا فتنہ ہوگا جس کو ثابت کرنے یہ جہنم کے داعی ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے اور اس کے لئے قرآن وحدیث کے حوالہ ودلائل بھی دیں گے، اور اِن میں من مانی تشریحات اور معنوی تحریفات سے کام لیں گے، آج اس قسم کے بے شمار فتنے لوگوں کے درمیان گشت کررہے ہیں جیسے شیعیت، خارجیت، اعتزال، نیچریت قادیانیت، انکار حدیث، تجدد پسندی وغیرہ جو سب کے سب دین کے نام پر اٹھیں ہیں، ان میں سے بعض فتنے اب جماعت کی شکل میں موجود نہیں ہیں، تاہم اس مٰن شک نہیں کہ ان کے اثرات وبقایاجات، اب بھی مختلف گمراہ جماعتوں میں پائے جاتے ہیں۔

فتنوں کے دور میں راہِ عمل :

حضرت حذیفہ ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں، اگر مجھے وہ زمانہ مل جائے؟ آپ نے فرمایا کہ "تم مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑلو" حضرت حذیفہ ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت ہی نہ ہو اور نہ ان کا کوئی امام، تو کیا کروں؟ فرمایا کہ پھر ان تمام فرقوں سے الگ رہو، اگر چہ اس کے لئے تم کو کسی درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے یہاں تک کہ تم کو موت آجائے اور تم اسی یکسوئی کی حالت پر رہو"۔

اس میں حضرت حذیفہ ﷛ نے بڑا اہم سوال فرمایا، اور وہ اگر چہ ان فتنوں کے دور سے

نہیں گذرے مگر انہوں نے فتنوں کے بارے میں سوال کر کے اُمت پر اور خصوصاً فتنوں کے ان ادوار سے گذرنے والوں پر بڑا احسان فرمایا، سوال کیا ہے؟ ہر دل کی آواز ہے کہ ان فتنوں میں ہم کو کیا کرنا چاہئے؟

آپ نے فرمایا کہ ''مسلمانوں کی جماعت وامام کو لازم پکڑلو'' یعنی مختلف طور طریقوں اور گمراہ فرقوں کو چھوڑ کر تم قرآن وحدیث اور اسلاف کے طریقہ پر چلنے والے مسلمانوں کے ساتھ مل جاؤ، جن کو اہل السنۃ والجماعۃ کہا جاتا ہے اور انہی کے طریقہ پر چلو اور ان کے قائد وامام وامیر کی اطاعت کرتے رہو۔

تنبیہ:

یہاں ہم نے جو'' اہل السنۃ والجماعۃ'' کا ذکر کیا ہے، اس سے وہ گمراہ فرقہ مراد نہیں جو ہزاروں خرافات وبدعات، بلکہ اولیاء اللہ کی مزارات پر شرکیات کر کے بھی ''برعکس نام نہند زنگی کافور'' کے بمصداق، عوام الناس کو دھوکہ دینے کیلئے اہلِ سنت کا لیبل لگائے ہوئے ہے، بلکہ ہماری مراد اس سے اصلی اہلِ سنت ہیں جن کی تعریف حدیث رسول اللہ ﷺ میں اس طرح فرمائی گئی ہے کہ ﴿ ما انا علیہ واصحابی ﴾ (یعنی اہلِ سنت وہ ہیں جو اس طریقے پر قائم ہوں جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں) (ترمذی: ۲۵۶۵) اسلئے اہل سنت کی پہچان کے لئے عمل وعقیدہ کو دیکھو کہ سنت اور صحابہ کے طریقے کے مطابق ہے یا نہیں؟، اور صرف اہل سنت کا نام کسی نے رکھ لیا ہو تو وہ اہل سنت ہونے کے لئے کافی نہیں، اس لئے اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

اس حدیث نے بتادیا کہ مختلف جماعتیں اور گروہ، باطل نظریات وگمراہ عقائد کی دعوت میں لگے ہوں تو راہ عمل یہ ہے کہ حقیقی اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل ہو کر ان کے مطابق چلنا چاہئے

اوران کے امام وامیر کی اطاعت کرنا چاہئے اور موجودہ دور میں اہل سنت، مذاہب اربعہ (شافعی، حنفی، مالکی، حنبلی) کے ماننے والوں میں منحصر ہیں۔

آج بھی ہزاروں بدعات وخرافات اور گمراہ کن نظریات وخیالات کی دعوت کے دور میں اہل سنت کا وجود ہے اور صحیح دین پر چلنے کی راہ موجود ہے، لہٰذا اس جماعت میں شامل ہوکر اپنا دین بچانا چاہئے اور آج کے دور میں یہ صرف ان چار مذاہب کے ماننے والوں میں منحصر ہے، جیسا کہ تتبع سے ظاہر ہے اور جو ان سے ہٹ گیا وہ اہل زیغ وضلال میں سے ہوگا، یا کم از کم اہل زیغ وضلال کا آلۂ کار ہوگا، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

اگر مسلمانوں کی جماعت وامیر نہ ہوتو ؟

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسی سلسلہ میں دوسرا سوال یہ بھی کرلیا کہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعتِ حقہ ہی نہ ہو اور نہ ان کا کوئی امیر ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

آپ نے فرمایا کہ ''پھر کسی جگہ یکسوئی حاصل کرو اور سب گمراہ جماعتوں سے الگ رہو اور اس کے لئے کسی درخت کی جڑ میں جاکر پناہ لینا پڑے تو وہ بھی کرو، یہاں تک کہ موت آجائے''

اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ''میرے بعد ایسے قائد پیدا ہوں گے جو میری روش کے خلاف چلیں گے اور چلائیں گے اور ایسے آدمی ہوں گے جو جسم کے لحاظ سے انسان ہوں گے مگر ان کے دل شیطان جیسے ہوں گے''

یعنی مکر وحیلہ سازی، دھوکہ وفریب دہی اور چالبازی وچالاکی وغیرہ ان میں شیاطین جیسی ہوگی، حضرت حذیفہ نے اس پر سوال کیا کہ میں اگر اس وقت کو پاؤں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ امیر کی اطاعت کرو اور اس کی مانو اگرچہ تمہارے پیٹ پر مارا جائے اور تمہارا مال لے لیا

جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ملک میں مسلمانوں کا نظامِ سلطنت قائم ہے اور مسلمانوں کا کوئی امیر ہے تو وہاں اس کی سمع وطاعت ضروری ہے، اس کی اطاعت سے نکلنا جائز نہیں، اس وقت دین کی حفاظت اس میں ہے، اگر چہ وہ ظالم ہو، اور مار پیٹ کرتا ہو، مال ہڑپ کر لیتا ہو، تا ہم بغاوت نہ کرنا چاہئے، ورنہ غیر قومیں مسلمانوں کو اُچک لیں گی، ہاں غیر شرعی امور میں امام کی اطاعت نہ کرے جیسا کہ معلوم ہے اور اس پر کلام گذر چکا ہے۔

حدیث ﴿۷۶﴾

﴿عَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيْدٍ ﷺ قَالَ: ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا فَقَالَ: ذَاكَ عِنْدَ اَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ، قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَنُقْرِءُهُ اَبْنَاءَ نَا وَيُقْرِءُهُ اَبْنَاءُ نَا اَبْنَاءَ هُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ زِيَادُ! اِنْ كُنْتُ لَاَرَاكَ مِنْ اَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ، اَوَلَيْسَ هٰذِهِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ، لَا يَعْمَلُوْنَ بِشَيْئٍ مِّمَّا فِيْهِمَا﴾

(ترجمہ: حضرت زیاد بن لبید ﷺ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کسی ہولناک چیز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ "یہ اس وقت ہوگا جب علم جاتا رہے گا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور علم کیسے جاتا رہے گا جب کہ ہم خود قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں پڑھاتے ہیں، ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائیگی اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا؟ فرمایا: زیاد! تیری ماں تجھے گم پائے (یعنی تو مر جائے) میں تو تجھے مدینہ کے فقیہ تر لوگوں میں سے سمجھتا تھا (مگر تعجب ہے کہ تم تو

اتنی سی بات کو بھی نہیں سمجھ پائے، آخر تمہیں علم کے اٹھ جانے پر تعجب کیوں ہونے لگا؟) کیا یہ یہود و نصاری تورات و انجیل نہیں پڑھتے ؟ لیکن ان کی کسی بات پر بھی تو عمل نہیں کرتے (اسی بدعملی کے نتیجہ میں یہ امت بھی وحی کی برکات کھو بیٹھے گی، پس بے معنی قیل و قال رہ جائے گی)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس حدیث کو حضرت زیاد سے ابن ماجہ نے کتاب الفتن میں برقم: (۴۰۴۸)، واحمد نے برقم: (۱۶۸۲۸)، ابن ابی شیبہ (۱۴۵/۶) نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کتاب العلم میں برقم: (۲۵۷۷) اس کے قریب قریب روایت کیا اور دارمی نے مقدمۂ سنن میں برقم: (۲۴۲) یہی حدیث حضرت ابوامامہ کی روایت سے ذکر کی ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اس کے ایک راوی معاویہ بن صالح مختلف فیہ ہیں، ان کے بارے میں حدیث نمبر: ۵۸ کے تحت بحث گذر چکی ہے، اور ابن ماجہ کی سند کے بارے میں مصباح الزجاجہ: (۱۹۴/۴) میں ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر یہ روایت منقطع ہے کیونکہ سالم ابن ابی الجعد کو زیاد سے سماع حاصل نہیں، میں کہتا ہوں کہ ابن ابی شیبہ اور احمد کی سند میں بھی یہی ابن ابی الجعد ہیں اور ان کی روایت بھی منقطع ہے، مگر یہ حدیث متعدد سندوں سے آنے اور پھر دارمی کی حضرت ابوامامہ والی حدیث کے شاہد ہونے کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے۔

جہالت ایک خطرہ ہے:

اس میں حضرت زیاد بن لبید ﷛ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی ہولناک وخطرناک بات کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ ہولناک بات اس وقت ہوگی جبکہ علم چلا جائے گا، اس سے اشارہ ملتا ہے کہ علم دین وعلماء کا اُٹھ جانا، ہولناکی وخطرناکی کے درآنے کا راستہ کھولتا ہے۔ لہٰذا علم دین کے پھیلانے اور لوگوں میں عام کرنیکی سبیلیں بنانا امت پر اس لئے بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ اس سے امت خطرات سے محفوظ رہتی ہے، مگر علم سے مراد وہ علم ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہو، ورنہ محض علم کافی نہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

علم بغیر عمل کے کافی نہیں:

حضرت زیاد ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! علم کیسے چلا جائیگا؟ جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور ہمارے بچوں کو بھی پڑھاتے ہیں اور ہمارے بچے بھی اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور اس طرح یہ سلسلہ تعلیم قرآن کا قیامت تک جاری وساری رہے گا؟ مطلب یہ کہ جب امت قرآن کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رکھے ہوئے ہے، تو علم کے چلے جانے اور ختم ہو جانے کی صورت کیا ہے؟

اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ''اے زیاد! تیری ماں تجھ پر روئے، میں تو تجھے مدینہ کا بڑا سمجھ دار آدمی خیال کرتا تھا، کیا یہ یہود ونصاری توریت وانجیل نہیں پڑھتے؟ مگر ان میں سے کسی بات پر بھی عمل نہیں کرتے؟''

مطلب یہ کہ جس طرح یہود ونصاری توریت وانجیل تو پڑھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے، اسی طرح قرآن کے الفاظ وحروف کو پڑھنے والے تو رہیں گے اور یہ سلسلۂ تعلیم بھی

جاری رہے گا مگر عمل کرنے والے نہ رہیں گے، خوفِ خدا ومحبت الٰہی، اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ وطہارت جیسے اوصاف واعمال مفقود ہو جائیں گے۔ اور صرف ظاہری ونمائشی انداز کی تعلیم رہ جائے گی اور ظاہر ہے کہ شریعت میں علم وہی ہے جو عمل کے ساتھ پایا جائے اور جو علم عمل سے خالی ہو، وہ جہالت ہے، یہود کے بارے میں قرآن پاک نے فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوْا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾

(یعنی جن لوگوں پر توریت کا بوجھ رکھا گیا تھا مگر انہوں نے (عمل کر کے) اسکو اٹھایا نہیں، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھا کر چلتا ہے) (سورۂ جمعہ: ۵)

اسی طرح جو آدمی کتابوں کو پڑھ لے اور بہت کچھ یاد کرلے مگر اس پر عمل نہ کرے، تو اس کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ رکھا گیا ہو، کیا کتابوں کے جو بوجھ کو اٹھا لینے سے وہ گدھا، عالم کہلائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ وہ اس شعر کا مصداق ہوگا:

نہ محقق شدی نہ دانشمند   چار پائے برو کتابے چند

اسی طرح بے عمل وبد کردار وبد اخلاق، کج بحث، مناظرہ باز، لفاظی کرنے والا، چکنی چپڑی باتیں کرنے والا، فی الواقع عالم نہیں ہے، عالم تو وہ ہے جس کو قرآن نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر: ۲۸)

(ترجمہ: اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں)

نیز حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ علم غیر نافع سے پناہ مانگتے تھے اور غیر نافع وہی علم ہے جس میں عمل کا جذبہ کارفرما ہو۔

علماء وطلبائے دین کے لئے لمحۂ فکریہ:

یہ حدیث سبھی اہل اسلام کو عموماً اور اہل مدارس وعلماء وحفاظ وقراء کو خصوصاً، دعوتِ فکر دے رہی ہے کہ صرف قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے کو کافی نہ سمجھ لیا جائے بلکہ ان کی اصل روح اور ان کے اصل منشا پر بھی توجہ دینے کا اہتمام کیا جائے، صرف الفاظ وحروف اور نقوش وخطوط کی اصلاح اور زبان و بیان، تقریر وخطابت میں ترقی ومہارت پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ان علوم کی روشنی میں ایمان کامل وعملِ خالص کو وجود میں لانے کی کوشش کی جائے، اخلاق میں بلندی، تہذیب میں نکھار اور معاملات میں سدھار کی طرف پیش رفت کی جائے، پڑھنے پڑھانے والوں میں اخلاص وللّٰہیت، خوف وخشیتِ الٰہیہ، محبت وتعلق مع اللہ، اتباعِ سنت اور تقوی وطہارت سے کا اہتمام ہونا چاہئے اور ان چیزوں سے وابستگی پیدا کرنا چاہئے ورنہ صرف یہود ونصاری کی طرح الفاظ وحروف کے پڑھ لینے اور نقوش وخطوط کو درست کر لینے اور زبان و بیان کی اصلاح کر لینے سے علم کی حقیقت نہیں ملجاتی۔

مدارس میں آج بنسبت دور ماضی کے اس میں بہت حد تک کمی وکجی پیدا ہوگئی ہے اور اہل مدارس بھی غیروں کی طرح اور اسکولوں کے نظام کی طرح صرف کچھ ظاہری ونمائشی صلاحیت کے پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔حالانکہ صلاحیت کے ساتھ اہل مدارس کو بالخصوص ''صالحیت'' کے پیدا کرنے کی فکر کرنا چاہئے تھا۔اگر دنیوی وعصری تعلیم گاہیں، اپنے طلبہ میں ''صلاحیت'' کے پیدا کرنے کی ذمہ دار ہیں، تو اہل مدارس اپنے طلباء میں صلاحیت اور صالحیت دونوں کے پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں، آج دنیوی تعلیم گاہوں سے نکلنے والا فساد اس وجہ سے نکل رہا ہے کہ وہاں صرف ''صلاحیت'' پیدا کردی جاتی ہے جسکو وہ لوگ دنیا میں فساد مچانے کے

…ے استعمال کرتے ہیں، ہاں اگر صلاحیت کے کھیت کو ''صالحیت'' کا پانی دیا جائے تو پھر اس سے …لاح وفلاح، نیکی وتقویٰ وغیرہ بہترین وعمدہ نتائج سامنے آئیں گے جو مکل وملت کے حق میں …ید ثابت ہوں گے۔ لہٰذا اہل مدارس کو اس حدیث کی روشنی میں اپنا سفر طے کرنا اور اس کے …طابق اپنے نصاب ونظام کا نقشہ بنانا چاہئے اور انہی خطوط پر اپنا تعلیمی وتربیتی سفر پورا کرنا …اہئے۔

حدیث (۷۷)

﴿اَخْرَجَ الْبَیْهَقِیُّ عَنِ ابْنِ اِسْحٰقَ فِیْ خُطْبَةِ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رضی اللہ عنہ …وْمَئِذٍ (اَیْ یَوْمَ سَقِیْفَةِ بَنِیْ سَاعِدَةَ) قَالَ: وَاِنَّهٗ لَا یَحِلُّ اَنْ یَّکُوْنَ لِلْمُسْلِمِیْنَ …یْرَانِ فَاِنَّهٗ مَهْمَا یَکُنْ ذَالِكَ یَخْتَلِفْ اَمْرُهُمْ وَاَحْکَامُهُمْ وَتَتَفَرَّقْ جَمَاعَتُهُمْ …تَنَازَعُوْا فِیْمَا بَیْنَهُمْ، هُنَالِكَ تُتْرَكُ السُّنَّةُ وَتَظْهَرُ الْبِدْعَةُ وَتَعْظُمُ الْفِتْنَةُ …لَیْسَ لِاَحَدٍ عَلٰی ذٰلِكَ صَلَاحٌ﴾

(ترجمہ: امام بیہقی نے براویت ابن اسحٰق نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے …سقیفہ بنی ساعدہ کے دن) خطبہ میں یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ بات تو کسی طرح درست نہیں کہ …سلمانوں کے دو امیر ہوں، کیوں کہ جب بھی ایسا ہوگا، ان کے احکام ومعاملات میں اختلاف …نما ہوجائے گا، ان کی جماعت تفرقہ کا شکار ہوجائے گی اور ان کے درمیان جھگڑے پیدا …جائیں گے، اسوقت سنت ترک کردی جائے گی، بدعت ظاہر ہوگی اور عظیم فتنہ برپا ہوگا اور اس …لت میں کسی کے لئے بھی خیر وصلاح نہیں ہوگی)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث :

اس اثر کو امام بیہقی نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے السنن الکبری: (۱۴۸/۸) میں روایت کیا ہے۔

اختلاف کے عناصر اور نتائج :

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس خطبۂ مبارک کا حصہ ہے جو آپ نے آقائے دوجہاں حضرت محمد ﷺ کے وصال کے بعد اسی دن سقیفہ بنی ساعدہ میں امارت وخلافت کے متعلق مشورہ ومباحثہ کے دوران دیا تھا، اس میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”مسلمانوں کے بیک وقت دوامیر نہیں ہوسکتے کیونکہ اس سے ان کے معاملات میں اختلاف ہوگا، ان کی جماعت میں افتراق ہوگا، اور وہ آپس میں لڑیں گے اور ایسا ہوگا تو سنت ترک کردی جائے گی، بدعت کا ظہور ہوگا اور فتنے بڑھ جائیں گے اور اس صورتِ حال میں کسی کے لئے بھی خیر وبھلائی نہیں ہوگی“

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس میں ملت کی وحدت کی ضرورت کو بیان کیا ہے اور وحدتِ ملت کو منتشر کرنے والے عناصر کی نشاندہی کی ہے کہ وہ مسلمانوں میں دوامیروں کا ہونا ہے۔ پھر آپ نے اس کے نتائج پر روشنی ڈالی ہے کہ جب دوامیر ہوں گے اور ہر ایک اپنی چلائے گا، تو اس کے نتیجہ میں امت میں فرقہ بندی ہوگی اور وہ آپس میں لڑیں گے اور یہ بات بالکل واضح ہے۔

پھر فرمایا کہ سنت متروک اور بدعت ظاہر ہوگی کیونکہ سب سے بڑی سنت تو امت میں اتحاد

قائم کرنا ہے اور اسی کے لئے اللہ کے نبی ﷺ نے تعلیم دی کہ تم پر ایک غلام کو بھی حاکم وامیر بنادیا جائے تو تم اس کی بھی اطاعت کرنا، اگر چہ اس کا سر انگور کی طرح ہو۔ (مشکوۃ:۳۱۹)

نیز فرمایا کہ "امیر کی طرف سے کوئی بری بات دیکھو تو اس پر صبر کرو کیونکہ جو کوئی جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدا ہوا اور مرا، تو وہ جاہلی موت مرا۔ (مشکوۃ:۳۱۹)

غرض اسلام نے سب سے پہلے اتحاد ملت کا درس دیا ہے اور دو امارتوں کا ہونا اس اتحاد کو پارہ پارہ کر دیتا ہے، اس لئے دو امیروں کا وجود، سنت کے خلاف ہے اور بدعت محدثہ ہے۔

پھر فرمایا کہ "فتنے بڑھ جائیں گے، اور کسی کے لئے بھی اس میں خیر نہیں ہوگی" یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جب دو دو امارتیں ایک دوسرے کی مخالف موجود ہونگی، تو فتنے ضرور بڑھیں گے اور یہ بات کسی ایک کیلئے بھی فائدہ مند نہ ہوگی۔ اسلئے بعض احادیث میں ہے کہ ایک امیر کے ہوتے ہوئے دوسرا دعویدار امارت آئے تو اس کو قتل کر دو جیسا کہ اوپر حدیث گذر چکی ہے۔

افسوس کہ آج ہر آدمی امیر بنا ہوا ہے، کوئی کسی کے تابع نہیں، امت کا شیرازہ پوری طرح منتشر ہے اور دور دور تک اس میں اتحاد واتفاق کے پیدا ہونے کی صورت نظر نہیں آتی، فالی اللہ المشتکی۔

حدیث ﴿۷۸﴾

﴿عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَان ﷺ اَنَّهُ صَعِدَ الْمِنْبَرَ يَوْمَ الْقَمَامَةِ فَقَالَ عِنْدَ خُطْبَتِهِ :اِنَّمَا الْمَالُ مَالُنَا، وَالْفَيْئُ فَيْئُنَا ،فَمَنْ شِئْنَا اَعْطَيْنَاهُ وَمَنْ شِئْنَا مَنَعْنَاهُ ، فَلَمْ يُجِبْهُ اَحَدٌ، فَلَمَّا كَانَ فِي الْجُمُعَةِ الثَّانِيَةِ قَالَ مِثْلَ ذَالِكَ، فَلَمْ

يُجِبُهُ اَحَدٌ]،فَلَمَّا كَانَ فِىْ الْجُمُعَةِ الثَّالِثَةِ قَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهٖ فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ مِّمَّنْ حَضَرَالْمَسْجِدَ فَقَالَ كَلَّا اِنَّمَا الْمَالُ مَالُنَا وَالْفَيْئُ فَيْئُنَا، فَمَنْ حَالَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهٗ حَاكَمْنَاهُ اِلَى اللّٰهِ بِاَسْيَافِنَا، فَنَزَلَ مُعَاوِيَةُ ﷺ فَاَرْسَلَ اِلَى الرَّجُلِ فَاَدْخَلَهٗ، فَقَالَ الْقَوْمُ: هَلَكَ الرَّجُلُ، ثُمَّ دَخَلَ النَّاسُ فَوَجَدُوْا الرَّجُلَ مَعَهٗ عَلَى السَّرِيْرِ فَقَالَ:مُعَاوِيَةُ ﷺ لِلنَّاسِ:اِنَّ هٰذَا اَحْيَانِىْ اَحْيَاهُ اللّٰهُ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: سَيَكُوْنُ بَعْدِىْ اُمَرَاءُ يَقُوْلُوْنَ وَلَا يُرَدُّ عَلَيْهِمْ، يَتَقَاحَمُوْنَ فِى النَّارِ كَمَاتَتَقَاحَمُ الْقِرَدَةُ، وَاِنِّىْ تَكَلَّمْتُ اَوَّلَ جُمُعَةٍ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَىَّ اَحَدٌ فَخَشِيْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنْهُمْ ثُمَّ تَكَلَّمْتُ فِى الْجُمُعَةِ الثَّانِيَةِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَىَّ اَحَدٌ، فَقُلْتُ فِى نَفْسِىْ:اِنِّىْ مِنَ الْقَوْمِ ،ثُمَّ تَكَلَّمْتُ فِى الْجُمُعَةِ الثَّالِثَةِ فَقَامَ هٰذَا الرَّجُلُ فَرَدَّ عَلَىَّ فَاَحْيَانِىْ، اَحْيَاهُ اللّٰهُ (حياة الصحابة : ٢ / ٦٨)

(ترجمہ: حضرت معاویہ ﷺ سے روایت ہے کہ وہ ''قمامہ'' کے دن منبر پر تشریف لے گئے اور دوران خطبہ فرمایا: مال ہمارا مال ہے، اور فیئ ہماری فیئ ہے، ہم جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں، ان کو کسی نے جواب نہیں دیا، [پھر دوسرے جمعہ میں بھی ایسا ہی فرمایا، اور ان کو کسی نے جواب نہیں دیا] پھر تیسرے جمعہ کو بھی یہی فرمایا، یہ سن کر حاضرین مسجد میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: ہرگز نہیں، مال ہمارا مال ہے اور فیئ ہماری فیئ ہے، پس جو شخص ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہوگا ہم اپنی تلوار کے ذریعہ اس کا محاکمہ بارگاہِ خداوندی میں پیش کریں گے، حضرت معاویہ ﷺ منبر سے اترے اور نماز جمعہ کے بعد اس شخص کو اپنی قیامگاہ پر بلایا، لوگوں نے آپس میں کہا کہ یہ آدمی تو مارا گیا، پھر دوسرے لوگ حضرت معاویہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئے تو دیکھا کہ وہ شخص چارپائی پر حضرت معاویہ ﷛ کے ساتھ بیٹھا ہے۔ حضرت معاویہ ﷛ نے لوگوں سے فرمایا: اس شخص نے مجھے موت سے بچالیا، اللہ تعالیٰ اسے جیتا رکھے۔ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میرے بعد کے زمانہ میں کچھ حاکم ہوں گے، جو الٹی سیدھی کہیں گے مگر کسی کو ان کے ٹوکنے کی ہمت نہیں ہوگی، یہ سب لوگ جہنم میں گھسیں گے، جس طرح بندر گھستے ہیں۔ حضرت معاویہ ﷛ نے فرمایا: میں نے (بطور امتحان) پہلے جمعہ کو وہ بات کہی مگر کسی نے مجھے ٹوکا نہیں، مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں میں بھی انہی حاکموں میں سے نہ ہوں، پھر دوسرے جمعہ کو یہی بات کہی اور کسی نے مجھے نہیں ٹوکا، تو مجھے یقین ہو چلا کہ میرا شمار بھی انہی حاکموں میں ہے۔ پھر میں نے تیسرے جمعہ کو یہی بات کہی تو اس شخص نے کھڑے ہو کر مجھے ٹوک دیا، پس اس نے مجھے زندہ کردیا، اللہ تعالیٰ اسے جیتا رکھے۔)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو ابو یعلی نے مسند: (۱۳/۴/۳۷۴) میں اور طبرانی نے معجم کبیر: (۱۹/۳۹۳) میں روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی ضمام بن اسماعیل کو بعض محدثین نے ضعیف ومتروک قرار دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ ثقہ ہیں، بہت سے محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (دیکھو میزان: ۳/ ۴۵۲، تہذیب التہذیب: ۴/۴۵۸) اور علامہ ہیثمی نے فرمایا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۵/۲۳۱) اس لئے یہ حدیث حسن ہوگی۔

دوزخی حکام کی پہچان:

اس میں حضرت معاویہ ﷺ کا ایک قصہ بیان کیا گیا ہے جو اوپر دیئے گئے ترجمہ سے واضح ہے۔اس کے ضمن میں حضرت معاویہ ﷺ نے حدیث ارشاد فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''میرے بعد کچھ حاکم ایسے ہوں گے جو (غلط سلط اور الٹی سیدھی باتیں) کہیں گے مگران پر رد نہ کیا جا سکے گا، یہ لوگ جہنم میں ایسے گھسیں گے جیسے بندر گھستے ہیں''

یعنی جس طرح بندر ایک دوسرے کو دھکا دے کر یا بلا سوچے سمجھے گھستے ہیں اسی طرح یہ امراء و حکام بھی جہنم میں ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہوئے، گھس جائیں گے، جو الٹی سیدھی ہانکیں گے مگران کے ظلم وزیادتی کے خوف سے کوئی ان کی بات کا رد نہ کر سکے گا۔

حضرت امیر معاویہ ﷺ اپنے متعلق آزمانا چاہتے تھے کہ کہیں وہ انہی امراء و حکام میں سے نہ ہوں اور اس وجہ سے وہ پریشان بھی تھے لیکن جب ان کی ایک غلط بات پر ایک شخص نے ٹوکدیا تو آپ کو سکون ہوا اور آپ نے اسکو دعاء دی کہ اللہ تعالیٰ اسکو جیتا رکھے کہ اس نے مجھ کو زندہ کر دیا یعنی تباہی سے بچالیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امراء و حکام کی اغلاط و برائیوں پر روک ٹوک بہت ضروری ہے اور جو حکام لوگوں کو اس کا حق نہیں دیتے، وہ ظالم و خدا کے باغی ہیں اور جہنم میں گرنے والے ہیں۔

اسلامی ملکوں کے حکام کی حالت:

آج متعدد اسلامی ملکوں کے سربراہ اسی طرح کے ظلم و بربریت کے علمبردار ہیں جن کے سامنے صرف ہاں ہاں کرنے والے علماء و چاپلوسی و غلامی کرنے والے طبقہ کو بولنے اور کہنے سننے

کی اجازت ہے اوران پر تنقید اوران کی اغلاط و برائیوں کی تردید اوران کے مظالم اور زیادتیوں پرروک ٹوک کرنے والے علماءِ حق کے لئے سوائے قید و بند کے اور کچھ نہیں ہے۔علماءِ حق ان پر تنقید کرتے ہیں تو خوش ہونے کے بجائے ان کی معزولی کے فرامین جاری ہوتے اور قید و بند کی صعوبتوں کی دھمکیاں دی جاتی ہیں،یا قید و بند کے حوالہ کردئے جاتے ہیں۔اس قسم کے امراء وحکام یقیناً اس حدیث کے مصداق ہیں۔

حدیث ﴿۷۹﴾

﴿عَنْ رَافِعِ الطَّائِیْ قَالَ: صَحِبْتُ اَبَا بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ رضی اللہ عنہ فِیْ غَزْوَۃٍ فَلَمَّا قَفَلْنَا قُلْتُ : یَا اَبَا بَکْرٍ ،اَوْ صِنِیْ قَالَ :اَقِمِ الصَّلٰوۃَ الْمَکْتُوْبَۃَ لِوَقْتِھَا وَاَدِّ زَکٰوۃَ مَالِکَ طَیِّبَۃً بِھَا نَفْسُکَ وَصُمْ رَمَضَانَ وَاحْجُجِ الْبَیْتَ وَاعْلَمْ اَنَّ الْھِجْرَۃَ فِی الْاِسْلَامِ حَسَنٌ وَاِنَّ الْجِھَادَ فِی الْھِجْرَۃِ حَسَنٌ، وَلَا تَکُنْ اَمِیْرًا ،ثُمَّ قَالَ ھٰذِہِ الْاِمَارَۃُ الَّتِیْ تَرٰی الْیَوْمَ سَیْرَۃً قَدْ اَوْشَکَتْ اَنْ تَفْشُوَ وَتَکْثُرَ حَتّٰی یَنَالَھَا مَنْ لَیْسَ لَھَا بِاَھْلٍ وَاِنَّہٗ مَنْ یَّکُنْ اَمِیْرًا فَاِنَّہٗ مِنْ اَطْوَلِ النَّاسِ حِسَابًا وَاَغْلَظِہٖ عَذَابًا ، وَمَنْ لَّا یَکُوْنُ اَمِیْرًا فَاِنَّہٗ مِنْ اَیْسَرِ النَّاسِ حِسَابًا وَاَھْوَنِہٖ عَذَابًا لِاَنَّ الْاُمَرَاءَ اَقْرَبُ النَّاسِ مِنْ ظُلْمِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّظْلِمُ الْمُؤْمِنِیْنَ فَاِنَّمَا یَخْفِرُاللّٰہَ، ھُمْ جِیْرَانُ اللّٰہِ وَھُمْ عِبَادُاللّٰہِ ، وَاللّٰہِ اِنَّ اَحَدُکُمْ لَتُصَابُ شَاۃُ جَارِہٖ اَوْ بَعِیْرُ جَارِہٖ فَیَبِیْتُ وَارِمَ الْعَضَلِ یَقُوْلُ :شَاۃَ جَارِیْ اَوْبَعِیْرُجَارِیْ، فَاِنَّ اللّٰہَ اَحَقُّ اَنْ یَّغْضَبَ لِجِیْرَانِہٖ﴾

(ترجمہ: رافع طائی کہتے ہیں کہ میں ایک جہاد میں حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کا رفیق تھا، واپسی پر میں نے کہا، اے ابوبکر! مجھے کوئی نصیحت کیجئے، فرمایا: فرض نمازیں ٹھیک وقت پر پڑھا کرو، اپنے مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے دیا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کیا کرو، دیکھو اسلام میں ہجرت بڑی اچھی بات ہے اور ہجرت میں جہاد بہت خوب ہے اور حاکم نہ بننا، پھر فرمایا: یہ امارت جو آج تمہیں ٹھنڈی نظر آتی ہے، بہت جلد یہ پھیل جائے گی اور زیادہ ہو جائے گی، یہاں تک کہ ان لوگوں کے ہاتھ لگے گی جو اس کے اہل نہیں ہوں گے حالانکہ جو شخص حاکم بن جاتا ہے اس کا حساب طویل تر اور عذاب سخت تر ہوگا، اور جو شخص امیر نہ بنے اس کا حساب نسبتاً آسان اور عذاب ہلکا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکام کو مسلمانوں پر ظلم کا موقعہ نسبتاً زیادہ ملتا ہے، اور جو شخص مسلمانوں پر ظلم کرتا ہے وہ عہد خداوندی کو توڑتا ہے۔ اہل ایمان اللہ کے ہمسایہ اور اس کے بندے ہیں، تم میں سے کسی کے ہمسایہ کی بکری یا اونٹ کو آفت پہنچے تو ساری رات پریشانی میں گزارتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے ہمسایہ کی بکری، میرے ہمسایہ کا اونٹ، پس یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ وہ اپنے ہمسایہ کی تکلیف پر غضب ناک ہو)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس اثر کو بیہقی نے شعب الایمان: (٥٢/٦) میں، ابن المبارک نے مختصراً کتاب الزهد میں برقم: (٦٧٤) میں اور معمر بن راشد نے اپنی جامع: (٣٢٢/١١) میں روایت کیا ہے اور ابو جعفر طبری نے اس کو معلقاً الریاض النضرۃ: (٢/ ٢٣٢) میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی سند میں "

بعض الطائیین'' آیا ہے یعنی قبیلۂ طی کے ایک شخص نے روایت کیا ہے اور وہ مجہول ہے، لہٰذا روایت ضعیف ہے۔ مگر اس کو ایک دوسرے طریق سے طبرانی نے اپنی معجم کبیر: (۲۱/۵) میں روایت کیا ہے، اور علامہ ہیثمیؒ نے اس کے تمام رواۃ کو ثقہ فرمایا ہے (مجمع الزوائد: ۲۰۲/۵) اس لئے یہ ضعف ختم ہوگیا اور حدیث حسن ہوگی۔

ہجرت و جہاد کی فضیلت:

اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کچھ نصیحتیں ہیں، جو آپ نے حضرت رافع طائی کی درخواست پر ارشاد فرمائی تھیں، یہ حضرت رافع الطائی صحابی ہیں جیسا کہ ابن حجر نے (الاصابۃ: ۴۹۷/۱) میں ذکر میں ہے، ان نصائح میں سے بہت سی باتیں تو عام نصائح کی قبیل سے ہیں جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے بارے میں نصیحت، لہٰذا ہم ان کو چھوڑ کر ان میں سے اہم نصائح پر کلام کرتے ہیں:

(۱) اعلم ان الھجرۃ فی الاسلام حسن " (اسلام میں ہجرت بڑی اچھی چیز ہے) اس میں ہجرت الی اللہ والی الرسول کی فضیلت بیان فرمائی کہ اگر آدمی کسی ایسی جگہ رہتا ہے جہاں اسلام پر چلنا اس کے لئے مشکل ہوجائے، تو وہ محض اللہ ورسول کی اطاعت کے جذبہ سے اس ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے، یہ بہت پسندیدہ بات ہے۔

شروع اسلام میں ہجرت فرض تھی اور ہجرت نہ کرنے والوں پر قرآن پاک میں عتاب نازل ہوا، مگر بعد میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمادیا کہ ''لا ھجرۃ بعد الفتح '' (یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے، یا ضروری نہیں ہے) (ریاض الصالحین: ۷، مشکوۃ شریف: ۳۳۱)

(۲) ان الجھاد فی الھجرۃ حسنٌ "(ہجرت کے دوران جہاد بھی بہتر بات

ہے) یعنی اپنے ملک ووطن کو دین کے لئے چھوڑنے کے بعد اس دوران میں جہاد کا موقعہ آئے، تو جہاد کرنا بھی اسلام میں عمدہ بات ہے اور فضیلت کا کام ہے۔

ناھلوں کی حکومت:

(۳) ولا تکن امیرا الخ (یعنی تم امیر نہ بنو، یہ امارت جو آج تمہیں آہستہ آہستہ چلتی دکھائی دیتی ہے، یہ عنقریب پھیل جائے گی اور زیادہ ہوجائے گی، یہاں تک کہ یہ ان لوگوں کے ہاتھ لگے گی جو اس کے اہل نہیں ہیں)

اس میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نصیحت فرمائی کہ امیر نہ بنو اور یہ بات حدیث میں بھی آئی ہے کہ دو آدمیوں کے بھی امیر نہ بنو۔ (مسلم، مشکوۃ:۳۲۰)

پھر جو فرمایا کہ ''امارت پھیل جائے گی اور زیادہ ہوجائے گی'' یہ حرف بحرف صادق آرہا ہے کہ ہر ایرے غیرے اور بدتر سے بدتر کے ہاتھ یہ حکومت وریاست کے عہدے آگئے اور زیادہ تر بدکار، فساق وفجار لوگ اس پر قابض ہیں حتی کہ اسلامی مملکتوں کے بیشتر سربراہ بھی اسی قماش کے لوگ ہیں، جو قطعاً اس منصب کے اہل وحقدار نہیں۔

حاکموں پر سخت عذاب کی وجہ :

(۴) اس کے بعد فرمایا کہ ''جو حاکم بن جاتا ہے، اس کا حساب طویل تر اور عذاب سخت تر ہوگا اور جو حاکم نہ بنے اس کا حساب نسبتاً آسان اور عذاب ہلکا ہوگا'' یعنی اگر کوئی آدمی بُرا ہو اور عذاب کا مستحق ہو مگر وہ حاکم نہ بنے تو اسکا عذاب حاکم بننے والے گنہگار سے کم ہوگا۔

(۵) پھر حاکموں کو زیادہ اور سخت عذاب ہونے کی وجہ بتائی کہ ''چونکہ ان کو لوگوں پر اور خصوصاً اہل اسلام پر ظلم کرنے کا موقعہ زیادہ ملتا ہے، اس لئے عذاب زیادہ وسخت ہوگا'' ظالم

حکمراں پر اسلام میں بڑی سخت سزاؤں کا ذکر ہے، ایک حدیث میں فرمایا کہ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے مبغوض اور سب سے سخت عذاب والا ظالم بادشاہ ہوگا۔

(مشکوۃ: ٣٢٢)

غرض حاکموں کو اپنی حکومت وطاقت کے بل پر ظلم کرنے کا موقعہ ملتا ہے اور وہ ظلم کرتے ہیں اس لئے دیگر گنہگاروں کے بالمقابل ان پر زیادہ اور سخت عذاب ہوگا۔

(٦) پھر ان امراء وحکام کی خدا کی طرف سے پکڑ پر مثال دی کہ جس طرح کسی کے ہمسایہ و پڑوسی میں بکری یا اونٹ پر کوئی مصیبت آئے تو یہ آدمی رات بھر پریشان رہتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر کوئی ظلم کرے تو غضبناک ہوتے اور پکڑ کرتے ہیں کیونکہ اہل اسلام اللہ کے پڑوسی اور اللہ کے مخصوص بندے ہیں۔ اور ابن المبارک کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مسلمان ''عواذ اللہ'' یعنی اللہ کی پناہ میں ہیں۔

حدیث (٨٠)

﴿عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَوْقَةَ قَالَ: اَتَيْتُ نُعَيْمَ بْنَ اَبِىْ هِنْدٍ، فَاَخْرَجَ اِلَىَّ صَحِيْفَةً، فَاِذَا فِيْهَا مِنْ اَبِىْ عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّا عَهِدْنَاكَ وَاَمْرُ نَفْسِكَ لَكَ مُهِمٌّ، فَاَصْبَحْتَ قَدْ وَلِيْتَ اَمْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَحْمَرِهَا وَاَسْوَدِهَا، يَجْلِسُ بَيْنَ يَدَيْكَ الشَّرِيْفُ وَالْوَضِيْعُ، وَالْعَدُوُّ وَالصَّدِيْقُ وَلِكُلٍّ حِصَّتُهٗ مِنَ الْعَدْلِ فَانْظُرْ كَيْفَ اَنْتَ عِنْدَ ذَالِكَ يَا عُمَرُ! فَاِنَّا نُحَذِّرُكَ يَوْمًا تَعْنٰى فِيْهِ الْوُجُوْهُ، وَتَجِفُّ

فِيهِ الْقُلُوبُ، وَتَنْقَطِعُ فِيهِ الْحُجَجُ لِحُجَّةِ مَلِكٍ قَهَرَهُمْ بِجَبَرُوتِهِ فَالْخَلْقُ دَاخِرُونَ لَهُ، يَرْجُونَ رَحْمَهُ، وَيَخَافُونَ عِقَابَهُ وَإِنَّا كُنَّا نُحَدِّثُ: أَنَّ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ سَيَرْجِعُ فِي اٰخِرِ زَمَانِهَا إِلَى أَنْ يَكُونُوا إِخْوَانَ الْعَلَانِيَةِ، أَعْدَاءَ السَّرِيرَةِ وَإِنَّا نَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ يُنْزَلَ كِتَابُنَا إِلَيْكَ سِوَى الْمُنْزِلِ الَّذِي نَزَلَ مِنْ قُلُوبِنَا، فَإِنَّمَا كَتَبْنَا بِهِ نَصِيحَةً لَكَ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔

فَكَتَبَ إِلَيْهِمَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ﷺ

"مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِلَى أَبِي عُبَيْدَةَ وَمُعَاذٍ"

سَلَامٌ عَلَيْكُمَا أَمَّا بَعْدُ: أَتَانِي كِتَابُكُمَا تَذْكُرَانِ أَنَّكُمَا عَهِدْتُمَانِي وَأَمْرُ نَفْسِي مُهِمٌّ فَأَصْبَحْتُ قَدْ وُلِّيتُ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَحْمَرِهَا وَأَسْوَدِهَا يَجْلِسُ بَيْنَ يَدَيَّ الشَّرِيفُ وَالْوَضِيعُ وَالْعَدُوُّ وَالصَّدِيقُ، وَلِكُلٍّ حِصَّتُهُ مِنَ الْعَدْلِ، كَتَبْتُمَا: فَانْظُرْ كَيْفَ أَنْتَ عِنْدَ ذَالِكَ يَا عُمَرُ وَإِنَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ لِعُمَرَ عِنْدَ ذَالِكَ إِلَّا بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَكَتَبْتُمَا تُحَذِّرَانِي مَا حُذِّرَتْ مِنْهُ الْأُمَمُ قَبْلَنَا، وَقَدِيمًا كَانَ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ بِآجَالِ النَّاسِ يُقَرِّبَانِ كُلَّ بَعِيدٍ وَيُبْلِيَانِ كُلَّ جَدِيدٍ وَيَأْتِيَانِ بِكُلِّ مَوْعُودٍ حَتّٰى يَصِيرَ النَّاسُ إِلَى مَنَازِلِهِمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ۔ كَتَبْتُمَانِي تُحَذِّرَانِي أَنَّ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ سَيَرْجِعُ فِي اٰخِرِ زَمَانِهَا إِلَى أَنْ يَكُونُوا إِخْوَانَ الْعَلَانِيَةِ، أَعْدَاءَ السَّرِيرَةِ وَلَسْتُمْ بِأُولٰئِكَ، وَلَيْسَ هٰذَا بِزَمَانِ ذَاكَ، وَذَالِكَ زَمَانٌ تَظْهَرُ فِيهِ الرَّغْبَةُ وَالرَّهْبَةُ، تَكُونُ رَغْبَةُ النَّاسِ بَعْضِهِمْ إِلَى بَعْضٍ لِإِصْلَاحِ دُنْيَاهُمْ، كَتَبْتُمَا تُعَوِّذَانِي بِاللّٰهِ أَنْ أُنْزِلَ

كِتَابُكُمَا سِوَى الْمُنَزِّلِ الَّذِیْ نَزَلَ مِنْ قُلُوْبِكُمَا وَاِنَّكُمَا كَتَبْتُمَا بِهٖ نَصِيْحَةً وَقَدْ صَدَقْتُمَا، فَلَا تَدَعَا الْكِتَابَ اِلَیَّ فَاِنَّهٗ لَا غِنٰی لِیْ عَنْكُمَا۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمَا۔

(ترجمہ: محمد بن سوقہ کہتے ہیں میں نعیم بن ابی ہند کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھے ایک خط دکھایا، جس میں لکھا تھا:

''ازطرف ابوعبیدہ بن جراح ومعاذ بن جبل: بخدمت عمر بن خطاب ﷺ:

السلام علیکم .... ہم آپ کو آپ کے منصب کی نزاکت کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ اس امت کے سیاہ وسفید کا معاملہ آپ کے سپرد ہے۔ آپ کے سامنے شریف بھی پیش ہوگا اور رذیل بھی، دوست بھی اور دشمن بھی، اور ہر ایک کو اس کے انصاف کا حق ملنا چاہئے، اب آپ کو دیکھنا یہ ہے کہ اس موقع پر آپ کا طرزِ عمل کیا ہوگا؟ ہم آپ کو اس دن سے ڈراتے ہیں جس میں چہرے سرنگوں اور دل خشک ہوں گے، خدائے قہار کی حجت کے سامنے سب کی حجتیں دھری رہ جائیں گی، ساری مخلوق اس کے سامنے ناک رگڑتی ہوگی، لوگ اس کی رحمت کے امیدوار ہوں گے اور اس کے عذاب سے ترساں ولرزاں ہوں گے۔ اور ہم سے یہ حدیث بیان کی جاتی تھی کہ آخری زمانہ میں اس امت کی حالت ایسی ہوجائے گی کہ لوگ بظاہر بھائی بھائی ہوں گے مگر دلوں میں ایک دوسرے کی عداوت ہوگی۔ ہم نے یہ خط آپ کو محض از راہِ خیر خواہی لکھا ہے، خدارا اس خط کو اس دلی خیر خواہی کے علاوہ کسی اور بات پر محمول نہ کیا جائے۔

حضرت عمر ﷺ نے جواب میں لکھا۔

ازطرف عمر بن خطاب بخدمت ابوعبیدہ ومعاذ:

السلام علیکم ! امابعد: آپ کا خط ملا جس میں آپ نے یہ ذکر کیا کہ آپ حضرات میرے منصب کی نزاکت کی طرف مجھے متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس امت کے سیاہ وسفید کا معاملہ میرے سپرد ہو چکا ہے اور میرے سامنے شریف بھی پیش ہوگا اور رذیل بھی، دوست بھی اور دشمن بھی، اور ہر ایک کو اس کے انصاف کا حصہ ملنا چاہئے۔ آپ نے لکھا تھا کہ اب مجھے دیکھنا یہ ہے کہ میرا طرزِ عمل کیا ہوگا؟ (جواباً گذارش ہیکہ) اس موقعہ پر عمر کو بدی سے بچنے اور راستی پر جمنے کے لئے خدائی توفیق کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

آپ نے مجھے اس چیز سے بھی ڈرایا ہے جس سے پہلی امتوں کو ڈرایا گیا تھا، قدیم زمانہ ہی سے لیل ونہار کی گردش انسانوں کی مدتِ مہلت کو گھٹاتی چلی آتی ہے، دن اور رات دور کو نزدیک اور نئے کو کہنہ کر رہے ہیں اور ہر وعدہ کی چیز کو اپنے وقت پر لے آتے ہیں، یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا، یہاں تک کہ لوگ اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے، یعنی جنت یا دوزخ میں۔

آپ نے مجھے آگاہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ آخری زمانہ میں اس امت کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ بظاہر وہ بھائی بھائی ہوں گے لیکن دلوں میں ایک دوسرے کی عداوت ہوگی۔ اطمینان رکھئے کہ نہ ان لوگوں سے مراد آپ حضرات ہیں، نہ یہ وہ زمانہ ہے۔ یہ زمانہ وہ ہوگا جس میں خوف اور لالچ نمایاں ہوں گے اور لوگوں کا ایک دوسرے سے تعلق دنیاوی اغراض کے لئے ہوگا۔

آپ نے لکھا ہے کہ یہ خط آپ نے محض ازراہِ خیر خواہی لکھا ہے، خدارا اسے دلی خیر خواہی کے سوا کسی اور بات پر محمول نہ کیا جائے۔ یہ آپ نے بالکل صحیح لکھا ہے۔

اس لئے مجھے برابر لکھتے رہئے، میں آپ حضرات کے مفید مشوروں سے بے نیاز نہیں ہوں

والسلام علیکما۔)

تشریح

تخریج و درجۂ حدیث:

اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے مصنف: (۹۵/۷)، طبرانی نے معجم کبیر م: (۳۲/۲۰)، ھناد نے الزھد: (۳۰۳/۱)، ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء: (۲۳۷/۱) میں روایت کیا ہے۔ علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا کہ اس میں مذکور خط تک تمام راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد: ۲۱۴/۵)

حضرت ابو عبیدہ و حضرت معاذ کا خط اور حضرت عمر کا جواب:

اس میں حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کا خط بنام حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جوابی خط کا مضمون ذکر کیا گیا ہے۔ مضمون واضح ہے اور کسی شرح کا محتاج نہیں، اس خط میں حضرت ابوعبیدہ و حضرت معاذ نے جس حدیث کا ذکر فرمایا ہے کہ آخری زمانہ میں اس امت کی حالت ایسی ہوگی کہ لوگ بظاہر بھائی بھائی ہوں گے مگر دلوں میں عداوت ہوگی، یہ حدیث اوپر نمبر ۱۴ پر شرح کے ساتھ گذر چکی ہے، وہاں دیکھی جائے۔

اور اس خط سے سب سے اہم بات جو ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ درمیان آپس میں کس قدر محبت و تعلق تھا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر امیر و خلیفہ کو تنبیہ و نصیحت کا خط لکھا گیا تو انہوں نے کس قدر کشادہ دلی و خندہ روئی کے ساتھ اس کو قبول فرمایا اور کسی

قسم کی بدگمانی کے بجائے حسن ظن سے کام لیکر مزید نصائح کی گذارش کی، یہ ہم سب کے لئے عبرت وموعظمت کا بے نظیر خزانہ اور عمدہ نمونہ ہے۔ اللھم اجعلنا ممن اقتدی بھدیھم واحشرنا فی زمرتھم۔

حدیث (۸۱)

﴿عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ :سَيَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ يَقُوْلُوْنَ : لَا قَدَرَ فَإِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَإِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ ، فَإِنَّهُمْ شِيْعَةُ الدَّجَّالِ وَحَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يُلْحِقَهُمْ بِهٖ﴾

(ترجمہ: حضرت حذیفہ ﷺ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے جو کہا کریں گے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں، یہ لوگ اگر بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو، مرجائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو، کیونکہ یہ دجال کا ٹولہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ ان کو دجال سے ملادیں)

تشریح

تخریج ودرجہ حدیث

اس حدیث کو ابوداوٗد الطیالسی نے اپنے مسند: (۵۸/۱)، بیہقی نے السنن الکبری: (۲۰۳/۱۰)، ابوداوٗد نے اپنی السنن میں برقم: (۴۰۷۲)، احمد نے مسند میں برقم: (۲۲۳۵۹)، لالکائی نے اعتقاد اہل السنۃ: (۶۴۱/۴) میں اور ابن ابی عاصم نے السنۃ: (۱۴۵/۱) میں روایت کیا ہے

ابوداؤد طیالسی کے الفاظ وہی ہیں جو اوپر نقل کئے گئے ہیں اور دیگر حضرات نے شروع میں یہ الفاظ ذکر کئے ہیں[ان لكل امة مجوساً وان مجوس هذه الامة الذين يقولون لا قدر الخ]

اور یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں حضرت حذیفہ ﷜ سے روایت کرنے والا ایک آدمی ہے، جو نامعلوم ہے، نیز عمر نامی راوی جو غفرہ کا آزاد کردہ غلام ہے، وہ بھی ضعیف ہے۔

(عون المعبود:۱۲/۲۹۷)

بزار کی روایت میں اس مجہول شخص کا نام عطا بن یسار آیا ہے مگر خود امام بزار نے فرمایا کہ ہم نہیں جانتے کہ سوائے ابو معشر کے کوئی اور اس کو موصولاً روایت کرتا ہو اور عمر بن عبد اللہ اور حذیفہ کے مابین آدمی کا نام ذکر کرتا ہو۔ (مسند بزار: ۷/۳۳۸) اور ابن الجوزی نے "العلل المتناهية" میں فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، عمر سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا اور ابو معشر کو یحییٰ بن معین نے "لا شیء" قرار دیا ہے۔ (۱/۱۵۷)

مگر یاد رہے کہ ابو معشر سب کے نزدیک ضعیف نہیں ہیں، بخاری، یحییٰ بن معین، نسائی، ابوداؤد وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے تو ابو زرعہ، احمد، ابو حاتم وغیرہ نے ان کو ثقہ فرمایا ہے جیسا کہ تہذیب (۱۰/۴۲۰) میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اور ابو یعلی نے فرمایا کہ بڑے بڑے حضرات نے ان سے روایت کی ہے۔ (الارشاد: ۱/۳۳۰) پھر اس کی تائید ابوداؤد، حاکم اور احمد کی ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابن عمر سے اس مضمون کی آئی ہے۔

(دیکھو ابوداؤد: ۴۰۷۱، احمد: ۵۳۲۷، حاکم: ۱/۱۵۹)

حضرت ابن عمر کی اس حدیث کو علامہ سراج الدین القزوینیؒ نے موضوع قرار دیا ہے،

مگر یہ صحیح نہیں، علامہ ابن حجرؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ امام ترمذی نے اس کو حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے، نیز ابن القطان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، اس لئے اسکو موضوع کہنا حد سے تجاوز ہے۔ (بذل المجہود: ۲۱۰/۶، عون المعبود: ۲۹۶/۱۲) لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کی شاہد بن سکتی ہے اور اس شاہد کے ہوتے ہوئے مذکورہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ (کما لا یخفیٰ)

تقدیر کے منکر:

اس حدیث میں آخری زمانہ کی ایک قوم کا ذکر کیا گیا ہے جو تقدیر کو نہیں مانتی اور کہتی ہے کہ اللہ کی تقدیر سے ہر کام نہیں ہوتا بلکہ بندے کے افعال و اعمال خود بندہ کی ایجاد سے ہوتے ہیں اور خیر تو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے مگر شر شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اس فرقہ کو اسلامی تاریخ میں قدریہ کہتے ہیں۔ اللہ کے نبی علیہ السلام نے اس فرقہ کو اس امت کے مجوسی قرار دیا ہے کیونکہ مجوسی لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کے دو خالق ہیں، ایک خالقِ خیر دوسرا خالقِ شر، خالقِ خیر یزدان اور خالقِ شر شیطان ہیں اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ عالم کی دو اصلیں ہیں، ایک نور اور دوسری ظلمت، نور سے خیر کا وجود اور ظلمت سے شر کا وجود ہوتا ہے، اسی طرح یہ تقدیر کے منکر لوگ بھی دو خدا و خالق مانتے ہیں، خیر کا خالق اللہ کو اور شر کا خالق شیطان کو، یا کچھ افعال و اشیاء کا خالق خدا کو اور کچھ افعال کا خالق انسان کو مانتے ہیں۔

ان لوگوں کے بارے میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بیمار ہو جائیں تو عیادت نہ کرو، اور یہ مر جائیں تو ان کے جنازے میں شریک نہ ہو، یہ دجال کے ماننے والے یا فرمانبردار ہیں یا اس کی تائید و مدد و نصرت کرنے والے ہیں اور اللہ کے ذمہ ہے کہ ان کو دجال سے ملا دے، یعنی قیامت میں ان کو اس کے ساتھ اٹھائے۔ اور ان کو دجال کے مددگار کہنا غالباً اس وجہ سے ہے

کہ دجال بھی خدائی کا دعوے دار ہوگا، اور بعض کرتبوں سے مختلف قسم کی چیزیں بتائے گا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا، اس لئے یہ قدریہ جو دو خالق مانتے ہیں، اس کے مددگار ہوں گے۔

تقدیر پر ایمان ضروری ہے:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقدیر خداوندی کا انکار درست نہیں، اس سلسلہ میں بے شمار احادیث آئی ہیں اور تمام کے تمام اہل سنت کا اجماع بھی ہے کہ ہر اچھی اور بری بات اللہ کی تقدیر سے ہوتی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کچھ باتوں کو پسند کرتے ہیں اور کچھ باتوں کو ناپسند کرتے ہیں مگر جو بھی ہوتا ہے، وہ اللہ کی تقدیر سے ہوتا ہے۔ آج جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی اس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں جو تقدیر کے مسئلہ میں متذبذب و متشکک نظر آتے ہیں، حالانکہ مسئلہ صاف ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر دراصل اس کے اس ازلی علم پر مبنی ہے، جو وہ ہر شی کے متعلق ازل سے رکھتا ہے کہ کیا ہوگا اور کب ہوگا اور کہاں ہوگا اور کیسا ہوگا؟ اللہ نے اس علم کے مطابق لوحِ محفوظ میں تقدیریں لکھدیں اور جو بھی ہوتا ہے اور ہوگا، وہ اسی کے مطابق ہوتا ہے اور ہوگا اور اسی فیصلہ کے موافق ہوگا، نمازی کا نماز پڑھنا، شرابی کا شراب پینا، مؤمن کا ایمان لانا اور کافر کا انکار کرنا سب اسی علم ازلی پر مبنی ہے اور یہ جو بھی ہوگا اس میں کوئی انسان مجبور نہ ہوگا بلکہ اسکو اختیار حاصل ہوگا اور اس اختیار پر مؤمن کو ثواب و نجات تو کافر کو عقاب و عذاب ہوگا، نمازی کو انعام تو شرابی پر سزا جاری ہوگی۔ غرض یہ کہ تقدیر کی وجہ سے انسان کا اختیار سلب نہیں ہو جاتا، بلکہ باقی رہتا ہے جیسے خود خدائے تعالیٰ اپنے بارے میں بھی جانتا ہے کہ وہ یہ کام اس وقت کرے گا مگر اس کے جاننے سے خدا کا نعوذ باللہ مجبور ہونا لازم نہیں آتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ دوسری مخلوقات کے بارے میں جانتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب مخلوقات مجبور ہیں، بلکہ جن کو اختیار دیا گیا

ہے جیسے انسان، وہ اس تقدیر خداوندی کے باوجود بھی بااختیار رہتی ہیں۔

حدیث ﴿۸۲﴾

﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ عُمَرُ ﷺ: اِنَّهُ سَيَكُوْنُ نَاسٌ يُكَذِّبُوْنَ بِالدَّجَّالِ وَيُكَذِّبُوْنَ بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَيُكَذِّبُوْنَ بِعَذَابِ الْقَبْرِ وَيُكَذِّبُوْنَ بِالشَّفَاعَةِ، وَيُكَذِّبُوْنَ بِالْحَوْضِ وَيُكَذِّبُوْنَ بِقَوْمٍ يَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ مَا امْتَحَشُوْا﴾

(عب، ش، والحارث، ق، فی البعث کنز: ۳۸۸/۱)

(ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا: بعد کے زمانہ میں کچھ لوگ آئیں گے جو کانے دجال کو افسانہ بتلائیں گے، قربِ قیامت میں سورج کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کا انکار کریں گے، عذاب قبر کی تکذیب کریں گے، شفاعت کا انکار کریں گے، حوضِ کوثر کا انکار کریں گے اور دوزخ میں جل بھن کر اس سے نجات پانے والوں کا انکار کریں گے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

یہ اثر ایک لمبی حدیث میں آیا ہے جو مسند احمد: (۱۵۱)، مسند حارث: (۷۵۵/۲)، مسند ابو یعلی: (۱۳۶/۱)، امالی المحاملی: (۲۳۰/۱)، تمہید ابن عبدالبر: (۸۳/۹) میں روایت کی گئی ہے اور

یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کا ایک راوی علی بن یزید سوء حافظہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔اور باقی راوی سب ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد: ۷/ ۲۰۷)

دجال کا انکار:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ کے دوران یہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ آخر دور میں کچھ لوگ ضروریاتِ دین میں سے کچھ چیزوں کا انکار کریں گے اور آج جدید تعلیم کے اثر سے ان جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں کچھ ایسے عقل کے پجاری پیدا ہو گئے ہیں، جو عقل کو ہر چیز کے رد و قبول کا معیار قرار دیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر بہت سی چیزوں کا انکار کرتے ہیں، جو مسلمہ اصول کے تحت ہر دور میں مانی جاتی رہیں ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں جگہ چھ چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کا اس قسم کے لوگ انکار و تکذیب کریں گے۔

(۱)" یکذبون بالدجال " (دجال کو جھٹلائیں گے)

دجال کے فتنہ سے متعدد احادیث میں اللہ کے رسول علیہ السلام نے امت کو آگاہ کیا ہے،اور صحاح کی غیر مشتبہ، مستند احادیث نے بصراحت و وضاحت اس کے احوال پر روشنی ڈالی ہے۔اور اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہر نبی نے اس کے آنے کی خبر دی اور اپنی امتوں کو اس کے فتنہ سے آگاہ کیا ہے۔اور تمام کے تمام اہل سنت ہر دور میں اس عقیدہ کے قائل رہے ہیں، کہ قیامت سے قبل دجال ظاہر ہوگا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مہدی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل کیا جائے گا۔

مگر جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو دجال کے فتنہ کا

انکار کریں گے اسی طرح آج بعض لوگ اس نظریئے کے پیدا ہو چکے ہیں اور اس کا انکار کر رہے ہیں۔ بعض نے تو سرے سے دجال کے فتنہ والی بات کو افسانہ و کہانی کہہ دیا اور بعض نے اتنی جرأت نہ کی تو اس کی عجیب و مضحکہ خیز تاویلیں شروع کر دیں مثلاً بعض نے کہا کہ دجال سے مراد کوئی خاص شخص نہیں ہے بلکہ مراد یہود و نصاری کی قومیں ہیں، جو دجل وفریب اور مکاری و چالبازی سے کام لیکر دنیا والوں پر حاوی و مسلط ہو رہی ہیں۔ مگر یہ نظریہ، صحیح و مستند احادیث کے خلاف ہے اور حق و صحیح یہی ہے کہ دجال ایک شخص ہے جو ایک جزیرہ میں محبوس ہے اور وقت آئے گا تو ظاہر ہوگا اور مکاری و چالبازی سے گمراہی پھیلائے گا اور اہل توفیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ رکھا جائے گا۔

علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں قاضی عیاض کے حوالہ سے اہل سنت کا یہی مذہب بتایا ہے اور بعض معتزلہ، خوارج وجہمیہ کا رد کیا ہے جو دجال کے فتنہ کا انکار کرتے اور اس کو غلط قرار دیتے ہیں۔ (دیکھو شرح مسلم: ۲/۳۹۹)

غرض یہ کہ دجال کا فتنہ ایک حقیقت ہے، کوئی افسانہ نہیں اور یہ کسی مجازی معنی پر محمول نہیں بلکہ حقیقی معنی پر محمول ہے، مگر اس کا انکار کرنے والے اور اس کو تاویلات سے رد کرنے والے پیدا ہو گئے ہیں جس کی پیش گوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں دی تھی۔

سورج کے مغرب سے نکلنے کا انکار:

(۲) ”یکذبون بطلوع الشمس من مغربها“ (سورج کے مغرب کی طرف سے طلوع ہونے کا انکار کریں گے)

سورج روزانہ مشرق کی طرف سے طلوع ہوتا ہے، مگر حدیث صحیح میں ہے کہ قیامت اس

وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر ایک نشانی ''سورج کا مغرب سے طلوع ہونا'' بھی ذکر کیا گیا (بخاری، مسلم)

معلوم ہوا کہ قیامت سے قبل سورج مشرق کے بجائے، مغرب سے طلوع ہوگا مگر بعض لوگ اپنی عقل پرستی سے اسکا بھی انکار کریں گے اور کہیں گے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، ہماری عقل اس کو نہیں مانتی، یہ عقل کے خلاف ہے وغیرہ، حالانکہ ان باتوں کا مدار محض عقل پر نہیں ہے بلکہ شرع پر ہے جو اللہ کی طرف سے معتبر ذرائع سے ہم تک پہنچائی گئی ہے۔ اس لئے جو شخص ان چیزون کا انکار کرتا ہے وہ دراصل شرع کا انکار کرتا ہے۔

عذاب قبر کا انکار:

(۳) ''یکذبون بعذاب القبر'' (عذاب قبر کا انکار کریں گے)

عذابِ قبر کی حقیقت وصداقت قرآن کی متعدد آیات کے اشاروں اور احادیث نبویہ کی صراحتوں سے ثابت ہے اور اس سلسلہ میں اتنی حدیثیں آئی ہیں کہ بعض محدثین نے ان کو متواتر قرار دیا ہے، اور اہل اسلام کا شروع دور سے یہ متفقہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ قبر میں نیکوں کو ثواب اور بُروں کو عذاب ہوتا ہے، اور یہ کہ مختلف قسم کے عذابات کا سلسلہ وہاں ہوتا ہے، مگر افسوس کہ ایک بہت بڑا طبقہ آج ایسا ہے جو واضح وکھلے الفاظ میں اس عقیدہ کو غلط قرار دیتا ہے، حتی کہ گلبرگہ کے ایک صاحب محمد علی نامی نے'' شمع حقیقت '' کے نام سے کچھ فضول موضوعات پر کتاب شائع کی ہے، اس میں ایک عنوان ہے ''عذاب قبر کا عقیدہ ہندوانہ عقیدہ ہے''۔ میں نے اس مضمون کا جواب لکھنو سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''الفرقان'' میں کئی قسطوں میں دیا تھا۔ سب سے پہلے اس جاہل مصنف کو یہی خبر نہیں کہ ہندو قوم سرے سے آخرت کے تصور ہی

سے خالی ہے اور قبر کی زندگی کی منکر ہے، بھلا وہ عذاب قبر کا کیا تصور رکھے گی؟

اور عذاب قبر کو نہ ماننے والوں کا اشکال یہ ہے کہ ہم کو قبروں میں کوئی عذاب ہوتا دکھائی نہیں دیتا جبکہ کئی جگہ کافروں اور فاجروں کی قبریں کھودی گئیں مگر کچھ نظر نہیں آیا، اس کا جواب یہ ہے کہ قبر کا تعلق اس دنیا سے نہیں ہے، بلکہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔ لہٰذا دنیا میں کھڑے ہو کر آخرت کی منزل میں جھانکنے کا دعویٰ ایک فضول دعویٰ ہے، لہٰذا سمجھنا چاہئے کہ قبر کا عذاب عالمِ برزخ میں ہوتا ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ آخرت کی منزل اور برزخ میں ہو نے والی چیز یہاں ہم کو دکھائی دے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہاں عذاب ہونے کے باوجود ہم کو اس دنیا میں نظر نہ آئے، جیسے سونے والا خواب میں بسا اوقات حیران کن وخوفناک واذیت ناک چیزیں دیکھتا ہے، کبھی جاتا اور آتا، گھومتا اور پھرتا ہے، کسی کو مارتا یا خود کسی سے پٹتا ہے، مگر اس کے بالکل بازو بیٹھے ہوئے شخص کو اس کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ وہ سونے والا سونے کی حالت میں جو دیکھتا ہے وہ ایک درجہ میں عالمِ ارواح سے متعلق چیزیں ہوتی ہیں، نہ کہ عالمِ اجسام سے متعلق، لہٰذا دوسروں کو پتہ بھی نہیں چلتا، لہٰذا قبر میں عذاب کے ہوتے ہوئے بھی یہاں کے لوگوں کو اس کا احساس وعلم نہ ہونا کوئی قابلِ اشکال بات نہیں۔

غرض یہ کہ بعض لوگ اس حقیقت کا بھی محض عقل کی بنیاد پر انکار کریں گے، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

❁ شفاعت کا انکار :

(٤) ”یکذبون بالشفاعة“ (شفاعت کا انکار کریں گے)

قیامت کے دن اللہ کے نبی ﷺ اور اللہ کے مقرب بندوں کی طرف سے گنہگاروں کے

حق میں سفارش وشفاعت اوراس کا قبول ہونا بھی اسلامی عقائد میں سے ایک ضروری عقیدہ ہے ،جس کا متعدد آیات واحادیث میں ذکر آیا ہے۔

علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا کہ ''قاضی عیاض نے فرمایا کہ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ شفاعت عقلاً ممکن اورشرع کی روشنی میں، اللہ کے اس صریح ارشاد کی وجہ سے ﴿ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا﴾ اوراس قول باری کی وجہ سے ﴿ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی لَهُمْ ﴾ وغیرہ ،اورنبی صادق ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے واجب ہے اورآخرت میں شفاعت کے ہونے پر اتنی احادیث آئی ہیں جن کا مجموعہ تواتر کی حدتک پہنچ جاتا ہے اوراس پر سلفِ صالح اور بعد کے اہل سنت کا اجماع ہے۔

(شرح مسلم:۱/۱۰۴)

اس میں دورِ گذشتہ میں خوارج وبعض معتزلہ نے اہل سنت سے ہٹکر اپنی روش قائم کی اور اس فتنہ کا آغاز انہی سے ہوا کہ وہ شفاعت کا انکار کرنے لگے اورآیات میں غلط تاویلات سے کام لےکر احادیث صحیحہ وصریحہ کا انکار کرنے لگے ،حضرت عمر ؓ نے یہاں اسی قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔

❁ حوضِ کوثر کا انکار:

(۵)''یکذبون بالحوض'' (حوض کوثر کا انکار کریں گے)

حوض کوثر جنت کا ایک حوض ہے ،جو ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا، جس کا ذکر ایک تفسیر کے مطابق ﴿ اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴾ میں ہے اورمتعدد اور مستند احادیث میں بھی اس کا ذکر اور کیفیت بیان کی گئی ہے ،مثلاً فرمایا کہ ''میرا حوض ایک ماہ کی

مسافت تک (پھیلا ہوا) ہے اور اس کے کنارے برابر ہیں (یعنی وہ چوکور ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ عمدہ ہے اور اس حوض پر کٹورے اس قدر ہیں جتنے کہ آسمان کے ستارے اور جو آدمی اس سے پانی پی لیگا، وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔"

(بخاری، مسلم، مشکوۃ :۴۸۷)

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

(مسلم، مشکوۃ، ۴۸۷)

اس کا انکار بھی احادیث صحیحہ کا انکار ہے مگر بعض لوگ ان باتوں کو محض ان کی عقل نارسا و فہم ناقص میں نہ آنے سے انکار کریں گے، کیونکہ یہ لوگ فی الواقع عقل کی وجہ سے نہیں بلکہ محسوسات کے خوگر ہونے کی وجہ سے جب یہ دیکھتے ہیں کہ یہ باتیں محسوس نہیں ہیں تو اس کا انکار کر دیتے ہیں حالانکہ یہ امور قطعاً عقل کے خلاف نہیں ہیں۔

❁دوزخ سے نکلکر نجات پانے کا انکار:

(٦) "ویکذبون بقوم یخرجون من النار بعد ما امتحشوا" (یعنی دوزخ میں جل بھن کر آخر میں دوزخ سے نجات پانے والے لوگوں کا انکار کریں گے)

یعنی جو مسلمان اپنے گناہوں کے نتیجہ میں دوزخ میں ڈالے جائیں گے، وہ آخر کار اپنے گناہوں کی سزا پا کر اور جل بھن کر بلکہ کوئلہ ہو کر بھی اپنے ایمان کی برکت سے دوزخ سے نکالے جائیں گے، کیونکہ اسلام کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ مؤمن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، احادیث میں اس کا صاف صاف ذکر آیا ہے۔

(دیکھو بخاری: ۶۴۷، مسلم: ۲۶۷، احمد: ۴۸۵۰ وغیرہ)

مگر بعض لوگ یہ کہیں گے کہ یہ کیسا ہوسکتا ہے، جب جہنم میں گر کر، جل کر، خاک ہوگیا، پھر وہ کیسے نکل آئے گا وغیرہ، معتزلہ وخوارج جو گمراہ فرقے ہیں وہ بھی یہی کہتے تھے کہ مسلمان بھی اگر گناہ کر کے دوزخ گیا تو وہ کافروں کی طرح اس میں ہمیشہ رہے گا مگر یہ بات احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

عقل پرستوں سے ....

عموماً اس قسم کی چیزوں کا انکار عقل پرست بلکہ عقلیت زدہ لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے، جو ہر چیز کے لئے عقل کو ہی معیار سمجھتے ہیں حالانکہ عقل کو ہر چیز میں معیار ماننا ہی خود عقل کے خلاف ہے کیونکہ عقل ہی کی روشنی میں یہ بات مسلم ہے کہ جس طرح آنکھ کا دائرۂ ادارک، مبصرات تک محدود ہے اور کان کا مسموعات تک، ناک کا دائرہ مشمومات تک، زبان کا مذوقات تک اور ہاتھ پیر کا دائرہ ممسوسات تک، اور یہ کہ ہر عضو اپنے دائرہ میں تو کام کرسکتا ہے مگر اپنے دائرہ کو چھوڑ کر دوسرے کے دائرے میں وہ ناکام ہے، مثلاً آنکھ دیکھنے کا کام تو کرسکتی ہے مگر سماعت کا کام کر کے مسموعات کا ادارک نہیں کرسکتی اور ناک مشمومات کو چھوڑ کر، چکھنے کا کام کر کے مذوقات کا ادراک نہیں کرسکتی۔ (وعلی هذا القیاس) اسی طرح عقل بھی ایک قوتِ مدرکہ ہے جسکا دائرۂ ادراک بھی ایک حد سے محدود ہے اور اس کا دائرہ مشہودات ہیں یعنی وہ چیزیں جو ہمارے مشاہدہ میں آتے ہیں، اس کو چھوڑ کر وہ مغیبات کے دائرہ میں کام نہیں کرسکتی، اگر اس کو مغیبات میں بھی کام میں لایا جائے گا تو وہ اسی طرح ناکام ہوگی جس طرح آنکھ، ناک، کان، وغیرہ اپنے دائرہ کے باہر ناکام ہوتے ہیں۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ عقل کا اپنا ایک دائرہ ہے جس کے اندر اندر وہ کام کرے گی اور

اس کے باہر وہ کام نہیں کرسکتی تو اب یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عقل کا اصل کام کیا ہے؟ عقل کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اس کے سامنے پیش آنے والی چیزوں میں سے ان چیزوں میں جو اس کے اپنے دائرہ میں آتے ہیں، غور وفکر کرے اور اشیاء کے حقائق کو جانے اور حق و باطل میں تمیز کرے، اچھے اور بُرے کو جانے، عقل کا یہ کام نہیں کہ وہ ہر دائرہ میں کرائے دے، مثلاً خدا کا خدا ہونا، اور رسول کا رسول ہونا، ان کا سچا ہونا، معلوم کرنے کے لئے عقل کو استعمال کرسکتے ہیں اور جب ثابت ہوجائے کہ یہ سچے ہیں تو اب عقل کا کام یہ ہے کہ ان کی ہر بات کو جو معتبر ذرائع سے معلوم ہو مانے اور اس پر چلے۔ بادشاہ کا بادشاہ ہونا ایک ایسا امر ہے کہ اس کے جانچنے کے لئے عقل کو کام میں لاسکتے ہیں، مگر جب ثابت ہوگیا کہ یہ بادشاہ ہے، تو اب اس کے ہر حکم وقانون کو بھی عقل کی کسوٹی پر جانچنا بادشاہ کے انکار کے مترادف ہے، پھر بادشاہ کو بادشاہ ماننے کا حاصل کیا ہوا جبکہ اس کے حکم کو بھی عقل پر پرکھنا ضروری ہو؟

اس تفصیل سے میں سمجھتا ہوں کہ عقل پرست وعقلیت زدہ لوگ عقل کے دائرۂ کار کے بارے میں جس غلط فہمی کا شکار ہیں وہ یہاں سے واضح ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ ان غیب کے حقائق پر ایمان لانے کے لئے ضروری یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ یہ بات ہم کو معتبر ذریعہ سے معلوم ہو اور جب معتبر ذریعہ سے اس کا علم ہوجائے تو اب یہی ہمارے لئے متعین ہے کہ ہم اس پر ایمان لائیں۔

حدیث ﴿۸۳﴾

﴿اَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ فِیْ تَهْذِیْبِ الْاٰثَارِ: حَدَّثَنِیْ اَبُوْ حُمَیْدِ الْحِمْصِیُّ

اَحْـمَـدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُهَاجِرٍ، حَدَّثَنِیُ اَلـزُّبَيْـدِیُّ عَـنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا وَعَنْہُمْ اَنَّهَـا قَالَتْ: يَا وَيْحَ لَبِيْدٍ حَيْثُ يَقُوْلُ:

ذَهَـبَ الَّذِيْنَ يُعَاشُ فِیْ اَكْنَا فِهِمْ

وَبَقِيْتُ فِیْ خَلْفٍ كَجِلْدِالْاَ جُرَب

قَـالَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا: فَـكَيْفَ لَـوْ اَدْرَكَ زَمَـانَنَا هٰذَا، قَالَ عُرْوَةُ :رَحِـمَ الـلّٰـهُ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا، فَكَيْفَ لَوْ اَدْرَكَتْ زَمَانَنَا هٰذَا، ثُمَّ قَالَ الزُّهْرِیُّ: رَحِـمَ اللّٰهُ عُرْوَةَ، فَكَيْفَ لَوْاَدْرَكَ زَمَانَنَا هٰذَا،ثُمَّ قَالَ الزُّبَيْدِیُّ: رَحِمَ الـلّٰـهُ الـزُّهْرِیَّ ،فَكَيْفَ لَوْ اَدْرَكَ زَمَانَنَا هٰذَا، قَالَ مُحَمَّدٌ وَاَنَااَقُوْلُ: رَحِمَ اللّٰهُ الـزُّبَيْـدِیَّ، فَكَيْفَ لَـوْ اَدْرَكَ زَمَا نَنَا هٰذَا، قَالَ اَبُوْ حُمَيْدٍ :قَالَ عُثْمَانُ وَنَـحْنُ نَـقُوْلُ: رَحِـمَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا، فَكَيْفَ لَوْ اَدْرَكَ زَمَانَنَا هٰذَا، قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ رَحِمَهُ الـلّٰـهُ:قَـالَ لَنَا اَبُوْ حُمَيْدٍ: رَحِـمَ ا للّٰهُ عُثْمَانَ فَكَيْفَ لَوْ اَدْرَكَ زَمَانَنَا هٰذَا، قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ :رَحِـمَ اللّٰهُ اَحْمَدَ بْنَ الْمُغِيْرَةِ فَكَيْفَ لَوْ اَدْرَكَ زَمَانَنَا هٰذَا۔﴾

(قَـالَ الْـعَبْـدُ الـضَّـعِيْفُ الْجَامِعُ :رَحِمَهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَكَيْفَ لَوْ اَدْرَكُوْا زَمَانَنَا هٰذَا)

(و يـقـول الـفـقيـر الشـارح مـحـمد شعيب الله المفتاحی: رحـم الله مصنفنا و علی اسلافنا جميعاً، فكيف لو ادركوا زماننا هذا؟)

(تـرجـمه: امام زہریؒ حضرت عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نے ایک دفعہ لبید کا یہ شعر پڑھا۔

ذَهَبَ الَّذِيْنَ يُعَاشُ فِيْ اَكْنَافِهِمْ
وَبَقِيْتُ فِيْ خَلْفٍ كَجِلْدِ الْاَجْرَبِ

(وہ لوگ رخصت ہو گئے جن کے زیر سایہ زندگی بسر ہوتی تھی اور میں نکمے قسم کے نا اہلوں میں پڑا رہ گیا ہوں)

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عجیب بات ہے کہ لبید اپنے زمانہ والوں کے بارے میں یہ کہتا ہے، اگر وہ ہمارا زمانہ دیکھ لیتا تو کیا رائے قائم کرتا!

حضرت عروہؒ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر رحم فرمائے، اگر وہ ہمارے زمانے کو پاتیں تو کیا کہتیں؟

امام زہری نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عروہؒ پر رحم کرے، اگر وہ ہمارے زمانے کو پاتے تو کیا کہتے؟

امام زہری کے شاگرد زبیدی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ امام زہری پر رحم فرمائے، اگر وہ ہمارا زمانہ دیکھتے تو کیا کہتے؟

زبیدی کے شاگرد محمد بن مہاجر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ زبیدی پر رحم فرمائے، اگر وہ ہمارا زمانہ دیکھتے تو کیا کہتے؟

محمد بن مہاجر کے شاگرد عثمان بن سعید کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ محمد بن مہاجر پر رحم فرمائے، اگر وہ ہمارا زمانہ دیکھتے تو کیا کہتے؟

عثمان کے شاگرد ابوحمید کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ عثمان پر رحم فرمائے، اگر وہ ہمارا زمانہ دیکھتے تو کیا کہتے؟

امام ابن جریر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہمارے استاذ ابوحمید پر رحم فرمائے، اگر وہ ہمارا زمانہ

دیکھتے تو کیا کہتے؟

ناکارہ مؤلف عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ ان سب پر رحم فرمائے، اگر یہ حضرات ہمارا زمانہ دیکھ لیتے تو ان کیا حال ہوتا؟

(یہ حقیر وفقیر محمد شعیب اللہ المفتاحی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مصنف پر اور ہمارے تمام اسلاف پر رحم فرمائے، یہ حضرات ہمارے زمانے کو دیکھتے تو کیا کہتے؟)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

علامہ علی متقیؒ صاحب کنزل العمال نے اس کو برقم:۳۹۶۴۱، (۲۴۵/۱۴) اس کو ابن جریر طبری کی کتاب الآثار کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، اور معمر بن راشد نے الجامع: (۲۴۷/۱۱)، ابن المبارک نے الزھد: (۱۸۳)، حارث نے مسند: (۸۴۵/۲) میں اس کو مختصراً روایت کیا ہے، نیز بیہقی نے الزھد الکبیر: (۱۲۱/۲) اور بخاری نے التاریخ الصغیر: (۵۶/۱) میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

ابن حجر نے الاصابہ: (۶۷۸/۵) میں اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء: (۲/ ۱۹۸) میں اس کا ذکر کیا ہے، ابن حجر نے فرمایا کہ یہ سلسلہ وار ابن مندہ تک اور سعدان تک پہنچا ہے اور ذہبی نے فرمایا کہ اسناد کے ساتھ ہم نے اسکو مسلسلاً سنا ہے۔

انقلاب زمانہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرب کے مشہور شاعر لبید کا ایک شعر پڑھا جس میں اس

نے کہا کہ: وہ لوگ چلے گئے جن کے زیر سایہ زندگی بسر ہوتی تھی اور میں نکمے لوگوں میں جو کہ نااہل ہیں پڑا رہ گیا ہوں۔

اس شعر میں جلد بمعنے قوم یا خاندان ہے اور مراد لوگ ہیں اور اجرب کے معنے خارش زدہ کے ہیں اور مراد یہ ہے کہ جس طرح خارشی اُونٹ کسی کام کے نہیں بلکہ ان میں جو اُونٹ بھی جاتا ہے وہ بھی خارش زدہ ہو جاتا ہے، اسی طرح میں ایسے لوگوں میں پڑا رہ گیا ہوں جو کسی کام کے نہیں بلکہ نکمے اور نالائق ہیں اور ان کی صحبت سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ شعر پڑھکر فرمایا کہ لبید نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے بارے میں یہ کہا ہے، اگر وہ ہمارے زمانہ کو دیکھتا تو کیا کہتا؟ اس کے بعد ہر راوی نے اپنے سے پہلے راوی کے بارے میں یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے، وہ ہمارے زمانہ کو دیکھتے تو کیا کہتے جس میں بگاڑ اور فساد روز بروز ترقی پر ہے؟ اور آخر میں ہمارے مصنف نے فرمایا کہ اللہ ان سب پر رحم کرے، یہ ہمارے زمانے کو دکھتے تو کیا کہتے؟

میں حقیر کہتا ہوں کہ اللہ تعالے ان سب کے ساتھ ہمارے مصنف پر بھی رحم کرے، وہ ہمارے زمانہ کو دیکھتے تو کیا کہتے؟ کیونکہ زمانہ لحہ بہ لحہ تنزل کی طرف جارہا ہے، شر میں اضافہ اور خیر میں کمی ہوتی جارہی ہے، سنتیں مٹتی اور بدعتیں زندہ ہورہی ہیں، اتحاد و اتفاق رخصت اور اختلافات و تنازعات جنم لے رہے ہیں، پیار و محبت کا نام ونشان بھی نہیں ہے اور بغض وعداوت کا بازار گرم ہے، ایمان و یقین کی باتیں عنقاء ہوگئی ہیں اور بے ایمانی ونفاق کا عام چلن ہو گیا ہے۔

یہ سب ان حضرات کے ملاحظہ میں آئے تو وہ کیا فرمائیں گے اور کیا سمجھیں گے؟

حدیث ﴿۸۴﴾

﴿عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّاب ﷺ قَالَ سَيَأْتِي نَاسٌ يُجَادِلُوْنَكُمْ بِشُبُهَاتِ الْقُرْاٰنِ، فَخُذُوْهُمْ بِاالسُّنَنِ ، فَاِنَّ اَصْحَابَ السُّنَنِ اَعْلَمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ﴾

(ترجمہ : حضرت امیر المؤمنین عمر ﷺ فرماتے ہیں: عنقریب کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن (کی غلط تعبیر) سے (دین میں) شبہات پیدا کر کے تم سے جھگڑا کریں گے، انہیں سنن (سنتوں) سے پکڑو کیونکہ سنت سے واقف حضرات کتاب اللہ (کے صحیح مفہوم) کو خوب جانتے ہیں)

تشریح

☆تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو دارمی نے اپنی سنن: (۱۱۹) اور لالکائی نے اعتقاد اہل السنۃ: (۱۲۳/۱) میں روایت کیا ہے۔علامہ سیوطی نے مفتاح الجنۃ: (۵۹/۱) میں ان کے حوالہ سے درج کیا ہے۔

اور یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ عمر بن الاشج راوی جو حضرت عمر سے روایت کرنے والے ہیں، ان کو حضرت عمر سے سماع حاصل نہیں، چنانچہ ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ یہ روایت مرسل (منقطع) ہے۔(الجرح والتعدیل:۱۱۸/٦) لیکن اس کی تائید دوسری روایت سے ہوتی ہے جو حضرت علی ﷺ سے روایت کی گئی ہے، اسکو لالکائی نے اعتقاد السنۃ: (۱۲۳/۱) میں روایت کیا ہے، لہٰذا یہ پہلی حدیث کی شاہد ہوگی۔

انکارِ حدیث کا فتنہ:

حضرت امیر المؤمنین عمرؓ نے فرمایا کہ ”عنقریب کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے، جو قرآن کے ذریعہ شبہات پیدا کر کے تم سے دینی معاملات میں جھگڑیں گے اور مباحثہ ومناظرہ کریں گے۔ تم ان کو سنتوں یعنی حدیث کے ذریعہ پکڑو کیونکہ سنت وحدیث کو جاننے والے ہی در اصل کتاب اللہ کو بہتر طور پر جاننے والے ہیں“

اس میں انکارِ حدیث کے فتنے کی طرف اشارہ ہے، جس کے موجد وبانی اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں اور صرف قرآن کے کافی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کے لئے قران کی آیات سے لوگوں کو شبہ میں ڈال کر گمراہ کرتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کی پکڑ سنت وحدیث سے کرو، یعنی علماء حدیث جو قرآن کے ساتھ حدیث کا گہرا علم رکھتے ہیں، ان کو چاہئے کہ وہ ان بے لگام اور خود ساختہ مفسرین کو سنت وحدیث کے ذریعہ لگام دیں اور غلط روش سے ان کو بچائیں، یا اس میں مطلق ان لوگوں کا ذکر ہے جو بلا علم دین کے قرآن کی تشریح کرتے ہیں اور اس میں شبہات نکالکر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا کہ ان کی پکڑ حدیث سے کرو۔

وجہ یہ ہے کہ حدیث قرآن پاک کی تفسیر بھی کرتی ہے، لہٰذا کسی آیت کی تفسیر حدیث میں آئی ہو تو اسکو سامنے رکھ کر آیت کو سمجھنا چاہئے، ورنہ محض عقل کی بنیاد پر یا لغت کی بنیاد پر تفسیر قرآن نہیں کی جاسکتی، جیسے حدیث میں ایک جگہ ”ظلم“ کی تفسیر شرک سے کی گئی ہے جو ایک آیت میں واقع ہوا ہے۔ اگر یہاں یہ تفسیر نہ لی گئی تو آیت نا قابل عمل ٹھیرتی ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن سمجھنے کے لئے حدیث ضروری ہے۔ اس فتنہ کے بارے میں ہم آگے حدیث نمبر (۹۱) کے تحت بحث کریں گے۔

حدیث (۸۵)

﴿عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: عَلَيْكُمْ بِالْعِلْمِ قَبْلَ اَنْ يُقْبَضَ وَقَبْضُهٗ اَنْ يُذْهَبَ بِاَصْحَابِهٖ، عَلَيْكُمْ بِالْعِلْمِ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ مَتٰى يَفْتَقِرُ اِلَيْهِ اَوْ يُفْتَقَرُ اِلٰى مَا عِنْدَهٗ اِنَّكُمْ سَتَجِدُوْنَ اَقْوَامًا يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ يَدْعُوْنَكُمْ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَقَدْ نَبَذُوْهُ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ فَعَلَيْكُمْ بِالْعِلْمِ، وَاِيَّاكُمْ وَالتَّبَدُّعَ، وَاِيَّاكُمْ وَالتَّعَمُّقَ، وَعَلَيْكُمْ بِالْعَتِيْقِ﴾

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں: علم کے اُٹھ جانے سے پہلے پہلے علم حاصل کرلو، اور علم کا اٹھ جانا یہ ہے کہ اہل علم رخصت ہو جائیں، خوب مضبوطی سے علم حاصل کرو، تمہیں کیا خبر کہ کب اس کو ضرورت پیش آجائے، یا دوسروں کو اسکے علم کی ضرور پیش آئے، (اور علم سے فائدہ اٹھانا پڑے)، عنقریب تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جن کا دعویٰ یہ ہوگا کہ وہ تمہیں قرآنی دعوت دیتے ہیں، حالانکہ کتاب اللہ کو انہوں نے پسِ پشت ڈال دیا ہوگا۔ اس لئے علم پر مضبوطی سے قائم رہو، نئی اُپج، بے سود کی موشگافی اور لایعنی غور وخوض سے بچو، (سلف صالحین کے) پرانے راستہ پر قائم رہو۔

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے دارمی نے سنن: (۱۴۳)، معمر نے الجامع: (۱۱/

۲۵۲)، طبرانی نے معجم کبیر: (۹/۱۷۰)، لالکائی نے اعتقاد السنۃ: (۱/۸۷) اور مروزی نے السنۃ: (۱/۳۰) میں روایت کیا ہے اور دارمی کے سوا دوسروں کی حدیث میں " وایاکم والتقطع " کا اضافہ ہے۔

علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا کہ اس کے راویوں میں ابو قلابہ کو حضرت ابن مسعود سے سماع حاصل نہیں۔ (مجمع الزوائد: ۱/۱۲۶)

مطلب یہ ہوا کہ روایت منقطع ہے مگر اس کی تائید دوسری روایت سے ہوتی ہے، جو امام بیہقی نے "المدخل الی السنن" میں موصولاً روایت کیا ہے، پہلے منقطع روایت ذکر کی اور فرمایا کہ یہ مرسل ہے اور اس کو شامیین کے طریق سے موصولاً (متصلاً) بھی روایت کیا گیا ہے پھر وہ دوسرا طریق ذکر کیا ہے۔ (المدخل الی السنن: ۱/ ۶۷۶)

علمِ دین حاصل کرو:

اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے چند باتوں کی نصیحت اور ایک فتنہ سے آگاہ کیا ہے:

(۱) فرمایا کہ "تم پر لازم ہے کہ علم کے اٹھ جانے سے پہلے پہلے علم حاصل کرلو اور علم کا اٹھ جانا یہ ہے کہ اہل علم اٹھ جائیں"

علم دین کی اہمیت و ضرورت ایک مسلمہ چیز ہے اور علم سے دوری و بُعد ہزاروں فتنوں کی جڑ ہے۔ آج جو لوگ فتنوں کا شکار ہو کر گمراہی کی طرف جارہے ہیں، ان کی اصل خرابی یہی علم دین سے ناواقفیت ہے جس کی وجہ سے کسی بھی فتنہ کا اثر قبول کر لیتے ہیں، بعض لوگ قادیانیت کے فتنہ کا شکار ہو جاتے ہیں، وجہ کیا؟ جہالت، بعض لوگ انکارِ حدیث کے فتنہ سے متاثر ہو جاتے ہیں،

کیا سبب؟ وہی ناواقفیت، اسی طرح بسا اوقات جہالت کی وجہ سے آدمی عیسائیت وغیرہ قبول کرلیتا ہے۔ غرض یہ کہ جہالت اور علم دین سے ناواقفیت ہزاروں فتنوں کا سامان ہے، اس لئے مسلمان کو جاہل ہونا یا جاہل رہنا جائز نہیں، بلکہ اس پر علم دین کی تحصیل فرض ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے آگے فرمایا کہ "تم میں سے کسے خبر کہ اس کو کب علم کی ضرورت پڑ جائے یا دوسروں کو اس کے علم کی ضرورت پڑ جائے"

یعنی اگر علم حاصل رہے گا تو اس سے خود بھی متمتع ہوگا اور دوسرے بھی وقتِ ضرورت اس سے استفادہ کریں گے، اس لئے علم کی تحصیل میں بے خبری وغفلت نہیں کرنا چاہئے اور اگر فی الفور بھی کوئی ضرورت نہ محسوس ہو رہی ہو، تب بھی حاصل کرلینا چاہئے کہ نہ معلوم کب خود کو یا دوسروں کو ضرورت پڑ جائے۔

دین کے نام سے گمراہ کرنے والے:

(۲) پھر فرمایا کہ "تم عنقریب ایسے لوگوں کو پاؤ گے جن کا گمان وخیال ہوگا کہ وہ اللہ کی کتاب کی طرف تم کو دعوت دے رہے ہیں، حالانکہ ان لوگوں نے اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال رکھا ہوگا، اس لئے تم مضبوطی سے علم حاصل کرو"۔

آج یہ فتنہ رونما ہوچکا ہے، جاہل اور علمِ دین سے کورے اور عمل سے عاری وخالی لوگ، محض نفسانیت وانانیت کی وجہ سے یہ دعوی کررہے ہیں کہ وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دے رہے ہیں، حالانکہ انہوں نے اس کی تعلیمات واحکامات کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے، اس پر عمل سے بدکتے ہیں اور تاویلاتِ فاسدہ وکاسدہ سے ان کا انکار کرتے ہیں۔

جیسے بہت سے جھوٹے مدعیانِ تصوف اور پیری مریدی کے نام سے لوگوں کو گمراہ کرنے

والے پیر و مشائخ ملیں گے، جن کے پاس دین وشریعت کی کوئی اہمیت نہیں، نمازوں سے ان کو کوئی سروکار نہیں، مردوں اور عورتوں کا اختلاط ان کے آستانوں کی پہچان ہے، خلافِ شریعت رسومات ورواجات اور شرکیہ وکفریہ اعمال وافعال ان کا امتیاز ہے، مگر ان کو دعوی ہے کہ اصل دین کو ہم نے ہی سمجھا ہے اور علماء کو دین سمجھ میں نہیں آیا اور علماء ظاہرِ شریعت کو جانتے ہیں اور ہم باطن شریعت کو جانتے ہیں، اس طرح کے جھوٹے دعوے کر کے لوگوں کی راہ مارنا اس طبقہ کا شیوہ ہے۔

لہٰذا ان کی مکاریوں کو جاننے اور جانچنے کے لئے علمِ دین کا حصول ضروری ہے، ورنہ عام آدمی ان کی مکاریوں کے جال میں پھنس کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی لئے اس فتنہ سے آگاہ کیا اور اس کے تدارک کے لئے علم دین کی ضرورت بیان فرمائی۔

بدعت سے بچو:

(۳) فرمایا کہ "دین میں بدعت اور نئی بات سے بچو" اس میں بدعت کے فتنہ سے اپنے کو بچانے کا حکم دیا ہے۔

اسلام کی نظر میں بدعت انتہائی معیوب ومکروہ اور بدترین کام ہے، اور اس کے بارے میں بڑے شدت برتی گئی ہے، کیونکہ بدعت شریعت سے بغاوت کا نام ہے، مگر وہ شریعت کا لیبل لگا کر لوگوں کے سامنے آتی ہے، اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ:

﴿من احدث فی امرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد﴾

(جس نے دین میں وہ چیز جاری کی جو دین میں سے نہیں ہے وہ مردود ہے)

(بخاری:۲۴۹۹، مسلم:۳۲۴۲، ابوداؤد:۳۹۹۰، ابن ماجہ:۱۴، احمد:۲۴۸۴۰)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ میں فرمایا کہ:

﴿ اما بعد فان خیر الحدیث کتاب الله و خیر الهدی هدی محمد و شر الامور محدثاتها و کل بدعة ضلالة ﴾

(اما بعد: بلاشبہ بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور بدترین چیز من گھڑت باتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور بعض روایات میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ ہر گمراہی جہنم میں لے جاتی ہے۔)

(مسلم:۱۴۳۵، نسائی:۱۵۶۰، ابن ماجہ:۴۴، احمد:۱۳۸۱۵)

اور امام مالک نے فرمایا کہ:

"من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم ان محمدا خان الرسالة لان الله تعالے یقول [اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ] فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا"۔

(جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کی اور اس کو کوئی اچھا کام سمجھا تو اس نے یہ زعم کیا کہ نعوذ باللہ محمد ﷺ نے رسالت کی ذمہ داری ادا کرنے میں خیانت کی ہے، کیونکہ اللہ تعالے تو یہ فرماتے ہیں [آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا] پس جو بات اس وقت دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی) (الاعتصام للشاطبیؒ: ۱/۴۹)

غرض یہ کہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ نئی بات پیدا کی جائے اور اس کو کارِ ثواب سمجھا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔

بال کی کھال نہ نکالو:

(۴) فرمایا کہ "تعمق (یعنی دین میں لایعنی موشگافیوں) سے بچو" اسلام دین فطرت ہے جس میں سادگی و بے تکلفی ہے۔ اس لئے اسلامی احکام کے لئے منطقی طرزِ استدلال وفلسفیانہ موشگافیوں کے بجائے نہایت ہی عام فہم طرزِ استدلال اور دل لگتے دلائل وسادہ و بے تکلف انداز بیاں اختیار کیا گیا اور اسلامی احکام کو ایسی چیزوں پر موقوف نہیں رکھا گیا جو دقیق فلسفیانہ مباحث اور عمیق سائنسی تجربات کے محتاج ہوں بلکہ ان کے لئے وہ امور شروع کئے گئے جس کو عام سے عام آدمی بھی معلوم کر کے عمل میں لاسکتا ہے۔ اس لئے علماء آج بھی چاند کے مسئلہ کو "جدید فلکیاتی علوم" کے بجائے "رویت وشہادت" کے عام اصول وسادہ طریق پر حل کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اسلام کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی ہے۔ غرض اسلام میں تعمق اور بے جا دقت پسندی پسندیدہ نہیں ہے۔

تکلفات سے بچو:

(۵) دارمی کے علاوہ دوسرے محدثین نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں " ایاکم والتنطع " کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے، (یعنی بول چال میں تکلف وبناوٹ سے بچو) اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ تکلف اسلامی مزاج کے بالکل خلاف ہے، اس میں سادگی و بے تکلفی کی تعلیم ہے، اور تکلفات سے بچنے کا حکم ہے، اور یہ سادگی ہر ہر چیز میں ہے، کھانے پینے، لباس و پوشاک، رہن سہن، بات چیت، چلنے پھرنے، میل ملاقات، غرض یہ کہ تمام امور میں اسلام اس کو پسند کرتا ہے کہ سادگی و بے تکلفی ہو اور تصنع وبناوٹ نہ کی جائے۔

آج اکثر لوگ اس سے محروم ہیں اور ہر چیز میں تکلفات اور بناوٹ کے عادی ہو چکے ہیں

اوراس میں یقیناً یا غالباً دکھاوا مقصود ہوتا ہے حتی کہ بعض علماء وطلباء اور اہلِ مدارس بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی اس میں شریک ہو گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ اسلام میں دکھاوا معیوب و مذموم چیز ہے، اس لئے تکلفات بھی معیوب و مذموم ہیں، اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے بچنے کی تعلیم دی اور سادگی کا سبق دیا ہے۔

۞سلف کا طریقہ اختیار کرو:

(٦) فرمایا کہ "تم پر پرانا طریقہ لازِم ہے" ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے مراد صحابہ کا طریقہ ہے۔ (جامع العلوم: ۱/۲۸۵)

لہٰذا اس پرانے طریقہ کو مضبوط پکڑنا چاہئے۔ یہاں ایک بات سمجھ لینا ضروری ہے، وہ یہ کہ بعض چیزیں دین کے مقاصد میں داخل ہیں اور بعض ان مقاصد کے لئے وسائل اور ذرائع کا درجہ رکھتے ہیں، مقاصدِ دین میں کوئی ترمیم و تبدیلی کی گنجائش نہیں ہوتی، اس میں قدیم روش وطریقہ اپنانا لازم و ضروری ہے، کسی نئی چیز کا ایجاد کرنا قطعاً روا نہیں، لیکن ذرائع و وسائل میں حالات و زمانہ کے فرق سے تبدیلیاں آتی رہتی ہیں، ان تبدیلیوں کو قبول کرنا اور جدید سے جدید چیز کو وسیلہ کے طور پر لیکر مقاصدِ شرع کو پورا کرنا جائز ہے، مثلاً حج کے ارکان اور اس کی ادائیگی کے طریقہ میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی کہ وہ مقاصد میں داخل ہے لیکن حج کے لئے جانے اور آنے میں ذرائع و وسائل مختلف ہو سکتے ہیں، مثلاً کسی زمانہ میں پیدل، کسی زمانہ میں اونٹ وغیرہ سواریوں پر، پھر کبھی بحری جہازوں سے حج کے لئے جایا جاتا تھا اور آج ہوائی جہاز سے پہنچتے ہیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ہر زمانے اور حالت کے لحاظ سے ذرائع و وسائل مختلف ہو سکتے ہیں، ان کو اختیار کرنے میں کوئی برائی و تنگی نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان میں کہ "تم پر پرانا طریقہ لازم ہے" مقاصد کا طریقہ مراد ہے، نہ کہ وسائل کا، خوب سمجھ لیں۔

حدیث ﴿۸۶﴾

﴿عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ﷺ اِنَّهُ قَالَ :كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا لَبِسَتْكُمْ فِتْنَةٌ يَهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيرُ وَيَرْبُوا فِيهَا الصَّغِيرُ اِذَا تُرِكَ مِنْهَا شَيْئٌ قِيلَ :تُرِكَتِ السُّنَّةُ (وَفِى رِوَايَةٍ: وَيَتَّخِذُهَا النَّاسُ سُنَّةً، فَإِذَا غُيِّرَتْ قَالُوْا: غُيِّرَتِ السُّنَّةُ)، قَالُوْا: وَمَتٰى ذَالِكَ ؟قَالَ : اِذَا ذَهَبَتْ عُلَمَاءُ كُمْ وَكَثُرَتْ جُهَلَاءُ كُمْ ،وَكَثُرَتْ قُرَّاءُ كُمْ ،وَقَلَّتْ فُقَهَاءُ كُمْ، وَكَثُرَتْ اُمَرَاءُ كُمْ وَقَلَّتْ اُمَنَائُكُمْ ،وَالْتُمِسَتِ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْاٰخِرَةِ وَتُفُقِّهَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ﴾

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرمایا کرتے تھے :اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب کہ فتنہ تم میں سرایت کر جائے گا، ادھیڑ عمر کے لوگ اسی میں بوڑھے ہو جائیں گے، اور بچے جوان ہو جائیں گے، لوگ اسی فتنہ کو سنت قرار دے لیں گے، کہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو کہا جائے گا کہ سنت چھوڑ دی گئی۔ عرض کیا گیا: ایسا کب ہوگا؟ فرمایا: جب تمہارے علماء جاتے رہیں گے اور (پڑھے لکھے) جاہلوں کی کثرت ہوگی، تم میں حرف خواں زیادہ اور فقیہ کم ہوں گے، امیر زیادہ اور دیانت دار کم ہوں گے، آخرت والے اعمال سے دنیا سمیٹی جائے گی، اور بے دینی کے لئے اسلامی قانون پڑھا جائیگا)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث :

اس کو دارمی نے دو سندوں کے ساتھ برقم: (۱۸۷ و ۱۸۸)، حاکم نے مستدرک: (۵۶۰/۴)

نعیم بن حماد نے الفتن: (۱/ ۴۲ و ۱/ ۴۸)، بیہقی نے المدخل: (۱/ ۴۵۳)، ابن ابی شیبہ نے مصنف: (۷/ ۴۵۲)، معمر بن راشد نے الجامع: (۱۱/ ۳۵۹) میں روایت کیا ہے۔

حاکم نے روایت کر کے سکوت فرمایا ہے، اور دارمی کے پہلے طریق میں سارے راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت اعمش ثقہ ہونے کے باوجود مدلس ہیں اور انہوں نے یہاں عنعنہ کیا ہے جس کی وجہ سے روایت ضعیف ہوگئی اور دارمی کے دوسرے طریق میں ایک راوی یزید بن ابی زیاد ہے جو مختلف فیہ ہے، احمد بن صالح نے ان کو ثقہ اور ابو حاتم وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ (تہذیب: ۱۱/ ۳۲۹) غرض یہ دو روایات ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں، نیز معمر نے اس کو ایک اور طریق سے عن معمر عن قتادہ روایت کیا ہے، اس طرح اس حدیث کو تعدد طرق سے قوت ملجاتی اور وہ حسن ہوجاتی ہے۔

بدعت کو سنت سمجھنے کا فتنہ:

اس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک خوف ناک فتنہ کا ذکر کیا ہے جو طویل زمانہ تک لوگوں میں رہے گا اور لوگوں پر حاوی ہوجائے گا، جس میں ادھیڑ عمر کے لوگ بوڑھے اور بچے جوان ہوجائیں گے، یہ کیا فتنہ ہوگا؟

یہ فتنہ جہالت اور دین سے دوری و بعد کا فتنہ ہوگا، لوگ اس وقت جہالت و بے دینی میں پڑے ہوں گے حتی کہ ان کو اسلام کا حقیقی چہرہ کیا ہے، معلوم نہ ہوگا، جہالت کی باتوں کو دین سمجھ کر عمل کرتے رہیں گے حتی کہ اگر ان جہالت کے کاموں میں سے کوئی کام چھوٹ جائے تو لوگ کہیں گے کہ سنت چھوٹ گئی یا چھوڑ دی گئی یعنی بدعات و رسومات ہی کو دین و شریعت اور سنت سمجھ کر عمل کرتے ہوں گے اور کوئی بات کسی نے ترک کر دی تو سمجھیں گے کہ دین کی بات ترک

کردی گئی ہے حالانکہ وہ دین نہیں دین کے خلاف بات ہوگی۔

آج بھی بہت سے علاقوں میں یہ صورتِ حال دیکھی جاسکتی ہے، جہاں من گھڑت باتوں اور جاہلانہ رسموں کا نام دین ہے، اگر کوئی امام ان کی اصلاح کے لئے یہ کہدے کہ یہ رسم ترک کرو کہ اسکا دین سے تعلق نہیں، تو وہ لوگ مارنے مرنے کو تیار ہوجائیں اور من گھڑت رسموں کو سنت وشریعت سے بڑھکر دل سے لگائیں گے کیونکہ ان کے نزدیک انہی بدعات ورسومات کا نام دین ہے۔

ایسا کب ہوگا؟:

لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا کہ ایسا کب ہوگا؟ تو فرمایا کہ ''جب تم میں علماء نہ رہیں گے، جاہلوں کی کثرت ہوجائے گی، قرآن پڑھنے والے تو بہت ہوں گے مگر سمجھنے والے کم ہوں گے اور حاکم تو بہت لوگ ہوں گے مگر دیانت دار کم لوگ ہوں گے اور آخرت کے کاموں سے دنیا تلاش کی جائے گی اور دنیا کے لئے فقہ وعلم دین حاصل کیا جائے گا''

آج یہ ساری باتیں منظر عام پر آچکی ہیں، حقیقی علماء کم اور جاہل (پڑھے لکھے جاہل) بہت ہیں، قرآن پڑھنے والے بہت ہیں مگر قرآن کا فہم وادرک رکھنے والے کم ہیں حتی کہ علماء میں بھی نام کے علماء اور عہدے ومنصب کے بچاری، سیاست دانوں کے غلام اور چیلے بہت ہیں مگر حقیقی علماء کم ہیں، اسی طرح سیاست داں اور منصب دار تو بہت ہیں مگر امانت دار کتنے ہیں؟ قوم وملت کی خیانت نہ کر کے ان کو صحیح طور پر حقوق دینے والے کتنے ہیں؟ اسی طرح علم دین میں دنیا طلبی کا عنصر شامل ہوگیا ہے، جس کے نتیجہ میں جہالت عام ہوتی جارہی ہے اور شریعت کے نام پر جہالت کے کام جاری ہورہے ہیں، حتی کہ بعض مدارس میں تک خرافات ومحرمات کا شو، فخر کے

طور پر کیا جارہا ہے۔(فالی اللہ المشتکی)

حدیث ﴿۸۲﴾

﴿وَ اَخْرَجَ الْاِمَامُ مَالِكٌ فِیْ جَامِعِ الصَّلٰوةِ (ص ۱٦۰): اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لِاِنْسَانٍ :اِنَّكَ فِیْ زَمَانٍ كَثِیْرٌ فُقَهَاءُهٗ، قَلِیْلٌ قُرَّاءُهٗ، تُحْفَظُ فِیْهِ حُدُوْدُ الْقُرْآنِ وَ تُضَیَّعُ حُرُوْفُهٗ، قَلِیْلٌ مَنْ یَسْئَلُ ،كَثِیْرٌ مَنْ یُعْطِیْ، یُطِیْلُوْنَ فِیْهِ الصَّلٰوةَ وَ یَقْصُرُوْنَ الْخُطْبَةَ یَبْدَؤُنَ فِیْهِ اَعْمَالَهُمْ قَبْلَ اَهْوَائِهِمْ وَ سَیَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ قَلِیْلٌ فُقَهَاءُهٗ، كَثِیْرٌ قُرَّاءُهٗ، تُحْفَظُ حُرُوْفُ الْقُرْآنِ وَ تُضَیَّعُ حُدُوْدُهٗ كَثِیْرٌ مَنْ یَسْئَلُ، قَلِیْلٌ مَنْ یُعْطِیْ ، یُطِیْلُوْنَ فِیْهِ الْخُطْبَةَ وَ یَقْصُرُوْنَ الصَّلٰوةَ ، یَبْدَؤُنَ فِیْهِ اَهْوَائَهُمْ قَبْلَ اَعْمَالِهِمْ﴾

(ترجمہ: مؤطا امام مالک کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: دیکھو! تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں فقیہ (دین کو سمجھنے والے) زیادہ ہیں اور قاری کم، اس زمانہ میں قرآن کے حروف سے زیادہ اس کی حدود (احکامات) کی نگہداشت کی جاتی ہے، مانگنے والے کم اور دینے والے زیادہ ہیں، خطبہ مختصر اور نماز لمبی ہوتی ہے، اس زمانہ میں لوگ اعمال کو خواہشات پر مقدم رکھتے ہیں اور ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں فقیہ کم ہوں گے اور قاری زیادہ، قرآن کے حروف کی خوب حفاظت کی جائے گی مگر اس کے حدود (احکامات) کو پامال کیا جائے گا، مانگنے والوں کی بھیڑ ہوگی لیکن دینے والے کم

ہوں گے، تقریریں بڑی لمبی چوڑی کریں گے لیکن نماز مختصر سی پڑھیں گے اور لوگ اعمال سے پہلے اپنی خواہشات کو آگے رکھیں گے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو امام مالک نے مؤطا: (۳۷۹) میں اور انہی کے طریق سے بیہقی نے شعب الایمان: (۲۵۸/۴) میں اور ابوعمرو الدانیؒ نے السنن الواردۃ: (۶۷۵/۲) میں روایت کیا ہے۔

امام مالک تک اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر روایت میں انقطاع ہے کیونکہ امام مالک کے شیخ یحییٰ بن سعید انصاری مدنی نے اس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حالانکہ ان کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل نہیں، امام ابن المدینی نے فرمایا کہ سوائے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے یحییٰ بن سعید نے کسی صحابی سے نہیں سنا۔

(کما فی التہذیب: ۱۱ / ۲۲۳)

قرّاء کی کثرت اور فقہاء کی قلت کا دور:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی نصیحت میں اپنے زمانہ کا اور بعد میں آنے والے زمانہ کا تقابل فرمایا ہے اور دونوں کے درمیان جو زمین و آسمان کا فرق ہے، اس کی نشاندہی کی ہے۔

(۱) ایک تو یہ فرمایا کہ "وہ (صحابہ کا) زمانہ ایسا ہے جس میں فقہاء زیادہ اور قراء کم ہیں اور ایک زمانہ بعد میں آئے گا جس میں قراء زیادہ اور فقہاء کم ہوں گے، اور اِس زمانہ میں حروف

سے زیادہ قرآن کے حدود و احکام کی نگہداشت و پاسداری کیجاتی ہے، اور ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں حروف کی پوری نگہداشت کی جائے گی مگر حدودِ شریعت کو پامال کیا جائے گا۔

فقہاء وہ حضرات ہیں جو قرآن کو صحیح طور پر پڑھتے بھی ہیں اور صحیح طور پر سمجھتے بھی ہیں اور علوم شریعت پر ان کی گہری نظر بھی ہوتی ہے اور وہ قرآن و حدیث کے منشأ و مقصد کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان سے احکام کے استنباط کا ملکہ رکھتے ہیں۔

اور قراء سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن کو اچھی آواز و لہجہ میں اور حروف و الفاظ کو بنا سنوار کر پڑھتے ہیں، اگر چہ اس کے مطالب و مضامین اور مقاصد و قوانین کی طرف دھیان نہیں دیتے، قال شیخ الحدیثؒ: الذین یقرؤن بدون معرفۃ المعنی (اوجز المسالک: ۱/۲۱۷)

یہاں حضرت ابن مسعود ﷛ نے جو یہ فرمایا کہ ''اُس (صحابہ کے) زمانے میں حدود قرآن کی حفاظت کی جاتی تھی اور حروف کو ضائع کیا جاتا تھا'' یہ اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے، کیونکہ حروف کی تضییع کے ساتھ قرآن سمجھا کیسے جاسکتا ہے؟ اس لئے اس کو بعض حضرات نے اس زمانے کے منافقین پر محمول کیا ہے (زرقانی: ۱/۵۰۰، اوجز المسالک: ۲/۲۱۷) اور علامہ سیوطی نے جو اس سلسلہ میں فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے مراد قرأت کی مختلف انواع میں توسع کی وجہ سے وہ حضرات اس کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے تھے اور اس کے مقابلہ میں احکام کی زیادہ رعایت کرتے تھے۔ (تنویر الحوالک: ۱/۱۴۴)

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا الکاندھلویؒ نے اس بارے میں جو فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کا یہ حکم اکثر لوگوں کے لحاظ سے ہے (یعنی اس زمانے میں عام صحابہ ضروری تجوید پر اکتفاء کرتے تھے، اور اس کی باریکیوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے) بلکہ وہ

حضرات حروف، اظہار واخفاء وغیرہ کے مقابل زیادہ محافظت اور اہتمام قرآن کے فہم وفقہ کا فرماتے تھے۔(اوجز المسالک:۲/۲۱۷)

غرض یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تقابل فرمایا اپنے دور اور بعد کے ادوار کا اور دونوں میں فرق کو واضح کیا۔

آج ہم اس زمانہ میں یہ نقشہ دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے مدارس ومکاتب میں بلنسبت ماضی کے قرآن کی تجوید وترتیل پر بہت زور دیا جارہا ہے، مگر اس کے علم وفہم اور اس پر عمل کی طرف وہ دھیان نہیں ہے جو ہونا چاہئے تھا، اوپر بھی حدیث پاک میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔

ایک ضروری تنبیہ:

یہاں معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کو صحیح پڑھنے پر زور دینے کی بُرائی مقصود نہیں ہے بلکہ عمل وفہم پر زور نہ دینے کی برائی مقصود ہے، یہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ چنانچہ علامہ زرقانیؒ نے لکھا ہے کہ

''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے زمانہ میں قراءتِ قرآن میں کمی تھی بلکہ آپ نے اپنے زمانہ کی تعریف ومدح کثرتِ فقہاء سے کی ہے کہ اس زمانہ میں فقہاء بہت تھے اور ان حضراتِ صحابہ کی فقہ زیادہ تر قرآن سے مستنبط تھی کیونکہ وہاں بلا سمجھے پڑھنے والے کم تھے اور یہ بات محال ہے کہ جو قرآن کو محفوظ نہ کیا ہو، وہ قرآن سے احکام کا استنباط کرلے اور جو قرآن پڑھا ہوا نہ ہو، اس کو فقہ سے متصف کیا جائے اور یہ بھی (محال) ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے فضل ومرتبہ کے باوجود اور تلاوتِ قرآن میں بڑا مقام رکھنے کے باوجود صحابہ کرام کی تعریف، قراءت میں کمی کی بنا پر کریں (آگے فرمایا کہ) معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت اور اس کا

حفظ اونچے مناقب وفضائل میں سے ہے اور یہ ناممکن ہے کہ تلاوت کرنے کی وجہ سے عیب لگایا جائے، لہٰذا حضرت ابن مسعود ﷜ کے قول کی تاویل واجب ہے۔

(شرح زرقانی للمؤطا: ۱/ ۵۰۰)

حاصل یہ کہ آپ کی مراد بعد کے دور والوں کی قلتِ فقاہت کی برائی کرنا ہے نہ کہ تلاوت کرنے کی برائی، جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔

بھکاریوں کی بھیڑ:

(۲) دوسرا تقابل یہ فرمایا کہ اِس زمانہ میں مانگنے والے کم اور دینے والے زیادہ ہیں اور بعد کے دور میں مانگنے والے زیادہ اور دینے والے کم ہوں گے۔

آج بھیک مانگنے والوں کی بھیڑ دکھائی دیتی ہے خصوصاً شہروں میں بھیک مانگنے والوں کا انتہائی مکروہ منظر دکھائی دیتا ہے اور دینے والے خال خال ہوتے ہیں ایک دور ایسا گذرا کہ لوگ فقر وفاقہ کے باوجود مانگتے نہیں تھے، دینے والوں کو تلاش کر کے دینا پڑتا تھا اور آج بھیک والے مانگنے والے بے ضرورت بلکہ محض مال و دولت بڑھانے کی غرض سے مانگتے ہیں، کسی فقر واحتیاج کی بنا پر نہیں مانگتے، ان کو فقر وفاقہ نے مانگنے پر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ یہ بھیک ایک دھندہ اور تجارت ہوگئی ہے اور اس کا ایک طبقہ ہے جو اپنے بچوں کو اس کی ٹریننگ بھی دیتا ہے۔

ایک طرف تو بھیک کا یہ منظر آج دیکھنے کو ملتا ہے دوسری طرف ان سے بھی اعلیٰ درجہ کے ''مہذب بھکاریوں'' کا بھی ایک منظر آج دکھائی دیتا ہے، جو جوان ہٹے کٹے ہونے اور مالدار ہونے کے باوجود شادی کے بہانہ لڑکی والوں سے بھیک مانگتے ہیں اور جوڑے جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ یہ صریح حرام اور ناجائز ہے۔ حدیث میں بلاضرورتِ شدیدہ مانگنے والوں کی

سخت مذمت اوران پر سخت وعید آئی ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو آدمی لوگوں سے مانگتا رہتا ہے وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔(بخاری:۱۲۸۱، مسلم:۱۷۲۴، نسائی:۲۵۳۸، احمد:۴۴۰۹)

مگر افسوس کہ آج غیر مہذب بھکاریوں کے ساتھ ان مہذب بھکاریوں کی بھی ایک بھیڑ کی بھیڑ موجود ہے، اگلے زمانوں میں اس کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اور دینے والوں کا حال یہ ہے کہ ضرورت مندوں اور یتیموں و بیواؤں کی حاجت و ضرورت کو جاننے کے باوجود مالدار طبقہ از خود دینا نہیں چاہتا بلکہ مانگنے پر بھی حقارت و توہین کے ساتھ اور اپنی بڑائی کے ساتھ اور احسان جتا کر دیتا ہے۔اور اس کے خلاف حضرات صحابہ کا معمول یہ تھا کہ خود حاجت مندوں کو تلاش کر کے دیتے اور لینے والے کا احسان سمجھتے۔

خطبہ طویل مگر نماز مختصر:

(۳) تیسرا تقابل دونوں زمانوں میں یہ فرمایا کہ اس زمانہ میں لوگ (خطیب لوگ) نماز کو طویل اور خطبہ کو چھوٹا کرتے ہیں اور بعد کے زمانہ میں یہ ہوگا کہ نماز تو مختصر پڑھیں گے اور خطبہ اور وعظ کو طویل کریں گے۔

ظاہر ہے کہ نماز اصل اور اہم عبادت اور مقصود بالذات عبادت ہے اور خطبہ و وعظ تو اسی نماز اور دیگر عبادات اور احکامِ شرعیہ کی طرف متوجہ کرنے اور راغب کرنے کا ایک ذریعہ و طریق ہے، اگر ذریعہ اور وسیلہ میں ہی سارا وقت کھپا دیا جائے گا تو اصل مقصد کب پورا ہوگا؟ عقلمندی یہ ہے کہ ذریعہ و وسیلہ پر وقت کم لگے اور مقصد پر زیادہ۔چنانچہ حدیث میں اللہ کے رسول علیہ السلام کا ارشاد آیا ہے کہ:

﴿إِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهٖ﴾
(یعنی آدمی کا نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کی سمجھداری کی علامت ہے)
(مسلم: ۱۴۳۷، احمد: ۱۷۵۹۸، دارمی: ۱۵۱۱)

پہلے تو ایسا ہی ہوتا تھا اور اب اس کے خلاف یہ ہوتا ہے کہ سارا وقت تو وعظ و بیان اور تقریر میں گذر جاتا ہے اور لوگ بھی لمبے لمبے وعظ سننے کو تیار ہو جاتے ہیں، مگر نماز میں ذرا طول ہو جائے تو شکوہ شکایت کرنے لگتے ہیں۔ وعظ و نصیحت کو ضرورت کے بجائے ایک مقصد سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ وہ مقصد تک پہنچنے یا پہنچانے کا وسیلہ ہے۔

عمل پر خواهش کو مقدم کیا جائے گا:

(۴) چوتھا تقابل یہ فرمایا کہ اس زمانہ میں لوگ خواہشات کو پورا کرنے سے پہلے اعمال کا اہتمام کرتے ہیں اور بعد میں ایسا ہوگا کہ لوگ اعمال سے پہلے اپنی خواہشات کو پورا کریں گے۔

اس میں خواہشات سے مراد غالباً مباح و جائز خواہشات ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام اپنی جائز خواہشات کو پورا کرنے کے بجائے اعمال صالحہ کی طرف لپکتے تھے اور تجارت، کھانا، پینا، بیوی بچے وغیرہ سب حلال خواہشات ہیں مگر اعمال کی طرف رغبت اُنہیں اعمال کو آگے کرنے پر مجبور کرتی تھی۔ چنانچہ قرآن میں ان حضرات کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ

﴿رِجَالٌ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ الخ﴾ (سورۂ نور: ۳۷)

(وہ مرد کہ ان کو اُن کی تجارت اور خرید و فروخت، اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے سے غافل نہیں کرتی الخ)

حضرت عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اذان سنتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک روز حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بازار سے گذرے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا، لوگوں کو دیکھا کہ دُکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جا رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ انہی حضرات کے بارے میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ہے۔ (الدر المنثور: ۲۰۷/۶) اور اسی طرح کا واقعہ حضرت ابن مسعود کا بھی آیا ہے

(تفسیر الطبری: ۳۳۲، الدر المنثور: ۲۰۷/۶)

ایک روایت میں ہے کہ عہدِ رسالت میں دو صحابی تھے، ایک تجارت کرتے تھے، دوسرے صنعت وحرفت یعنی لوہار کا کام کرتے تھے، پہلے صحابی کا حال یہ تھا کہ اگر سودا تولنے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑ جاتی تو وہیں ترازو کو پٹک کر نماز کے لئے چلے جاتے اور دوسرے صحابی کا حال یہ تھا کہ اگر گرم لوہے پر ہتوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں اذان کی آواز آ گئی، تو اگر ہتوڑا مونڈھے پر بھی ہو تو وہیں مونڈھے کے پیچھے ہی اس کو ڈالکر نماز کا چل دیتے تھے، ان حضرات کی تعریف میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی: ۲۷۹/۱۲)

یہ حال تھا حضراتِ صحابہ کا اور آج یہ حال ہے کہ لوگ حلال تو حلال، حرام خواہشات کو پورا کرنے کیلئے بھی اعمال کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، نماز کا وقت آجائے تو دورِ اول میں کسی کی مجال تھی کہ نماز چھوڑ کر کاروبار میں لگا رہے؟ اور آج کتنے ہیں جو کاروبار چھوڑ کر نماز کو آتے ہیں، آج معمولی معمولی حیلوں اور بہانوں سے احکاماتِ خداوندی واعمالِ شرعیہ کو پس پشت ڈالدینا ایک معمولی بات ہے۔

دونوں کے اس فرق کو سامنے رکھ کر آدمی کو اپنی اصلاح کی فکر کرنا چاہئے اور اپنے ساتھ

ساتھ دوسرے بھائیوں اور اپنے معاشرے و ماحول کی اصلاح کی بھی فکر کرنا چاہئے۔

حدیث ﴿۸۸﴾

﴿عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ﷺ قَالَ : لَا يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ عَامٌ اِلَّا وَهُوَ شَرٌّ مِّنَ الَّذِیْ قَبْلَهٗ، اَمَا اَنِّی لَسْتُ اَعْنِیْ عَامًا اَخْصَبَ مِنْ عَامٍ وَّلَا اَمِیْرًا خَیْرًا مِّنْ اَمِیْرٍ وَّلٰكِنْ عُلَمَاءُكُمْ وَخِیَارُكُمْ وَفُقَهَاءُكُمْ یَذْهَبُوْنَ، ثُمَّ لَا تَجِدُوْنَ مِنْهُمْ خُلَفَاءَ وَتَجِیْ قَوْمٌ یَقِیْسُوْنَ الْاَمْرَ بِرَأْیِهِمْ﴾

(ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں: تم پر ہر آئندہ سال پہلے سے بُرا آئیگا، میری مراد یہ نہیں کہ پہلا سال دوسرے سال سے غلہ کی فراوانی میں اچھا ہوگا، یا ایک امیر دوسرے امیر سے بہتر ہوگا بلکہ میری مراد یہ ہے کہ تمام علماء صالحین اور فقیہ ایک ایک کر کے اٹھتے جائیں گے اور تم ان کا بدل نہیں پاؤ گے اور (قحط الرجال کے اس زمانہ میں) بعض ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دینی مسائل کو محض اپنی ذاتی قیاس آرائی سے حل کریں گے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو دارمی نے سنن میں برقم: (۱۹۰)، طبرانی نے معجم کبیر: (۹/۱۰۵)، الدانی نے السنن الواردۃ: (۳/۵۱۷)، بیہقی نے المدخل: (۱/۱۸۶) میں روایت کیا ہے۔

اور ابن حجر نے فتح الباری: (۱۱/۲۸۳) میں اس کو ذکر کر کے سکوت فرمایا ہے، جو اس کے

قابلِ احتجاج ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے راویوں میں مجالد بن سعید مختلف فیہ ہے، نسائی، یعقوب بن سفیان اور ابوزرعہ نے ان کی توثیق کی ہے اور یحیٰی القطان، احمد و یحیٰی بن معین نے ان کی تضعیف کی ہے۔ (تہذیب: ۴۱/۱۰، سیر اعلام النبلاء: ۲۸۵/۶، الجرح والتعدیل: ۲۰۰/۲) لہذا روایت حسن ہوگی۔

دینی مسائل میں غلط قیاس آرائی:

اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہر بعد کا دور پہلے دور سے زیادہ شر و فتنہ لیکر آتا ہے۔ اور اس سے مراد دنیوی اعتبار سے خیر و شر نہیں بلکہ دینی اعتبار سے خیر و شر مراد ہے۔ پھر فرمایا کہ علماء و فقہاء اور صالحین اٹھتے چلے جائیں گے اور تم ان کا کوئی بدل نہ پاؤ گے پھر ایک قوم آئے گی جو اپنی رائے سے مسائل حل کرے گی۔

اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک فتنہ سے آگاہ فرما رہے ہیں کہ علماء نہ ہونے کی وجہ سے لوگ محض قیاس و رائے سے اپنی جہالت کے باوجود دینی مسائل و احکام کا حل پیش کریں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اس میں علماء و فقہاء کے اٹھائے جانے کا جو ذکر ہے، اس سے مراد ایک تو حقیقی علماء و فقہاء ہیں ورنہ تو نام کے علماء، دنیا میں بہت سے رہیں گے جو خود ہی دین کی سمجھ نہ ہونے کی وجہ سے عوام کالانعام کے حکم میں ہوں گے اور یہ صرف لفظوں کے مشاق ہوں گے۔ دوسرے اس سے مراد یہ ہے کہ اکثر علماء و فقہاء اٹھ جائیں گے۔ ورنہ کچھ حقیقی علماء تو قیامت تک رہیں گے یعنی قرب قیامت تک جیسا کہ اوپر حدیث گذر چکی ہے، مگر ان کی تعداد کم ہوگی، جس کی وجہ سے اس طرح کے فتنے امت میں اٹھتے رہیں گے۔ چنانچہ آج بھی اس کا نمونہ ملتا ہے کہ کس طرح دین

سے جاہل و عاری ہونے کے باوجود بعض لوگ محض مال یا جاہ و شہرت کی خاطر دین میں رائے زنی کر کے امت کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ گذشتہ صفحات میں اس طرح کے فتنوں کی طرف ہم نے نشاندہی کر دی ہے۔

حدیث ﴿۸۹﴾

﴿عَنْ يَزِيْدِ بْنِ عُمَيْرَةَ رحمه الله .... وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ مُعَاذٍ ﷺ قَالَ: كَانَ لَا يَجْلِسُ مَجْلِسًا لِلذِّكْرِ حِيْنَ يَجْلِسُ اِلَّا قَالَ: اَللّٰهُ حَكَمٌ قِسْطٌ، هَلَكَ الْمُرْتَابُوْنَ، قَالَ مُعَاذُبْنُ جَبَلٍ ﷺ يَوْمًا: اِنَّ مِنْ وَّرَائِكُمْ فِتَناً يَكْثُرُ فِيْهَا الْمَالُ ، وَيُفْتَحُ فِيْهَا الْقُرْاٰنُ حَتّٰى يَاْخُذَ الْمُؤْمِنُ وَالْمُنَافِقُ وَالرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُوَالْكَبِيْرُوَالصَّغِيْرُ وَالْعَبْدُوَالْحُرُّ، فَيُوْشِكُ قَائِلٌ اَنْ يَّقُوْلَ:مَا لِلنَّاسِ لَا يَتَّبِعُوْنِىْ وَقَدْ قَرَأْتُ الْقُرْاٰنَ، مَا هُمْ بِمُتَّبِعِىَّ حَتّٰى اَبْتَدِعَ لَهُمْ غَيْرَهٗ ، فَاِيَّاكُمْ وَمَا اُبْتُدِعَ فَاِنَّ مَا اُبْتُدِعَ ضَلَالَةٌ،وَاُحَذِّرُكُمْ زَيْغَةَ الْحَكِيْمِ، فَاِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَقُوْلُ كَلِمَةَالضَّلَالَةِ عَلٰى لِسَانِ الْحَكِيْمِ وَقَدْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُ كَلِمَةَ الْحَقِّ ، قَالَ : قُلْتُ لِمُعَاذٍ (رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ): مَايُدْرِيْنِىْ، رَحِمَكَ اللّٰهُ ، اِنَّ الْحَكِيْمَ قَدْيَقُوْلُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ قَدْ يَقُوْلُ كَلِمَةَ الْحَقِّ قَالَ:بَلٰى، اِجْتَنِبْ مِنْ كَلَامِ الْحَكِيْمِ الْمُشْتَهَرَاتِ (وفى رواية المشتبهات) الَّتِىْ يُقَالُ لَهَا: مَاهٰذِهٖ؟ وَلَا يُثْنِيَنَّكَ ذَالِكَ عَنْهُ، فَاِنَّهٗ لَعَلَّهٗ يُرَاجِعُ وَتَلَقَّ الْحَقَّ اِذَا سَمِعْتَهٗ فَاِنَّ عَلَى الْحَقِّ نُوْرًا﴾

(ترجمہ: یزید بن عمیرؒ جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب بھی وعظ کے لئے بیٹھتے یہ کلمہ ضرور فرماتے: اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے والا، انصاف کرنے والا ہے، شک میں پڑنے والے ہلاک ہوئے۔ ایک........دن حضرتؒ معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے بعد بہت سے فتنے پیدا ہوں گے، اس زمانہ میں مال بہت ہوگا اور قرآن (ہر ایک کے لئے) کھلا ہوا ہوگا، جس سے مومن بھی دلیل پکڑے گا، اور منافق بھی، مرد بھی دلیل پکڑے گا، اور عورت بھی، بڑا بھی اور چھوٹا بھی، غلام بھی اور آزاد بھی۔ بعید نہیں کہ کوئی کہنے والا یہ کہے: کیا بات ہے؟ میں نے قرآن پڑھ لیا پھر بھی لوگ میری پیروی نہیں کرتے؟ لوگ میری پیروی نہیں کریں گے، جب تک کہ میں ان کے سامنے کوئی نئی بات پیش نہ کروں، (حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا پس (دین میں) جدّت طرازی سے بچتے رہنا، کیوں کہ ایسی جدت (نئی بات) گمراہی ہے اور میں تمہیں عالم کی لغزش سے ڈراتا ہوں کیونکہ شیطان کبھی گمراہی کی بات عالم کے منہ سے بھی نکلوا دیتا ہے اور کبھی منافق آدمی بھی سچی بات کہہ سکتا ہے، (راوی کہتے ہیں) میں نے کہا حضرت! مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ صاحبِ علم نے گمراہی کی بات کہی اور منافق کے منہ سے کلمۂ حق نکلا (آخر حق و باطل کی شناخت کا معیار کیا ہوگا؟) فرمایا: ہاں (میں بتلاتا ہوں): صاحبِ علم کی ایسی مشتبہ بات سے پرہیز کرو جس کے بارے میں (عام اہلِ علم کی جانب سے کہا جائے کہ یہ کیا بات ہوئی؟ (ایسی صورت میں سمجھ لو کہ یہ بات غلط ہے) لیکن صرف اس غلطی کی بنا پر تمہیں اس سے برگشتہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ شاید وہ اپنی غلطی سے رجوع کرلے (ہاں حق واضح ہو جانے کے بعد بھی وہ اپنی غلطی پر اصرار کرے، تو ایسا شخص عالم ہی نہیں بلکہ جاہل ہے) اور حق بات خواہ کسی سے سنو، اسے قبول کرلو، کیونکہ حق پر نور ہوتا ہے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کوابوداوٗد نے سنن، کتاب السنۃ: (۴۶۱۱)، معمر نے الجامع: (۱۱/۳۶۴) لالکائی نے عتقاد: (۱/۸۹)، فریابی نے صفۃ المنافق: (۱/۵۸)، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء: (۱/۲۳۳)، بیہقی نے المدخل: (۱/۴۴۴) میں روایت کیا اور حاکم نے مستدرک: (۴/۵۰۷) میں روایت کر کے علی شرط الشیخین صحیح قرار دیا ہے۔

دین میں جدت طرازی کا فتنہ:

حضرت معاذ بن جبل ﷺ جو فقہاء صحابہ میں سے تھے، انہوں نے ایک موقعہ پر خطبہ دیا اور اس خطبہ میں چند اہم باتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) ایک تو یہ فرمایا کہ قرآن کی تعلیم عام ہو جائے گی اور مومن و منافق، مرد و عورت چھوٹے اور بڑے، غلام و آزاد، سب اس سے اپنے اپنے انداز سے دلیل پکڑیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب سبھی کو قرآن کا علم ہے تو کسی کی اتباع و پیروی کوئی کیوں کرے؟ حضرت معاذ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس صورتِ حال میں کچھ لوگ یوں کہیں گے کہ میں نے قرآن پڑھا ہے، مگر لوگ میری اتباع نہیں کرتے، اس لئے اب میں کچھ نئی باتیں پیش کروں گا، تو تب لوگ میری اتباع کریں گے، کیونکہ عام لوگ نئی بات کی طرف لپکتے ہیں اور جب کوئی شخص کوئی نئی بات پیش کرتا ہے تو اس کی طرف لوگوں کا میلان ورجحان، زیادہ ہونے لگتا ہے، عام علماء کو جو دین کی سادھی سیدھی باتیں اور وہی پُرانی باتیں بیان کرتے ہیں ان کو لوگ خاطر میں نہیں لاتے اور یوں کہتے ہیں کہ یہ تو بس

پرانی باتیں ہی بیان کرتے ہیں۔

حضرت معاذ ﷜ نے اس فتنہ کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ بدعت سے بچو، کیونکہ وہ ضلالت ہے۔

حضرت معاذ ﷜ کی یہ بات حرف بحرف پوری ہو رہی ہے، قرآن کی تعلیم (اگر چہ محض ظاہری طور پر ہو) پہلے کے مقابلے میں عام ہو رہی ہے اور ہر کس و ناکس اس سے استدلال کرنے اور اپنے اپنے مطلب کی بات نکالنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، اور پھر بعض شہرت پسند علماء اور جاہ کے پیاسے لکھے پڑھے لوگ، عوام کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے کچھ نئی نئی باتیں، عجیب تحقیقات و انکشافات لوگوں کے سامنے لاتے ہیں، جن کو دلیل کی کوئی روشنی حاصل نہیں ہوتی۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں۔

عالم کی لغزش:

(۲) پھر اس کے بعد حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ میں تم کو عالم کی لغزش سے ڈراتا ہوں، کیونکہ شیطان کبھی عالم کی زبان سے کلمۂ ضلالت کہتا ہے، اور منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے۔ لہٰذا جو بات عالم کی حق ہو اور دلیل کی بنیاد پر ہو، وہی قابل قبول ہوگی اور جو ایسی نہ ہو وہ قابل رد ہوگی۔

عالم کی لغزش کو پہچاننے کا اصول:

(۳) حضرت معاذ ﷜ کے شاگرد یزید بن عمیرؒ جو اس روایت کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے سوال کیا کہ مجھے پھر کیسے پتہ چلے گا، کہ عالم نے گمراہی کی بات کہی ہے اور منافق نے حق بات کہی ہے؟ میں دونوں میں کس طرح امتیاز کروں گا؟

یہ بڑا اہم سوال ہے، جس کا سمجھنا ہم سب کے لئے ضروری ہے کیونکہ جب عالم کی زبان سے بھی گمراہی کی بات نکل سکتی ہے، تو اس کے پہچاننے کا کوئی معیار بھی ہونا چاہئے، اس لئے یزید بن عمیرؒ نے حضرت معاذ ﷛ سے یہ سوال کیا، اس پر حضرت معاذ ﷛ نے عجیب بات فرمائی کہ:

''عالم کی ایسی مشتبہ بات سے بچو جس کے بارے میں یوں کہا جائے کہ یہ کیا بات ہے؟''

یعنی عام علماء زمانہ اس پر نکیر کریں اور اس کی تصدیق وتائید نہ کریں اور اس کو درست نہ سمجھیں تو تم سمجھ لو کہ یہ بات صحیح اور درست نہیں ہے، لٰھذا اس سے بچو۔

یہ عجیب اصول ہے اور واقعی صحیح اور معقول اصول ہے کہ عام طور پر علماء جو بات کہیں وہ قابل قبول ہونا چاہئے اور جس کو عام طور پر علماء قابل نکیر سمجھیں اور جس کی تائید وتصدیق نہ کریں وہ قابل رد ہونا چاہئے۔

اگر اس اصول پر لوگ گامزن ہو جائیں، تو بہت سی ان گمراہیوں کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، جو آج معاشرے میں بعض دنیا پرست علماءِ سوء کی جانب سے پھیلائی گئی ہیں اور بعض جاہل لوگ یہ سمجھ کر ان کو قبول کر لیتے ہیں کہ ایک عالم کی کہی ہوئی بات ہے اگر چہ عام طور پر حضراتِ علماء اس بات کو گمراہی قرار دیتے ہوں۔ اگر حضرت معاذ ﷛ کے بتائے ہوئے اس اصول پر عمل کر لیا جائے تو اس قسم کی ساری گمراہیوں کا سدِ باب ہو جائے۔

اور اسی سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ بعض مکار قسم کے پیر ومشائخ لوگوں کو تصوف وحقیقت و معرفت کے نام پر گمراہی میں مبتلا کرتے ہیں اور بے چارے عوام صرف دین کی محبت میں اور اللہ کے راستہ کی طلب میں، ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اس اصول پر عمل کر

تے ہوئے سوچنا چاہئے کہ حضرات علماء (جو دین کے ظاہر و باطن دونوں سے آراستہ ہیں) وہ اس قسم کے پیروں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ بس اسی کو ان کے بارے میں فیصلہ کن بات سمجھنا چاہئے۔

لغزش پر عالم سے برگشتہ نہ ہو بلکہ!

آگے فرمایا کہ ایسی گمراہی کی بات کہنے کے باوجود اس عالم سے الگ نہ ہو جاؤ، بلکہ یہ دیکھو کہ رجوع کرتا ہے یا نہیں؟ اگر اپنی غلطی سے رجوع کرلیا تو بہت خوب کیونکہ عالم سے لغزش ہونا کوئی عجیب بات نہیں، بلکہ انسان ہونے کے ناطے اس سے لغزش کا صدور ہو سکتا ہے، ہاں لغزش کے بعد وہ رجوع نہ کرے اور اس پر اصرار کرے، تو وہ اب قابلِ احترام نہ رہے گا۔

معلوم ہوا کہ علماء کو اپنی غلطی سے رجوع کرنے میں پس و پیش نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ یہ ان کے حق میں مزید فضیلت کا سبب بنے گا۔

اب ذرا غور کریں کہ جب عالم سے بھی لغزش ہو سکتی ہے تو غیر عالم سے تو بدرجۂ اولیٰ ہو سکتی ہے اور اس کو بھی اپنی لغزش سے باز آنے کی فکر کرنا چاہئے۔ مگر افسوس کہ آج ایسے ایسے جاہل موجود ہیں جو دین میں رائے دیتے اور غلطی پر تنبیہ کے باوجود اپنی غلطی پر اصرار کرتے ہیں۔

حدیث ﴿۹۰﴾

﴿عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهِ الْاٰيَةَ [هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ وَقَرَأَ اِلٰى وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ] قَالَتْ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِذَا رَأَيْتِ [وَعِنْدَ مُسْلِمٍ] رَأَيْتُمْ

الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ سَمّٰا هُمُ اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ ﴾

(ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت [ھوالذی انزل علیک الکتاب ....اولوالالباب] تک پڑھی پھر ارشاد فرمایا کہ "جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن کے محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کی تلاش میں ہیں، تو سمجھ لو کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں۔

(اس طرح) کیا ہے (کہ ان کے دل میں کجی ہے)۔ پس ان سے الگ رہو)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کو بخاری نے کتاب التفسیر: (۴۱۸۳)، مسلم نے مختصراً کتاب العلم: (۴۸۱۷)، ترمذی نے مختصراً کتاب التفسیر: (۲۹۲۰)، ابوداؤد نے السنۃ: (۳۹۸۴) اور ابن ماجہ نے مقدمۂ سنن: (۴۶)، احمد نے مسند: (۲۵۰۰۱)، دارمی نے مقدمہ: (۱۴۵) میں روایت کیا ہے۔

اوران میں سے اکثر میں روایات میں "یتبعون" آیا ہے اور بعض میں اس کی جگہ "یجادلون" ہے اور مشکوۃ میں بخاری و مسلم کے حوالہ سے "یبتغون" نقل کیا گیا ہے۔ (مشکوۃ: ص ۲۸) اور حدیث کا صحیح ہونا بخاری و مسلم کی تخریج سے ظاہر ہے۔

قرآن میں دو قسم کی آیات ہیں:

اس حدیث میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے قرآن پاک کی ایک آیت تلاوت فرمائی ہے اور پھر تنبیہ کی ہے کہ جو لوگ قرآن کے محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، وہی

لوگ اس آیت کے مصداق ہیں، وہ پوری آیت یہ ہے۔

﴿هُوَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیٰتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِیْلِهٖ،وَمَایَعْلَمُ تَأْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَایَذَّکَّرُ اِلَّا اُوْلُوا الْاَلْبَابِ﴾(سورۂ آلِ عمران:)

(ترجمہ: وہی (اللہ) ہے جس نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل کی، جس میں بعض آیتیں محکم (واضح المراد) ہیں، یہی اصل کتاب ہیں، اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں (جن کا معنے واضح نہیں) سو جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ تو اسی کے پیچھے ہو لیتے ہیں، جو مشتبہ المراد ہے تا کہ دین میں فتنہ ڈھونڈیں اور تا کہ غلط تاویل نکالیں، حالانکہ اس کا صحیح مطلب اللہ کے سواء کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم دین میں راسخ اور پختہ ہیں، وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر (اجمالاً) یقین رکھتے ہیں، سب آیات ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں، جو عقل مند ہوتے ہیں)

محکم ومتشابہ کی تفسیر اور حکم:

اس آیت میں قرآن پاک کی آیات کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک محکمات اور دوسرے متشابہات۔

علماء تفسیر نے محکم ومتشابہ کی تعریف میں کافی اختلاف کیا ہے۔ تفسیر مظہری میں اس کو اختیار کیا ہے کہ محکمات ان آیات کو کہتے ہیں جن کی مراد ایسے شخص پر بالکل ظاہر اور واضح ہو، جو قواعد عربیہ کو اچھی طرح جانتا ہو اور جن آیات کی مراد اور معنی ایسے جانکار شخص پر بھی ظاہر نہ ہو ان کو

متشابہات کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری: ۲/۷تا۸)

پہلی قسم کی آیات جن کو محکمات وام الکتاب کہا جاتا ہے، وہی دراصل سارے قرآن پاک کی تعلیمات کا خلاصہ اور روح ہیں کیونکہ انہی سے معانی ومفاہیم حاصل ہوتے ہیں اور انہی سے احکامات کا استنباط ہوتا ہے اور انہی پر عمل کر کے انسان راہ راست پر چل سکتا ہے۔

اور دوسری قسم کی آیات جن کو متشابہات کہا گیا اور جن کی مراد واضح نہیں اور مقصد کلام میں ابہام ہے، ان پر ایمان لانا چاہئے کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہیں اور ان کے معانی کے بارے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو محکمات کے تابع کر کے سمجھا جائے، اور کوئی ایسی مراد ان سے نہ لی جائے جو واضح المراد محکم آیات کے خلاف ہو۔ اور اگر ان محکمات کے مطابق معنی نہ سمجھ میں آئیں، تو پھر ان کے معنی کو اللہ کے حوالہ کر دیا جائے اور ان پر اجمالاً ایمان رکھے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ راسخین فی العلم کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ سب آیات (ظاہر المراد بھی اور خفی المراد بھی) اللہ کی طرف سے ہیں۔

❁ بنی اسرائیل کی گمراہی :

بنی اسرائیل میں گمراہی پھیلنے کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ ان لوگوں نے توریت وانجیل کی اُن آیات کو جو واضح المراد تھیں، جیسے اللہ کی توحید کی آیات کو چھوڑ دیا اور جن آیات میں ابہام اور خفا تھا، ان کو لے کر دوڑنے لگے، جیسے اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو "کلمۃ اللہ یا روح اللہ" کہا تو اس غیر واضح المعنی بات کو لے کر عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور جزء کہہ دیا اور خدا کی وحدانیت کے خلاف ان کو بھی ایک خدا بنا لیا۔

اس لئے اس حدیث میں اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ "جب تم ان لوگوں کو دیکھو

جو متشابہ آیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، تو سمجھ لو کہ یہ وہی ہیں، جن کا اللہ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے اور ان سے بچو۔

جھوٹے صوفیوں کی گمراہی:

تصوف کے نام پر گمراہ کرنے والے مشائخ اور پیر بھی اسی قسم کی گمراہی پھیلاتے ہیں، جو آیات واضح المراد ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، تلاوت وذکر وغیرہ، ان کو نہیں لیتے، بلکہ وہ حقیقت ومعرفت کے نام پر الٓمٓ، حٰمٓ، عٓسٓقٓ وغیرہ آیاتِ مقطعات کے معنی میں بحث کر کے لوگوں کو الجھاتے ہیں، اسی طرح اور آیات قرآنیہ جن کے معنی واضح نہیں، ان میں لوگوں کو پریشان کرتے ہیں، یہ سب گمراہی ہے۔

اللہ کے نبی علیہ السلام نے ان لوگوں سے بچنے کا صاف حکم دیا ہے اور ساری حقیقت کو ظاہر کر کے متنبہ کر دیا ہے۔

اگر اب بھی مسلمان ان باتوں کو نہیں سمجھیں گے اور ان غلط کار پیروں اور خرافاتی مشائخ کے چکر میں پڑ کر ہلاک ہوں گے، تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

تصوف کے بارے میں ضروری انتباہ:

یاد رہے کہ تصوف اور پیری، مریدی کوئی غلط چیز نہیں ہے بلکہ یہ دین پر چلنے کا اور اصلاح نفس کا طریقہ ہے ہاں اس نام سے لوگوں کو گمراہ کرنے والے بعض پیر ومشائخ غلط کار وگمراہ ہیں، لہٰذا ہماری تنقید تصوف پر نہیں ہے بلکہ ان جھوٹے مدعیان تصوف پر ہے جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ باقی سلوک وتزکیہ جس کو عرف میں تصوف کہا جاتا ہے، یہ قرآن وحدیث کا لب لباب ہے۔

میرے شیخ ومرشد حضرت مسیح الامتؒ اپنی کتاب ''شریعت وتصوف'' میں فرماتے ہیں:

''شریعت کا وہ جزء جو اعمالِ باطنی سے متعلق ہے تصوف وسلوک اور وہ جزء جو اعمالِ ظاہری سے متعلق ہے، فقہ کہلاتا ہے۔ اس کا موضوع تہذیب اخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے گویا کہ تصوف دین کی رُوح ومعنی یا کیف وکمال کا نام ہے جس کا کام باطن کو رذائل یعنی اخلاقِ ذمیمہ، شہوت، آفاتِ لسانی، غضب، حقد، حسد، حبّ دنیا، حُبّ جاہ، بخل، حرص، ریا، عجب، غرور سے پاک کرنا اور فضائل یعنی اخلاقِ حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف رجا، زہد، توحید وتوکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ وتفکّر سے آراستہ کرنا ہے تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہوجائے جو مقصودِ حیات ہے۔ اس لئے تصوف وطریقت دین وشریعت کے قطعاً منافی نہیں بلکہ مسلمان کے لئے لازمی ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہوتا۔

(شریعت وتصوف: ۹۶/۱)

حدیث ﴿۹۱﴾

﴿عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلَا اِنِّی اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ، اَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِيْكَتِهٖ يَقُوْلُ: عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ الحديث﴾

(ترجمہ: حضرت مقدام بن معدیکرب ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا: آگاہ رہو! مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی طرح کی (واجب الاطاعت وحی) اور بھی دی گئی ہے (جسے "سنت" کہا جاتا ہے) آگاہ رہو! عنقریب کوئی پیٹ بھرا اپنے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے (جو تکبر کی علامت ہے) متکبرانہ (انداز میں) کہے گا: لوگو! صرف اس قرآن ہی (پر عمل) کو لازم سمجھو، جو چیز تمہیں اس میں حلال ملے بس اسی کو حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ملے اسی کو حرام سمجھو، (قرآن فہمی کے لئے سنت سے مدد نہ لو) حالانکہ (موٹی بات ہے کہ) رسول اللہ ﷺ (حلال وحرام اور جائز وناجائز کا جو فیصلہ فرماتے ہیں وہ بحکم الٰہی ہوتا ہے اس لئے آپ ﷺ نے جس چیز کو حرام ٹھیرایا، وہ بھی اسی طرح (واجب الاحتراز ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی حرام ٹھیرائی ہوئی چیز (مگر تکبر اور غباوت کی وجہ سے اتنی موٹی بات کو نہیں سمجھے گا)۔

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس کو ابوداؤد نے کتاب السنۃ: (۳۹۸۸)، ابن ماجہ نے مقدمۂ سنن: (۱۲) ترمذی نے کتاب العلم: (۲۵۸۸)، دارمی نے مقدمۂ سنن: (۵۸۵) میں روایت کیا ہے۔

ابوداؤد کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن ماجہ کی روایت میں زید بن الحباب راوی ہے جو صدوق ہے مگر کبھی خطا کرتا ہے۔

نیز اس سند میں معاویہ بن صالح بھی ہیں جو مختلف فیہ راوی ہیں اور اوپر ان پر کلام گذر چکا اور ترمذی کی روایت میں بھی یہی معاویہ ہیں۔ امام ترمذی نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور جیسا کہ معلوم ہے تعدد طرق سے روایت قوی ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ حدیث حسن ہے۔

انکار حدیث، شکم سیری کا نتیجہ ہے:

اس حدیث پاک سے ''انکار حدیث'' کے فتنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ قرآن کے کافی ہونے کا دعوی کریں گے اور حدیث کو غیر ضروری اور فضول اور ناقابل اعتبار قرار دیں گے۔

آج یہ ''منکرین حدیث'' کا برپا کیا ہوا فتنہ پھیلتا جا رہا ہے اور یہ لوگ روپے پیسے کے بل بوتے اس فتنہ کو امت میں پھیلاتے جا رہے ہیں اور اس حدیث کے الفاظ '' رجل شبعان علی اریکته یقول ''(یعنی پیٹ بھرا آدمی اپنے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے کہے گا یعنی حدیث کا انکار کرے گا) سے پتہ چلتا ہے کہ اس فتنہ کے برپا کرنے والے شکم سیری اور عیش و مستی کے پروردہ ہوں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حدیث کا انکار کریں گے کیونکہ قرآن پاک کو حدیث سے کاٹ دیا جائے اور تشریح قرآن کے لئے حدیث کو لازم نہ قرار دیا جائے، تو ہر آدمی کو من پسند تشریح اور من مانی تفسیر کا موقعہ ملجاتا ہے اور اس کے ذریعہ اپنے ناپاک عزائم و مقاصد تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے، اس لئے یہ شکم سیر لوگ حدیث کا انکا کرتے ہیں تا کہ قرآن کی آزادانہ تفسیر کر سکیں جیسے ایک شخص نے دو'' قرآن'' نامی کتاب لکھی اور پورے قرآن کا منشا دنیوی آرائش وراحت اور دنیوی ترقی اور سائنسی ایجادات وانکشافات کو قرار دیدیا جبکہ قسم بخدا قرآن کا مقصد قطعا یہ نہیں ہے، بلکہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر اس کا مقصد اعظم ہے۔

غرض یہ کہ یہ شکم سیر لوگ ''انکار حدیث'' کے ذریعہ اپنے انہی ناپاک مقاصد وعزائم کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔

حجیت حدیث کے دلائل :

ہم اس جگہ ذرا سی وضاحت کرتے ہوئے یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن کیساتھ حدیث کو ماننا بھی ضروری ہے اور یہ شرعی مطالبہ ہے۔ پھر ہم ان منکرین حدیث کے اعتراضات کا مختصراً جائزہ لیں گے۔

(۱) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح اطاعتِ خداوندی کو لازم قرار دیا ہے، اسی طرح اطاعتِ رسول کو بھی لازم فرمایا ہے جیسے فرمایا:

﴿یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾ (سورۂ نساء:۵۹)

(اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اولوالامر کی اطاعت کرو۔)

اس کے علاوہ سورۂ مائدہ: ۹۲، سورہ نور: ۵۴، سورہ محمد: ۳۳ اور سورۂ تغابن: ۱۲، میں بھی اطاعتِ رسول کے حکم کو دہرایا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ کی اطاعت ضروری ہے، رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے بلکہ قرآن نے تصریح کی ہے:

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾ (نساء: ۸۰)

(جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے تحقیق کہ اللہ کی اطاعت کی)

نیز ایک اور موقعہ پر فرمایا گیا:

﴿وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا﴾ (احزاب : ۷۱)

(یعنی جس نے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی، وہ کامیاب ہوا)

اور فرمایا گیا:

﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (واحزاب: ۲۶)

(یعنی: جس نے اللہ کی اور رسول کی نافرمانی کی، وہ بڑی گمراہی میں پڑ گیا)

نیز رسول کی نافرمانی پر عذاب کی دھمکی دی گئی، چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (نور: ۶۳)

(ترجمہ: جو لوگ ان (رسول اللہ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، ان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آپڑے یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے)

معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ کی اطاعت بھی فرض ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر خدا کی اطاعت، قرآن پر عمل سے ہوگی تو رسول کی اطاعت آپ کی سنت اور اُسوہ پر عمل سے ہوگی۔

(۲) پھر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی پر جس طرح قرآن کی شکل میں وحی آتی تھی، اسی طرح اس کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ ہم اسی کو حدیث وسنت کہتے ہیں، مثلاً ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾

(ترجمہ: (اے نبی کو عورتو!) تم اللہ کی آیات اور حکمت کو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں، یاد کرو) (سورۂ احزاب: ۳۴)

سوال یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں قرآن کی آیات کے سوا حکمت کی وہ کونسی

چیز پڑھی جاتی تھی جس کو یادرکھنے کا حکم دیا گیا ہے؟ اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ وہ حکمت دراصل حدیث وسنت ہے، جوان کے گھروں میں قرآن کے ساتھ پڑھی جاتی تھی۔ معلوم ہوا کہ قرآن کے ساتھ حدیث وسنت کے یاد کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ کہ اللہ کے نبی ﷺ پر قرآن کے علاوہ ایک اور چیز بھی نازل ہوتی تھی۔

اور اس کے علاوہ قرآن میں جہاں بھی حکمت کا ذکر آیا ہے، وہاں یہی سنت مراد لی گئی ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں متعدد جگہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن اس لئے نازل کیا گیا کہ آپ اس کی تشریح وتبیین وتفہیم وتفصیل کریں، مثلاً فرمایا کہ:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾

ہم نے آپ پر ذکر (یعنی قرآن) کو اس لئے نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کیلئے کھول کھول کر بیان کریں، اس چیز کو جو اُن کی طرف (آپ کے توسط سے) نازل کی گئی ہے اور تا کہ وہ اس میں غور وفکر کریں) (سورۂ نحل:۴۴)

اسی طرح سورۃ بقرہ:۱۳۹، آل عمران:۱۶۴، اور سورۂ جمعہ:۲، میں بھی نبی کریم ﷺ کے مقاصد بعثت بیان کرتے ہوئے تعلیم کتاب کا ذکر ہے۔

سوال یہ ہے کہ کتاب کا ہونا اگر کافی تھا تو تعلیمِ کتاب کو آپ کی ذمہ داری کیوں قرار دیا؟ معلوم ہوا کہ قرآن کے متعدد مواقع ایسے ہیں کہ ان کی تشریح وتفہیم اور تبیین وتفصیل کی ضرورت ہے جو سنت وحدیث رسول سے ہی ہوتی ہے، جیسے خود نماز، روزہ وغیرہ احکامات، قرآن میں مجمل ومبہم بیان ہوئے ہیں، ان کی تبیین وتفصیل کہ کتنی رکعات ہوں اور ان کی ترتیب وترکیب

اور کیفیت کیا ہو وغیرہ، احادیث سے ہوئی ہے، اس لئے خود قرآن کا سمجھنا حدیث پر موقوف ہے۔

اس مختصر وضاحت سے معلوم ہوا کہ قرآن کے ساتھ حدیث پاک کو ماننا بھی لازم وضروری ہے اور اس کے بغیر تو قرآن بھی سمجھا نہیں جاسکتا اور قرآن ہی کی رو سے حدیث کی ضرورت وحجیت ثابت ہوتی ہے اور جو حدیث کو نہیں مانتا، وہ دراصل قرآن کا منکر ہے۔

منکرینِ حدیث کے اعتراضات:

اس کے بعد منکرین حدیث کے اس سلسلہ میں اعتراضات کا جائزہ بھی اجمالی طریقہ پر لیجئے گا:

(۱) ایک بات تو یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ بعض حدیثوں میں احادیث کے لکھنے سے حضور علیہ السلام نے خود منع فرمایا ہے، اگر حدیث کا کوئی مقام ہوتا تو آپ کیوں منع کرتے؟ (۲) ایک بات یہ کہتے ہیں کہ حدیث لکھنے کا رواج صحابہ کے دور میں نہیں تھا، اگر اس کا کوئی درجہ اسلام میں ہوتا تو صحابہ ضرور اس کا اہتمام کرتے۔

(۳) ایک بات یہ بے توفیق فرقہ یہ کہتا ہے کہ حدیث بہت بعد کے دور میں محدثین نے محفوظ کی ہے اور اس سے پہلے صرف حافظہ پر اعتماد کیا جاتا تھا، جس میں غلطی کا اور بھول چوک کا قوی اندیشہ ہے، لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کر سکتے۔

(۴) ایک اعتراض ان کا یہ ہے کہ حدیثوں میں بہت سی موضوع احادیث بھی ہیں، لہٰذا کیا بھروسہ کہ کون صحیح اور کون موضوع ہے؟

(۵) ایک اعتراض ان کا یہ ہے کہ احادیث میں اختلاف ہے، کسی میں کچھ ہے، کسی میں

کچھ ہے، لہٰذا ان پر اعتماد نہیں کر سکتے۔

ان اعتراضات اور اس قسم کے اور اعتراضات پر ہمارے علماء نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں اور ان کے مسکت و مدلل جوابات دیئے ہیں، ہم اختصار کے ساتھ یہاں ان مذکورہ اعتراضات کے جوابات لکھتے ہیں۔

عہد نبوی و صحابہ میں کتابت حدیث:

(۱) جہاں تک حدیث لکھنے سے منع کرنے کی بات ہے، تو یہ ابتدائی دور کی بات ہے جس میں صحابۂ کرام کو قرآن کے ساتھ حدیث کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے اس بات سے منع فرمایا گیا تھا کہ حدیث نہ لکھی جائے، مگر بعد میں جب اس اشتباہ والتباس کا اندیشہ نہ رہا، تو آپ ﷺ نے اس کی اجازت بلکہ حکم دیا کہ حدیث لکھی جائے، ایک صحابی نے حدیث بھول جانے کا شکوہ کیا تو فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو اور اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ کیا۔

(ترمذی:۲۵۹،طبرانی فی الاوسط:۲۴۵/۱)

پھر آپ ﷺ نے عام حکم بھی دیا "اکتبوا ولا حرج" کہ لکھ لیا کرو، کوئی حرج نہیں۔

(طبرانی کبیر:۲۷۶/۴)

نیز حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷛ کو بھی آپ نے لکھنے کے لئے فرمایا (دارمی:۱/ ۱۳۶) اور فرمایا کہ علم کو قید کرو، پوچھا گیا کہ علم کا قید کرنا کیا ہے؟ فرمایا کہ لکھنا۔

(مستدرک:۸۸/۱)

ان احادیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حدیث لکھنا منع نہیں ہے، بلکہ آپ نے اس کا حکم دیا ہے۔

اور رہا دوسرا اعتراض کہ صحابہ نے دور میں حدیث نہیں لکھی جاتی تھی، یہ اعتراض اس آدمی کا ہوسکتا ہے جو عقل سے بے بہرہ اور علم سے محروم ہو، ورنہ تاریخ کے صفحات اور احادیث کے کتابوں کے دیکھنے کے بعد کوئی یہ اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا خود اللہ کے نبی علیہ السلام کی اجازت سے متعدد حضرات نے حدیث لکھی ہے، جن میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷛ بھی ہیں جن کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ ﷛ نے فرمایا کہ وہ مجھ سے زیادہ حدیثیں جانتے تھے اور وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

(بخاری:۱۱۱،ترمذی:۲۵۹۲،دارمی:۴۸۳،احمد:۷۰۸۳)

اور ان کے لکھے ہوئے صحیفہ کا نام خود انہوں نے "الصحيفة الصادقة" رکھا تھا۔ اور حضرت علی کے ﷛ پاس بھی حدیثیں لکھی ہوئی تھیں اور اس مجموعہ کا نام صحیفۂ علی مشہور ہے، اس صحیفہ کا ذکر (بخاری: کتاب الجزیہ، باب "اثم من عاهد ثم غدر"، مسلم: کتاب الحج حدیث:۲۴۱۳۲ و کتاب العتق حدیث:۲۷۷۴، ترمذی: کتاب الدیات حدیث:۱۳۳۲، نسائی: کتاب القسامہ:۴۷۵۳، ابوداؤد: کتاب المناسک:۱۷۳۹، ابن ماجہ: کتاب الدیات:۲۶۴۸، احمد:۵۶۵،) وغیرہ میں موجود ہے۔

اسی طرح حضرت انس ﷛ کے پاس بھی بیاضیں لکھی ہوئی تھیں، جو وہ اپنے شاگردوں کو نکال کر بتاتے اور فرماتے کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جو میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنی ہوئی ہیں۔ اسکو حاکم نے مستدرک: (۳/۶۶۴) میں روایت کیا ہے۔

ان کے علاوہ خود آنحضرت ﷺ کا بعض احکامات و فرامین لکھوا کر دینا اور بعض بادشاہوں کے نام خطوط لکھوانا، کتب حدیث و سیر میں مذکور و مشہور ہے۔

معلوم ہوا کہ منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ صحابہ کے دور میں حدیث نہیں لکھی جاتی تھی، جھوٹ ہے۔

حفظ حدیث کا رواج :

رہا یہ کہنا کہ حدیثیں بہت بعد میں محدثین نے محفوظ کی ہیں، اس کا غلط ہونا اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے، ورنہ کتابت حدیث کا سلسلہ پہلے سے جاری تھا۔ ہاں بہت سی حدیثیں بعد میں مدون ہوئیں مگر وہ محفوظ پہلے سے تھیں، اس طرح کہ قوت حافظہ سے کام لیا جاتا تھا اور اس زمانہ میں اللہ نے غیر معمولی قوتِ حافظہ عطا فرمائی تھی اور خود آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس کا حکم تھا کہ حفظ حدیث کا اہتمام ہو اور خود قرآن میں بھی اسکا حکم ہے جیسا کہ اوپر گذر گیا۔

لہٰذا اس اہتمام بلیغ کے ساتھ جس کو ان حضرات نے اپنایا، حدیث کا حفظ کرنا اور روایت کرنا کوئی تعجب خیز بات نہیں اور نہ ہی قابلِ انکار بات ہے۔

محدثین کا کارنامہ:

اور ان کا یہ اعتراض کہ حدیثوں میں صحیح و غلط، موضوع وضعیف کی ملاوٹ ہے۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ محدثین نے اصولِ روایت و درایت وضع کر کے، دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کر دیا، پھر اعتراض کی کیا بات ہے۔

اللہ تعالےٰ نے ان محدثین کرام کے ذریعہ احادیث میں صحیح وضعیف اور موضوع کے فرق و امتیاز کا کام لیا، درحقیقت یہ اس دین کا خاصہ اور اسلام کا ایک معجزہ ہے، ان حضرات محدثین نے دنیا کے مختلف مقامات کا اس دَور میں سفر کیا جبکہ سواریوں کا معقول نظم و رواج نہیں تھا اور ایک ایک حدیث کی جانچ پڑتال کے لئے ساری پریشانیاں اور مصیبتیں جھیلیں، اور ان کے رُوات و

رجال کی تحقیق کی ان میں سے ثقہ وغیر ثقہ کی تمیز کی اور وضاعین وکذابین کی احادیث کو الگ کیا اور دیگر احادیث کا عمدہ وبہترین انتخاب کیا، اس طرح احادیث میں فرق وامتیاز کی ایک بے نظیر و حیرت انگیز خدمت انجام دی۔

پھر اب اس اعتراض کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے کہ احادیث میں ہر قسم کی احادیث ہیں؟ یہ اعتراض اب وہی شخص کرسکتا ہے جس عقل میں خلل ہو۔

اور رہا اختلافات کے بہانے احادیث کا رد اور اس پر اعتراض، یہ بھی لغو ہے کیونکہ اس کے لئے اصول ترجیح موجود ہیں، نیز تطبیق کی بھی صورتیں ہوتی ہیں۔

چنانچہ بعض جگہ قرآن میں بھی بظاہر اختلاف وتعارض نظر آتا ہے مگر اس کو اصول کی روشنی میں حل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرات علماء احادیث میں ظاہرِ نظر میں آنے والے اختلاف و تعارض کو اصول کی روشنی میں حل کیا جاتا ہے۔

نہایت اختصار کے پیش نظر کچھ امور کی طرف نشاندہی اور اجمالی اشارے کئے گئے ہیں، تفصیل کے لئے علماء نے جو کتابیں لکھی ہیں، ان کا مطالعہ کیا جائے۔

حدیث ﴿۹۲﴾

﴿عَنْ مُعَاذٍ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: خُذُوا الْعَطَايَا مَادَامَ عَطَاءً فَإِذَا صَارَ رِشْوَةً عَلَى الدِّيْنِ فَلَا تَأْخُذُوْهُ وَلَسْتُمْ بِتَارِكِيْهِ، يَمْنَعُكُمُ الْفَقْرُ

وَالْحَاجَةُ،اَلَا اَنَّ رَحَى الْاِسْلَامِ دَائِرَةٌ،فَدُوْرُوْا مَعَ الْكِتَابِ حَيْثُ دَارَ، اَلَا اَنَّ الْكِتَابَ وَالسُّلْطَانَ سَيَفْتَرِقَانِ فَلَا تُفَارِقُوْا الْكِتَابَ ،اَلَا اَنَّهٗ سَيَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ يَقْضُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ مَالَا يَقْضُوْنَ، اِنْ عَصَيْتُمُوْهُمْ قَتَلُوْكُمْ ، وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اَضَلُّوْكُمْ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ !كَيْفَ نَصْنَعُ ؟ قَالَ :كَمَا صَنَعَ اَصْحَابُ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ، نُشِرُوْا بِالْمَنَاشِيْرِ وَحُمِلُوْا عَلَى الْخَشَبِ وَمَوْتٌ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ حَيٰوةٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ ﴾

(ترجمہ: حضرت معاذؓ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ہدیہ اسی وقت قبول کرسکتے ہو جب تک کہ وہ ہدیہ رہے لیکن جب وہ دین کے معاملہ میں رشوت بن جائے تو اسے قبول نہ کرو مگر (ایسا نظر آتا ہے کہ) تم (اُمت کے عام لوگ) اسے چھوڑو گے نہیں، کیونکہ فقر اور ضرورت تمہیں مجبور کرے گی، آگاہ رہو کہ اسلام کی چکی بہر حال گردش میں رہے گی، اس لئے کتاب اللہ جدھر چلے، اسی کے ساتھ چلو (اسے اپنی خواہشات کے مطابق نہ ڈھالو)، آگاہ رہو کہ عنقریب تم پر ایسے حاکم مسلط ہوں گے جو اپنے لئے وہ تجویز کریں گے جو دوسروں کے لئے تجویز نہیں کریں گے، تم اگر ان کی نافرمانی کرو گے تو تمہیں قتل کریں گے اور اگر فرمانبرداری کرو گے تو (بے دینی کے سبب) تمہیں گمراہ کریں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ایسی صورت میں) ہمیں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے؟ فرمایا: وہی جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے اصحاب نے کیا کہ انہیں آروں سے چیرا گیا، سولی پر لٹکایا گیا (مگر وہ دین پر قائم رہے)، اور اطاعت الٰہی میں جان دے دینا معصیت کی زندگی سے (بدرجہا) بہتر ہے)

تشریح

تخریج ودرجۂ حدیث:

اس حدیث کوطبرانی نے مسند الشامیین: (۳۷۹/۱) میں اور معجم صغیر: (۴۲/۲) اور معجم کبیر: (۹۰/۲۰) میں اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء: (۱۶۶/۵) میں رُوایت کیا ہے۔ اسکی سند میں یزید بن مرثد ایک راوی ہیں جن کوحضرت معاذ سے سماع حاصل نہیں یعنی روایت منقطع ہے، اور دوسرے راوی وضین بن عطاء کوبعض حضرات نے ضعیف کہا ہے مگر ابن حبان وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے اور باقی راوی سب ثقات ہیں۔ (قالہ فی مجمع الزوائد: ۲۳۸/۵)

مگر ابن حبان نے اپنی کتاب مشاہیر علماء الامصار: (۱۸۳/۱) میں ان یزید بن مرثد کو حضرت معاذ بن جبل ﷺ کے اصحاب میں شمار کیا ہے جس سے ان کا سماع یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم) لہٰذا اس بنا پر اس روایت کومنقطع کہنا صحیح نہ ہوگا بلکہ روایت متصل ہوگی۔ اور کنزالعمال میں حضرت ابن مسعود سے بھی اسی طرح کی روایت آئی ہے (کنز: ۱۲۰/۱، رقم: ۱۰۷۷)، لہٰذا یہ پہلی حدیث کی شاہد ہوگی جس سے پہلی حدیث کوتقویت ملجاتی ہے۔

رشوت یا ہدیہ:

اس حدیث میں حضرت نبی کریم ﷺ نے چند نصائح اور اپنے بعد کے دور کے کچھ فتنوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) پہلی بات یہ فرمائی کہ ہدیہ اس وقت تک قبول کرو جب تک کہ وہ ہدیہ رہے۔ اور جب وہ دین کے بارے میں رشوت بن جائے، تو اس کو قبول نہ کرو۔ لیکن تم لوگ اس کو چھوڑو گے نہیں

کیونکہ فقر وفاقہ تمہیں اس سے بچنے سے روکے گا۔

اس میں ہدیہ کا ادب بیان فرمایا کہ ہدیہ اسی وقت قبول کیا جاسکتا ہے جب کہ ہدیہ ہدیہ رہے اور اگر ہدیہ صرف نام کے اعتبار سے ہو، حقیقت میں وہ ہدیہ نہ رہے بلکہ رشوت بن جائے تو پھر اس کو لینا جائز نہ ہوگا۔

علامہ مناویؒ نے ایک دوسری روایت کی شرح میں جو انہی الفاظ کے ساتھ ابوداؤد وغیرہ میں آئی ہے، فرمایا کہ سلطان و بادشاہ کی طرف سے عطیہ وہدیہ اس وقت تک لے سکتے ہو جب تک کہ وہ عطا ہو اور اس میں کوئی دنیوی فاسد غرض شامل نہ ہو اور جب وہ بادشاہ کی طرف سے تمہارے دین سے تم کو ہٹانے اور غیر شرعی باتوں پر تم کو ابھارنے کے لئے دیا جائے تو اس کو نہ لو۔ (فیض القدیر: ۳/۴۲۵) اسی طرح بذل المجهود: (۵/۱۲۳) میں بھی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیہ الگ چیز ہے اور رشوت الگ چیز، کسی چیز کو ہدیہ کہنے سے وہ ہدیہ نہیں ہوجاتی اور نہ کسی چیز کو رشوت کہنے سے رشوت ہوتی ہے۔ بلکہ ان کی اپنی ایک حقیقت ہے، اس کے لحاظ سے وہ ہدیہ یا رشوت ہوتے ہیں۔ ہدیہ وہ ہے جو محض محبت سے بلا کسی غرض کے دیا جائے۔ اور رشوت وہ ہے جس کے ذریعہ حق کے باطل کرنے یا ناجائز و باطل کے حاصل کرنے کا کام لیا جائے۔ (فیض القدیر: (۵/ ۲۶۸) اور تحفۃ الاحوذی میں ہے کہ راشی وہ ہے جو باطل پر مدد حاصل کرنے کے لئے کسی کو کچھ دے۔ اور جو اپنے حق کو وصول کرنے یا اپنے سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے دیا جائے، وہ اس حرام رشوت میں داخل نہیں۔

(تحفۃ الاحوذی: ۴/۴۷۱)

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ بادشاہ یا کوئی اور، اگر محبت کی وجہ سے عطیہ دیں تو لے سکتے ہیں

اوراگر وہ تم سے کوئی ناجائز کام کرانے اور تم کو دین سے روکنے وغیرہ، فاسد اغراض کے لئے دیں، تو نہیں لے سکتے۔

آج بڑی بڑی طاقتیں مسلمان سیاست دانوں کو اسی دین کے معاملہ میں رشوت کے ذریعہ اپنے دام فریب میں پھانس رہی ہیں۔ امریکہ نے متعدد سیاست بازوں کے ساتھ اسی "رشوت" کے نوالے سے سازباز کی ہے۔ افسوس کہ ان مسلمان سیاست بازوں کو "دین وایمان" کی کوئی قدر نہ ہوئی اور اس کا سودا دنیا کے ٹکوں کے عوض میں کرلیا، اللہ کے نبی علیہ السلام نے اسی سے منع فرمایا تھا۔

اور آگے جو فرمایا کہ تم اس کو چھوڑو گے نہیں کیونکہ فقر وحاجت تم کو اس کے چھوڑنے سے منع کریں گے؟ اس کے مخاطب اگر چہ ظاہرا تو صحابہ تھے مگر فی الواقع اس کے مخاطب بعد کے عام لوگ ہیں، جو اچھا بُرا جو ملا، اپنی ضروریات وحاجات کے لے لیتے ہیں۔ اور اس جملہ سے دراصل تنبیہ مقصود ہے، اجازت مراد نہیں جیسے کوئی غلطی کرے، تو اس کو منع کرنے کی خاطر کبھی اس طرح کہہ دیتے ہیں کہ تم اس کام کو چھوڑو گے نہیں، یعنی تم کو بری عادت پڑ گئی ہے، اس لئے باز نہ آؤ گے مگر ظاہر ہے کہ اس سے اجازت کا مفہوم تو نہیں نکلتا۔

اسلام کی چکی گردش میں ہے:

(۲) آگے فرمایا کہ "آگاہ رہو کہ اسلام کی چکی گردش میں ہے، اس لئے تم کتاب اللہ جدھر چلے، اسی کے ساتھ چلو"۔

"اسلام کی چکی چلتی رہے گی" ابوداؤد واحمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اسلام کی چکی چلتی رہے گی، پینتیس برس یا چھتیس یا سینتیس برس، پس اگر وہ لوگ ہلاک

ہوئے تو وہ اس راستہ سے ہلاک ہوئے جو ان سے پہلے گذرے ہیں اور اگر ان کے لئے دین قائم رہا یعنی وہ دین پر جمے رہے تو ان کے لئے وہ ستر برس تک قائم رہے گا۔

(ابوداؤد:۱۲؍۳۷۱، احمد:۳۵۲۳)

اس حدیث میں بھی ''اسلام کی چکی کے گردش میں رہنے'' کی بات آئی ہے اور اس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ پینتیس سال یا چھتیس سال یا سینتیس سال تک اسلام کی چکی قائم ودائم رہے گی اور اس کا نظام باقی رہے گا۔ یہ پینتیس سال خلفاء ثلاثہ کی مدتِ خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ اور چھتیس سال سے اشارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جو واقعہ جنگ جمل کا رونما ہوا اس کی طرف ہے۔ اور سینتیس سال سے اشارہ جنگ صفین کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ کا زمانہ تو پوری خیر وبرکت کا ہے پھر اس کے بعد کا دور بھی خیر وبرکت اور اسلام کے بقاء کا ہے جس میں ''علی منهاج النبوة'' اسلامی نظام قائم رہا، اگرچہ بنسبت ماقبل کے کچھ کمی ہو۔ (بذل المجہود:۶؍۹۳ وعون المعبود:۱۱؍۱۲۳)

دوسرے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی چکی چلتی رہے گی یعنی اس میں جھگڑے اور حرب وضرب اور قتل وقتال کا سلسلہ جاری رہے گا اور اس کا سلسلہ اسلام کے ظہور یعنی ہجرت کے سال سے پینتیس یا چھتیس یا سینتیس برس کے بعد سے ہوگا۔ اور بعض روایات میں اس جگہ تدور کی تزول کا لفظ آیا ہے جو اس کی تائید کرتا ہے۔ (عون المعبود:۱؍۲۲۱)

زیر بحث حدیث میں دوسرے معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور کے بعد سے اس میں حرب وضرب، قتل وقتال اور فساد وفتن کا سلسلہ برابر چلتا رہے گا، مگر تم اس طرف کو چلو جس طرف قرآن پاک گردش کر رہا ہے یعنی جدھر وہ چلے تم اسی

طرف کو چلو۔ اس طرح تم فتنوں اور فسادات سے اپنے آپ کو بچا سکو گے۔ یہ وصیت و نصیحت ہر دور کے مسلمانوں کے لئے ہے اور بالخصوص اس دورِ پُر فتن کے مسلمانوں کے لئے بڑی اہم ہے کہ فتنے تو آئیں گے اور یہ چکی چلتی رہے گی مگر پناہ و نجات کا سامان صرف اور صرف شرع کی پاسداری میں ہے اور کوئی سامان و طریقہ اس کے لئے نہیں۔

سیاست داں، کتاب اللہ سے دور ہوں گے:

(۳) پھر فرمایا کہ خبر دار رہو کہ عنقریب کتاب اور حکمران جدا جدا ہو جائیں گے یعنی حکمران طبقہ، اللہ کی کتاب سے الگ ہو کر زندگی گذارے گا اور من مانی طریقہ اختیار کرے گا۔

ایک تو اسلامی سیاست کے علمبردار حضرات ہیں جیسے صحابہ اور ان کے بعد بعض حضرات، ان کا طریقہ یہ تھا کہ ان کی سیاست اسلام و شریعت کے تابع تھی، ہر کام اللہ و رسول کے حکم کے مطابق تھا۔

دوسرے دنیوی سیاست کے علمبردار لوگ ہیں، جو اسلام کو اپنی سیاست کے لئے اور حکومت کے لئے خطرہ سمجھتے ہیں اور اس لئے اسلام کو پس پشت ڈال کر من مانی طریقہ یا مغربی حکمرانوں کا دیا ہوا طریقہ اپناتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام جس سیاست کی تعلیم دیتا ہے، اس کا سب سے پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے کہ ''اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ'' (سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں چلے گا)۔

حکمرانی اللہ کی ہوگی اور سیاست کے عہدوں پر فائز لوگ من مانی کرنیکے بجائے صرف اللہ کے قانون کو چلانے کے مجاز ہوں گے، نہ مال ان کا مال ہوگا، نہ ان کو اس میں حسب خواہش تصرف کا اختیار ہوگا، نیز وہ عام رعایا کی طرح زندگی کریں گے، نہ عیش ہوگا، نہ مستی کی سرگرمیاں

ہونگی۔ یہ ہے اسلامی سیاست کا بنیادی اصول، بھلا اس سیاست کو وہ لوگ کیسے پسند کریں گے، جن کا مقصد ہی ان عہدوں و مناصب سے دنیوی دولت کا حصول اور عیش و مستی کی زندگی ہے۔

اس لئے فرمایا کہ حکمراں طبقہ اور کتاب الگ الگ ہو جائیں گے اور آج کے حکمراں طبقہ پر یہ بات سوفی صد صادق آتی ہے، اور یاد رہے کہ یہ بات کافر حکمرانوں کے بارے میں نہیں کہی گئی ہے کہ وہ تو پہلے ہی سے قرآن سے جدا ہیں، بلکہ یہ بات ان کے حق میں کہی جارہی ہے جو اسلام کے دعویدار ہیں اور لوگ بھی ان کو مسلمان اور ان کے زیر اقتدار ملکوں کو اسلامی ملک کہتے ہیں جیسا کہ آج کے بیشتر اسلامی ملکوں کے حکمرانوں کا حال ہے۔

اہل سیاست کی شکم پروری:

(۴) آگے ارشاد ہے کہ" آگاہ رہو کہ عنقریب تم پر ایسے امراء و حکام مسلط ہوں گے جو اپنے لئے وہ تجویز کریں گے جو دوسروں کے لئے تجویز نہیں کریں گے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ حکمران اپنے لئے جو مال و دولت، عہدہ و منصب، جاہ و عزت اور مقام و منزلت، عیش و راحت تجویز کریں گے، وہ دوسرے کے لئے کیسے تجویز کریں گے بلکہ جو اس میں ان کی ریس کرنا چاہے گا، اسکو قتل کریں گے یا سزائیں دیں گے، یا اس کے لئے رکاوٹیں پیدا کریں گے۔

وہ تم کو قتل کریں گے یا گمراہ کریں گے:

(۵) پھر فرمایا کہ اگر تم ان کی نافرمانی کروگے، تو وہ تم کو قتل کردیں گے اور فرمانبرداری کروگے، تو تم کو گمراہ کردیں گے۔

کیونکہ وہ لوگ اپنی نافرمانی کو برداشت نہیں کرتے، اگرچہ ان کی یہ نافرمانی اللہ کے دین کے لئے ہو۔ جیسے کسی حکمراں نے ایسا حکم دیا جو خدا کے حکم کے خلاف ہو، تو اب یہاں حکمراں کی

نافرمانی دراصل اللہ کے لئے ہے مگر یہ حکمراں، مسلمان ہوکر بھی اس کو پسند نہ کرے گا کہ اس کی نافرمانی کی جائے یا یہ کہ اللہ کے حکم پر لوگ چلیں بلکہ اس کے حکم کو نہ ماننے پر قتل کردے گا اور اگر اس کی فرمانبرداری کی جائے تو چونکہ وہ حکم خدا کے خلاف ہے، دین وشریعت کے خلاف ہے، اس لئے اس کے ماننے والے گمراہ ہوں گے۔

یہ حدیث اللہ کے نبی علیہ السلام نے آج سے چودہ سو سال قبل فرمائی تھی جو حرف بحرف آج کے دور پر صادق آرہی ہے۔

ہم کیا کریں ؟:

(۶) اس کے بعد ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جب یہ صورتِ حال پیش آنے والی ہے، تو ہم اس وقت کیا کریں اور کس طرح سے اس صورتِ حال سے نمٹیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہی کرو جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے اصحاب (حواریوں) نے کیا کہ ان کو آروں سے چیرا گیا اور سولی پر لٹکایا گیا (مگر انہوں نے دین کو نہیں چھوڑا)

اللہ کے رسول علیہ السلام نے اُس دور پرفتن میں جبکہ اہل ایمان کو محض ان کے ایمان دار ہونے کی وجہ سے مشکلات پیش آئیں اور حکمراں طبقہ اپنی بے دینی اور اسلام دشمنی کی وجہ سے اِن اہل ایمان کو بے دینی پر مجبور کرنے اور لالچ اور خوف دلاکر ان کو ایمان سے متزلزل کرنے کی کوشش کرے، ایک صاحبِ ایمان کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کا جواب دیا ہے اور فرمایا کہ کسی کی طرف سے تم کو لالچ دیا جائے یا خوف کی بھٹی میں اس کو تپایا جائے، قتل وخون سے اس کو دوچار ہونا پڑے یا عہدوں ومنصبوں کا لقمۂ تر اس کو پیش کیا جائے؛ ہر صورت میں اس کو ایمان پر مضبوطی سے جمارہنا چاہئے۔ اور اس استقامت علی الدین وتصلب علی الاسلام کے نتیجہ میں اگر اس کو سولی

کے تختہ پر چڑھا دیا جائے یا آروں سے چیرا جائے یا بندوق کی گولی کا نشانہ بنا دیا جائے، یا قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار کیا جائے تو ہر ابتلاء وآزمائش کے لئے وہ تیار ہو جائے اور کسی حال میں دین کو نہ چھوڑے۔

نبی کریم ﷺ نے اہل ایمان کی تقویت کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں واصحاب کا ذکر بھی فرمایا کہ ان کو اسی دین کے راستہ میں آزمائشوں اور ابتلاؤں کا سامنا کرنا پڑا اور ان کو آروں سے چیرا گیا اور سولی پر لٹکایا گیا مگر ان اللہ کے بندوں نے ہر چیز کو گوارا کیا مگر دین کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا بلکہ دین پر جمے رہے۔

مسلمانو! آج کا یہ دور بھی اہل اسلام کے خلاف سازشوں کا دور ہے، ان کو بدنام کر کے ان پر فرد جرم عائد کرنے کی ناپاک چالبازیوں کا دور ہے، یہ وہ دور ہے جس میں دین پر استقامت سے چلنے والے کو نہ صرف کفار وملحدین بلکہ خود مسلمان کہلانے والے حکمراں بھی ترچھی نظروں سے دیکھ رہے ہیں، ان کو دہشت گردی کی طرف منسوب کر رہے ہیں اور ان کو دین پر چلنے سے باز رکھنے کی تدبیریں کر رہے ہیں، ان کی ڈاڑھیاں، ان کی اسلامی وضع قطع، ان کے اعمال واخلاق، ان کی دین سے نسبت ومحبت، اِن لوگوں کو کھٹک رہی ہے حتی کہ بعض اسلامی ملکوں میں ڈاڑھی رکھنا ممنوع یا کم از کم معیوب ہو گیا ہے۔ بعض ملکوں میں قرآن کی تعلیم پر پابندی ہے اور اسلام پسندوں کے خلاف کاروائی جاری ہے، شاید اس سے قبل اتنے فتنوں کا اجتماع دنیا میں نہ ہوا ہو جتنا کہ آج ہے۔

اس صورتِ حال میں ہم سب کے لئے راہِ عمل وہی ہے جو اللہ کے نبی علیہ السلام نے بیان فرمائی کہ دین پر استقامت کے ساتھ چلتے رہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ کے بعد آپ کی امت بہت سے فتنوں میں گھر جائے گی، اس سے خلاصی کی راہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "اللہ عزیز کی کتاب جس کے پاس کوئی باطل نہیں آسکتا، نہ آگے سے نہ پیچھے سے، جو کہ خدائے حکیم وحمید کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ (کنز العمال:۱/۱۹۶، حدیث:۱۶۴۲)

لہٰذا اس نسخۂ شفاء کو حاصل کیا جائے اور اس پر عمل کر کے شفاء ونجات حاصل کی جائے۔

خدا کی نافرمانی میں جینے سے اطاعت میں مر جانا بہتر ہے:

(۷) اس حدیث کے آخر میں ارشاد نبوی ہے:

"وموت فی طاعة الله خيرمن حياة فی معصية الله"

(یعنی اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے مر جانا، خدا کی نافرمانی کرتے ہوئے جینے سے بہتر ہے)

اگر ایک مومن کو اس پر یقین آجائے تو وہ کبھی خدا کی اطاعت سے روگردانی نہ کرے، خواہ لالچ اس کے سامنے آئے یا خوف ودہشت، کیونکہ مال ودولت، جاہ وعزت، آسائش وراحت، عیش وعشرت سب کی سب چیزیں فانی ہیں، ان کی وجہ سے اگر خدا کی معصیت کرے گا، تو یہ چیزیں تو زیادہ سے زیادہ موت آنے تک رہ سکتی ہیں، موت آتے ہی سب لذتیں وراحتیں اور مال ودولت کے سارے خزانے چھوٹ جائیں گے اور معصیت کا وبال سر پر باقی رہ جائے گا۔

اور اگر کسی نے ان دنیوی وفانی لذتوں وراحتوں کو لات مار کر اللہ کی اطاعت میں جان دیدی تو جان تو گئی مگر اس کے بدلے میں وہاں اس کو اللہ کی رضا کا پروانہ اور اس کے ساتھ دائمی

راحتیں ولذتیں ملیں گی، اس لئے مؤمن صرف اور صرف خدا کی رضا چاہتا ہے،اس کی دنیا وآخرت کا واحد مقصد، اس کی موت وحیات کی آخری منزل اوراس کے عمل ومجاہدہ کا منتہیٰ یہی رضاءالٰہی ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾

(ترجمہ: اے نبی کہد یجئے کہ میری نماز، میرا حج، (یا قربانی) اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب کا سب) اللہ رب العالمین کے لئے ہے)

اے اللہ! ہم کو تیری رضا عطا فرما اور رضا والے اعمال کی توفیق عطا فرما اور صرف اور صرف تیری رضا کے لئے جینے اور مرنے کی توفیق عطا فرما اور تیری رضا کے لئے مرنا پڑے تو، اے اللہ! مرنے کی ہمت عطا فرما اور اپنی ناراضی سے بچا اور ناراضی کے اعمال سے پناہ عطا فرما، آمین یا رب العالمین۔

تمت بفضل اللہ

هٰذا آخر شرح اردت تعليقه على كتاب "العصر الحاضر فى مِرآة الحديث النبوى" للعلامة محمد يوسف اللدهيانوى عليه الرحمة والحمدلله الذى وفقنى لتعليق الشرح على هٰذه الرسالة المفيدة المهمة ومنّ علىّ باتمامه فى مدةٍ يسيرةٍ مع قلة بضاعتى وقصور باعى، ويسّرلى المراجع من كتب الحديث وشروحاته حتّى تيسّر لى تخريج الا حاديث وتحقيقها وتعليق الشرح عليها. فلله الحمد اولًا وآخرًا، وقد وقع الفراغ من تسويده فى اول ساعة من يوم الخميس، ثالث شعبان المعظم سنة ثلث وعشرين بعد اربعمائة والالف من الهجرة النبوية على صاحبها الصلوة والسلام. فقط

وانا الاحقر محمد شعيب الله خان